محیطِ ادب

حضرت پیر سیّد نصیر الدّین نصیؔر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

اگرات در دلت آرزو کہ نظرے بہ خوش نظرے رسد
بحریم جلوۂ خود نشیں کہ ترا ازو خبرے رسد

محیطِ ادب

اگرت دولت آرزو کہ نظرے بہ خوش نظرے رسد
بحریم جلوۂ خود نشیں کہ ترا ازو نظرے رسد
محیطِ ادب

محیطِ ادب

(اشعار: ابوالمعانی میرزا عبدالقادر بیدلؒ)

مترجم وشارح

پیر سیّد نصیر الدّین نصیرؔ گیلانیؒ

با یماء و رضا

جانشین نصیرِ ملت

پیر سیّد غلام نظام الدّین جامیؔ گیلانی قادری

سجّادہ نشین، درگاہ غوثیہ مہریہ، گولڑہ شریف

نام کتاب : محیطِ ادب

شارح : پیر سیّد نصیر الدین نصیر گیلانیؒ

(14 نومبر 1949ء، 13 فروری 2009ء)

ترتیب وتدوین : فاران نظامی، محمد کبیر (کلر سیّداں)

پروف ریڈنگ : علامہ رب نواز اجمیری

اشاعت : اوّل

کمپوزنگ : محمد کبیر (کلر سیّداں)

سرِ ورق : محمد دانش نجم

ناشر : مہریہ نصیریہ پبلشرز، گولڑہ شریف

نگران طباعت : حاجی عبدالقیوم گولڑوی

نگران پروڈکشن : میاں جاوید اقبال

تعداد : 1100

قیمت : 350/- روپے

سن طباعت : 1437ھ/ 2016ء

ملنے کا پتہ

طلوعِ مہر آڈیو ویڈیو لائبریری، مکتبہ مہریہ نصیریہ درگاہِ غوثیہ مہریہ

سیکٹر E-11 گولڑہ شریف اسلام آباد، فون: 051-2106464 /0300-9101064

Web: www.pirsahibgolrasharif.com, www.facebook.com/TalooEMehr

مکتبہ ضیاء القرآن
گنج بخش روڈ، لاہور

اسلامک بک کارپوریشن
کمیٹی چوک، راولپنڈی۔

احمد بک کارپوریشن
کمیٹی چوک، راولپنڈی۔

مامورمن الرسول، سرِّ جلوۂ کرامتِ متقدمین، مظہرِ جمال و جلالِ متوسطین، منظرِ اُفقِ متاخرین، منجمِ عوارف و معانی

قبلۂ عالم حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گیلانی قدس سرہ العزیز

	ہجری تاریخ	عیسوی تاریخ
ولادتِ باسعادت	01 رمضان المبارک 1275ھ	04 اپریل 1859ء
متنبی قادیان سے مناظرہ	28 ربیع الثانی 1318ھ	25 اگست 1900ء
دورِ سجادگی	از 25 رجب المرجب 1324ھ	14 ستمبر 1906ء
	تا 29 صفر المظفر 1356ھ	11 مئی 1937ء
وفاتِ حسرت آیات	29 صفر المظفر 1356ھ	11 مئی 1937ء
نمازِ جنازہ	01 ربیع الاول 1356ھ	12 مئی 1937ء
عرصۂ سجادگی	31 سال 07 ماہ 04 دن	30 سال 07 ماہ 27 دن
عمرِ مبارک	80 سال 05 ماہ 28 دن	78 سال 01 ماہ 07 دن

نمازِ جنازہ کی امامت مولانا قاری غلام محمد پشاوری خطیب جامع مسجد درگاہِ غوثیہ مہریہ گولڑا شریف نے کی۔

فخر المتقدمین، حجۃ المتاخرین، سید العلمائے الکاملین، مفخرِ عرفاءِ اعصار، سلطانِ اقلیمِ الفاظ و معانی

حضرت پیر سید غلام محی الدین گیلانی قدس سرہ العزیز المعروف بابو جی

	ہجری تاریخ	عیسوی تاریخ
ولادت باسعادت	28 ربیع الثانی 1309ھ	01 دسمبر 1891ء
دورِ سجادگی	از 01 ربیع الاول 1356ھ	12 مئی 1937ء
	تا 02 جمادی الثانی 1394ھ	22 جون 1974ء
وفات حسرت آیات	02 جمادی الثانی 1394ھ	22 جون 1974ء
نمازِ جنازہ	02 جمادی الثانی 1394ھ	23 جون 1974ء
عرصۂ سجادگی	38 سال 03 ماہ 01 دن	37 سال 01 ماہ 10 دن
عمرِ مبارک	85 سال 01 ماہ 04 دن	82 سال 06 ماہ 21 دن

نمازِ جنازہ کی امامت سفیرِ عراق سید عبدالقادر گیلانی نے کی۔
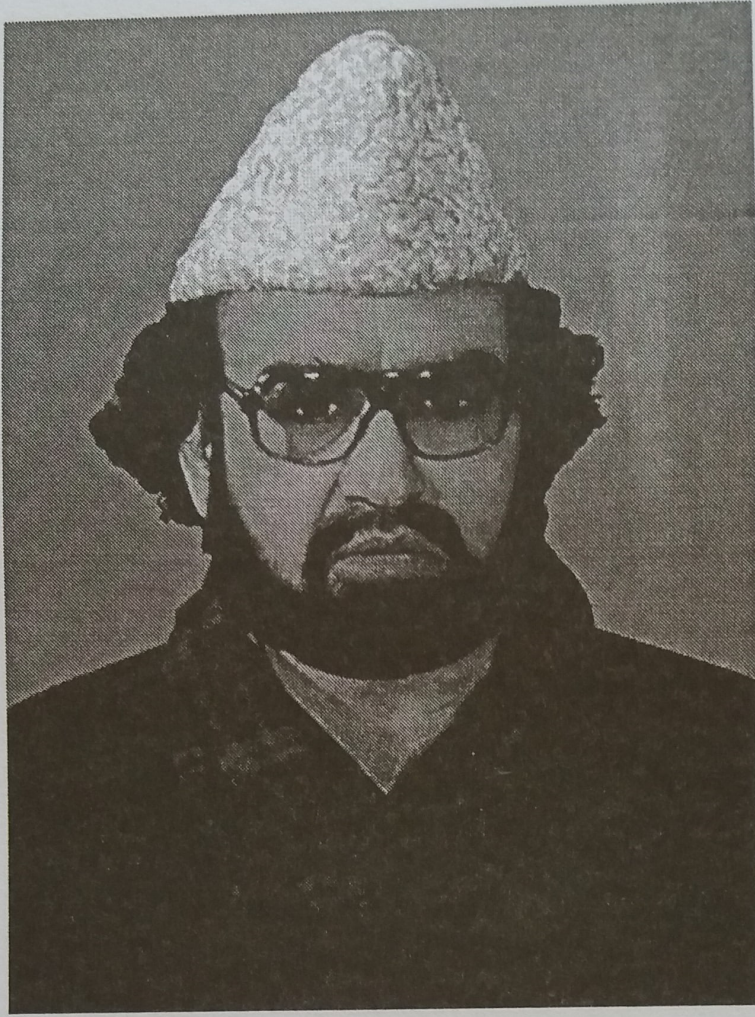
امینِ سوزِ محبت، مظہرِ صدق و صفا، پیکرِ تسلیم و رضا، پرتوِ مہرِ حق نما، مرکزِ مہر و وفا

حضرت پیر سید غلام معین الدین گیلانی قدس سرہ العزیز المعروف لالہ جی

	ہجری تاریخ	عیسوی تاریخ
ولادتِ باسعادت	03 رمضان المبارک 1338ھ	22 مئی 1920ء
دورِ سجادگی	از 03 جمادی الثانی 1394ھ	23 جون 1974ء
	تا 02 ذوالقعدہ 1417ھ	12 مارچ 1997ء
وفاتِ حسرت آیات	02 ذوالقعدہ 1417ھ	12 مارچ 1997ء
نمازِ جنازہ	03 ذوالقعدہ 1417ھ	13 مارچ 1997ء
عرصۂ سجادگی	23 سال 04 ماہ 28 دن	22 سال 08 ماہ 17 دن
عمرِ مبارک	79 سال 01 ماہ 28 دن	76 سال 09 ماہ 18 دن

نمازِ جنازہ کی امامت حضرت پیر سید نصیر الدین گیلانی نے کی۔

دُردانۂ قُلزمِ تحقیق، لولوئے لُجۂ تصدیق، شاعرِ ہفت زبان، سائرِ شواہقِ ایقان، نخل بندِ بستانِ نکتہ دانی

حضرت پیر سیّد نصیر الدّین نصیؔر گیلانی قدس سرہ العزیز

	ہجری تاریخ	عیسوی تاریخ
ولادتِ باسعادت	22 محرم الحرام 1369ھ	14 نومبر 1949ء
دورِ سجادگی	از 03 ذوالقعدہ 1417ھ	13 مارچ 1997ء
	تا 17 صفر المظفر 1430ھ	13 فروری 2009ء
وفاتِ حسرت آیات	17 صفر المظفر 1430ھ	13 فروری 2009ء
نمازِ جنازہ	18 صفر المظفر 1430ھ	14 فروری 2009ء
عرصۂ سجادگی	12 سال 03 ماہ 14 دن	11 سال 11 ماہ
عمرِ مبارک	61 سال 25 دن	59 سال 02 ماہ 30 دن

نمازِ جنازہ کی امامت صاحبزادہ ڈاکٹر ساجد الرحمٰن سجادہ نشین آستانہ عالیہ بگھار شریف نے کی۔
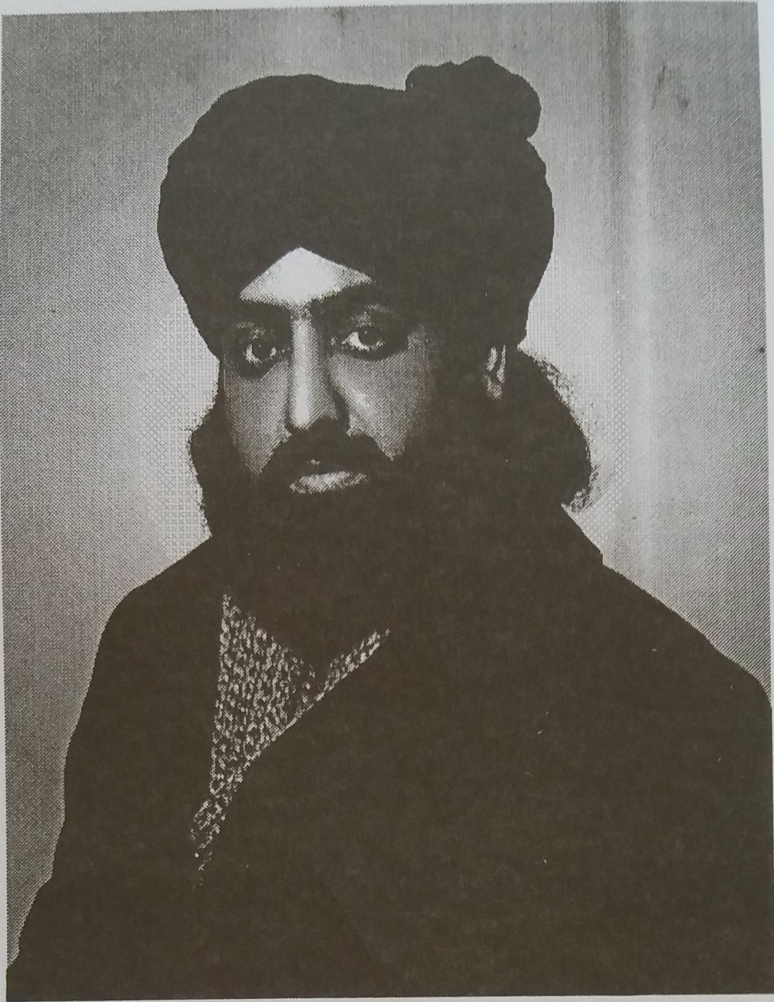
جانشینِ حضورِ نصیرِ ملت، قرینۂ مہر و محبت، گنجینۂ رموزِ شریعت

پیر سیّد غلام نظام الدّین جامؔی گیلانی قادری

سجادہ نشین درگاہِ غوثیہ مہریہ گولڑا شریف

	ہجری تاریخ		عیسوی تاریخ	
ولادت باسعادت	04 ربیع الثانی	1396ھ	04 اپریل	1976ء
دورِ سجادگی	18 صفر المظفر	1430ھ	14 فروری	2009ء

انتساب

جگر گوشۂ غوثِ جلی، نورِ چشم مہر علیؒ

حضرت پیر سیّد غلام محی الدین گیلانی المعروف بابو جی علیہ الرحمہ

کے نام

جن کی خصوصی توجّہات سے حضور نصیر ملّت نے فارسی علم و ادب میں اوج کمال حاصل کیا۔

کیا بندۂ حق نگاہ تھے بابو جیؒ
توحید کی درسگاہ تھے بابو جیؒ
تھا شرک سے آپ کا عقیدہ محفوظ
اس شان کے شیخ راہ تھے بابو جیؒ ☆

☆۔نصیر، پیر نصیر الدین، **رنگ نظام**، گولڑہ شریف، شاعر خود، 1998ء، اول، ص 102

ز ہستِ خویش مزن دم کہ در محیط ادب
حباب را نفسِ سرد خویش جلاد است
(بیدلؒ)

☆-بیدل، ابوالمعانی میرزا عبدالقادر، **کلیات بیدل**، کابل، دپوہنی وزارت ودارالتالیف، اسد 1341 خ، 1/218

فہرست

عرض مرتب

محیط ادب میرزا عبدالقادر بیدلؔ رحمۃ اللہ علیہ کے اُن منتخب اشعار کی تشریحات کا مجموعہ ہے جو پیر سیّد نصیرالدین نصیرؔ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ ''طلوعِ مہر'' میں ''جہانِ بیدل'' کے عنوان سے قسط وار شائع کیں تھیں۔ نصیرِ ملتؒ ہفت زبان شاعر ہونے کے علاوہ محقق، ادیب اور بہترین نثار تھے۔ اس طرح نصیرِ ملتؒ نے اپنی دیگر تصانیف میں بھی بیدلؒ کے اشعار سے عبارات کو مزین کیا۔

آپؒ کے پہلے دو شعری مجموعے **آغوشِ حیرت** اور **پیمانِ شب** کے نام بیدلؒ کے اشعار سے ماخوذ ہیں، جو نصیرِ ملتؒ کی بیدلؒ شناسی کی دلیل اور اس عظیم روحانی و عرفانی شاعر سے ان کی عقیدت کا مظہر تھی۔ مذکورہ شعری مجموعوں کے نام مندرجہ ذیل اشعار سے ماخوذ ہیں:

خیالش بر نمی تابد شعور اے بے خودی جوشے
نمی گنجد بدیدن جلوہ اش اے **حیرت آغوشے**

بر نمی آید بیاضِ چشمِ آہو از سواد
صبحِ اقبالِ جنونم نشکند **پیمانِ شب**

نصیرِ ملتؒ نے بیدلؒ کے اشعار کی تشریحات کا نام ''محیطِ ادب'' ۲۰ فروری ۱۹۸۷ء کو قاضی بشیرالدین صاحب کی موجودگی میں تجویز کیا، آپؒ کی ڈائری کے اُس صفحے کا عکس کتابِ ھذا کے ضمیمہ میں لگایا گیا ہے۔

محیطِ ادب اُستادِ گرامی، حضرت قبلہ حاجی محمد صلاح الدین صاحب کے حسبِ ارشاد اور ہدایات کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے۔ قبلہ اُستادِ گرامی نے اس امر کی طرف رغبت دلائی کہ نصیرِ ملت نے میرزا عبدالقادر بیدلؒ کے اشعار کی جو تشریحات کیں ہیں اُنہیں نہ صرف کتابی صورت میں یکجا کر کے محفوظ کیا جائے بلکہ تشریحات میں آنے والے حوالہ جات اور اشعار کی تخریج بھی کی جائے۔ مجھے اپنی علمی کم مائیگی اور فارسی علم و ادب سے ناشناسی کا بھرپور احساس ہے۔ اس کے باوجود یہ محض حضور نصیرِ ملتؒ کا روحانی تصرف اور فیض ہے جو اس کاوش کو صاحبانِ علم و ادب کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ برادرِ روحانی جناب محمد کبیر اس تحقیقی و علمی منصوبے کی تکمیل میں برابر کے شریک رہے۔ میں بالخصوص ان اور بالعموم اُن تمام حضرات کا نہایت شکرگزار ہوں جنہوں نے اس کتاب کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں کسی نہ کسی صورت تعاون کر کے خرد نوازی کا ثبوت دیا۔

اسیرِ زُلفِ نصیر

فاران نظامی

محیطِ آرزو

برہنہ حرف نگفتن کمال گویائیست
حدیث خلوتیاں جُز بہ رمز و ایما نیست

قومی وملّی انا کے تسلسل کو کس طرح قائم رکھا جا سکتا ہے؟ کیونکہ اس کے محفوظ رکھنے پر ہی قوم کی زندگی اور اِس کا استحکام موقوف ہے۔ ترغیبِ عمل سے ہی زندگی زندگی کہلاتی ہے۔ عمل ہی سے جنت ودوزخ کی راہیں متعین ہوتی ہیں، سعیِ پیہم اور عملِ مسلسل زندگی میں انقلاب پیدا کرتا ہے۔ ترقی کے مقامات اِس طرح طے کرنے چاہییں کہ آج کا دن گذشتہ کل اور آنے والے کل سے بہتر ہو۔ حضور نصیرملت علیہ الرحمۃ زندگی بھر اِسی فلسفہ پر کاربند رہے۔ زیرِ نظر کتاب **محیطِ ادب** میں شخصیت کے ایسے ہی اندازِ تعمیر کی تلقین کی گئی ہے۔

ارشادِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مطابق ''اگر کسی نے دو دن لگاتار ایک ہی حالت میں گزارے تو وہ خسارے میں ہے''۔ خسارے کی اس حالت سے نکلنے کے لیے نصیرملت علیہ الرحمۃ نے میرزا عبدالقادر بیدلؒ کے منتخب اشعار کی تشریح کر کے بیدلؒ خوانوں کے لیے نئی جہتوں کی نشان دہی کر دی ہے اور راہِ عمل کے ذریعے منزل تک پہنچنے کا طریقہ آسان کر دیا ہے۔

اشعار کی تشریح کا ذخیرہ تاکید وتحریصِ عمل سے معمور ہے جہاں ایمانیات کے ذکر کے ساتھ ساتھ عمل کا بھی ذکر ہے جذبہ کی گہرائی بھی ہے خلوص کی گیرائی بھی ہے، دردِ دل کی جھلک اور رمق بھی ہے اور سوز وگداز کی چاشنی بھی ہے، روحانی بالیدگی اور تطہیر وتزکیۂ نفس کے اُسلوب بھی ہیں، روزمرّہ کے معاملات کو سلجھانے اور سیاست موجودہ کی پُرخار وادی سے دامن بچاتے ہوئے اُسوۂ حسنہ کے رنگارنگ اور متنوع نمونے پیش کر کے معراج تبلیغ تک رسائی کا درس بھی ہے۔ پیش آمدہ خطرات سے طاقت اور توانائی کے ذریعے امتحان کے لیے میدان عمل میں قدم بڑھانے کا سلیقہ بھی سکھایا گیا ہے۔ یوں دل وجان کی پوشیدہ صلاحیتوں کو پرکھنے اور بروئے کار لانے کی تلقین بھی ہے۔

عقل کے نظریات ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں لیکن عشق کی کائنات کے دستور ہمہ آفاقی ہیں۔ بقولِ اقبالؒ:

در عشق و ہوسناکی دانی کہ تفاوت چیست؟
آن تیشۂ فرہادے ، ایں حیلۂ پرویزے

عقل کے نظریات سے وحدتِ فکر وعمل پیدا نہیں ہوتی اور جب تک وحدتِ فکر وعمل پیدا نہ ہو انسان کی ذہنی و عملی طاقتیں کسی ایک مرکز پر مرتکز ہونے کے بجائے منتشر ہی رہتی ہیں۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو کلمۂ توحید اور اُسوۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مرکز پر جمع کر کے وحدت فکر وعمل پیدا کرنے کی تاکید کی ہے۔ اِس عقیدہ کی پختگی سے انسان کے باطن میں ایمان ویقین پیدا ہوتا ہے اور ایمان ویقین کی قوت سے ہی بڑے بڑے معرکے سر ہوتے ہیں۔

زیرِ نظر کتاب **محیطِ ادب** نے انسانی شخصیت کے ہر پہلو کو قوّتِ عمل کی ترغیب دی ہے۔ عقل کا تعلق اسباب و عِلل اور بحث واستدلال سے ہے اور استدلال و بحث فرد کو کسی نتیجہ پر نہیں پہنچاتے، اِس کے مقابلہ میں عشق کا تعلق ایمان اور یقین سے ہوتا ہے اور اِسی سے زندگی پختہ تر ہوتی ہے۔

عشق سے ہوتا ہے آغاز حیات
اِس سے پہلے زندگی الزام ہے

عشق کی بصیرت کی کوئی حد نہیں ہوتی عقل جس چیز کو صرف بیان کرتی ہے عشق اُس کو اپنی طرف سے سامنے دیکھتا ہے عشق کی کارفرمائی ہی تو ہے کہ کلامِ بیدلؒ کی تشریح کے زیرِ نظر مجموعہ **محیطِ ادب** نے مسبّب الاسباب پر نظر رکھنے کا ولولہ بھی عطا کیا ہے اور انسان کی خوابیدہ صلاحیتوں کی بیداری کا وافر ذخیرہ بھی فراہم کیا ہے۔ منزل کی سچی طلب ہو تو کسی رہبر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ عشق خود اپنا مرشد ہے اور ہر مرشدِ سے بے نیاز ہے۔ عقل کبھی عشق کی راہنما نہیں بن سکتی اِس لیے کہ یہ خود کئی اغراض میں گھری ہوئی ہے۔ بقولِ میرے جدِّ امجد سیّد غلام معین الدینؒ المتخلص مشتاقؔ:

بھلا کیا تُو مجھے اے ناصحِ ناداں سکھائے گا
محبت میں طبیعت آپ ہی اُستاد ہوتی ہے

عشق کی غیرت یہ گوارا نہیں کرتی کہ وہ اپنی باگ ڈور کسی اور کے ہاتھ میں دے دے۔ ''محیطِ ادب'' میں مندرج موضوعات کی بوقلمونیاں اپنا منفرد تاثر بیان کرنے میں خضرِ راہ کا کام دیتی رہیں گی اور یہ تاثرِ عبارات آنے والی نسلوں کی ہمیشہ رہبری کرتا رہے گا۔ بقولِ اصغر گونڈوی:

ترے جلووں کے آگے ہمّتِ شرح و بیاں رکھ دی
زبانِ بے نگاہ رکھ دی، نگاہِ بے زباں رکھ دی

مخلصی فی اللہ ماسٹر محمد صلاح الدین صاحب (ساکن: سروہا/تحصیل: کلر سیّداں) بالخصوص اور ان کے حلقۂ

احباب کی مساعیِ جمیلہ قابلِ صد ستائش ہیں۔ حضور نصیر ملت کی حیاتِ ظاہری سے لے کر اب تک ماسٹر صاحب اُن کے علمی مشن کو آگے بڑھانے میں سرگرمِ عمل ہیں۔ **خطباتِ نصیر گیلانیؒ** کے بعد اب **محیطِ ادب** کی ترتیب و تدوین ان کی نگرانی میں مکمل ہو رہی ہے، جو ان کے علمی ذوق اور نصیر ملت سے روحانی و قلبی لگاؤ کا بیّن ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اِس علمی کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور انہیں نصیر ملت کے روحانی فیوض و برکات سے بہرہ مند ہونے کی مزید توفیق ارزانی فرمائے۔

آمین بجاہِ سید المرسلین

فقیر حلقہ بگوشِ نصیرؒ

سیّد غلام نظام الدّین جامیؔ گیلانی قادری

سجادہ نشین

آستانہ عالیہ غوثیہ مہریہ گولڑہ شریف

E/11 اسلام آباد

تقدیم

برصغیر پاک و ہند کے خواص اور صاحبانِ علم و عرفان کے ہاں میرزا عبدالقادر بیدلؒ کے اشعار و افکار کا بھرپور رواج رہا ہے۔ غالبؔ ہوں یا اقبالؒ سبھی نے بیدلؒ کے مقابلے میں اپنے عجز کا اعتراف کیا ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ خواص کے ہاں تو بیدل پسندی و بیدل شناسی کی روایت کسی نہ کسی صورت بھرپور انداز میں موجود رہی ہے البتہ عوام الناس ان کے افکار کے فیضان سے اب تک محروم رہے ہیں۔ حضور نصیر ملت حضرت پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی علیہ الرحمۃ نے اس کمی کا احساس کرتے ہوئے، بیدلؒ کے افکار کو خواص سے نکال کر عوام تک لے آئے۔ ان کا تاحیات یہ معمول رہا کہ اپنے خطبات، مضامین اور روزمرہ گفتگو میں بیدلؒ کے اشعار استعمال فرماتے۔ نہ صرف برمحل اشعار استعمال فرماتے بلکہ اشعار کے ترجمے اور شرح کا بھی اہتمام کرتے۔

قبلہ نصیر ملت حضرت پیر سیّد نصیر الدین نصیر علیہ الرحمۃ نے بیدلؒ اور فکر بیدلؒ کو ایک مخصوص دائرے سے نکال کر عوام الناس تک لانے میں بھرپور کوشش کی جو اپنی نوعیت کا ایک بے مثال اور غیر معمولی کام ہے۔ حضرت پیر سیّد نصیر الدین نصیرؒ کی ذات بیدلؒ اور کلام بیدلؒ کے فہم و ادراک کے حوالے سے کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ انہوں نے اپنی علمی اور عملی زندگی میں بیدلؒ کی فکر اور پیغام کے ابلاغ میں ایک زبردست کوشش کی اور ایک طویل عرصے تک تحریر و تقریر کی شکل میں فکرِ بیدلؒ کی اشاعت و تفہیم میں مسلسل مصروفِ عمل رہے۔

پیشِ نظر کتاب بیدلؒ کے وسیع رقبۂ افکار میں سے ایک مخصوص انتخاب ہے۔ اس انتخاب سے، انتخاب کرنے والے کی بصیرت اور مہارت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے ہمارے عہد کی شخصی، سماجی، مذہبی اور اخلاقی خرابیوں کا نہ صرف ادراک کیا بلکہ فکر بیدلؒ کی روشنی میں اُن کا حل بھی پیش کیا۔

میں قبلہ پیر سیّد غلام نظام الدین جامیؔ گیلانی کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے قبلہ پیر نصیر ملت کے زیر مطالعہ **کلیات بیدل** کے مختلف مطبوعہ نسخے عنایت فرمائے۔ ان نسخوں کے کئی صفحات پر نصیر ملت کے دست مبارک سے لکھے گئے حواشی، کتابت اور طباعت کی اغلاط کی درستی بھی موجود ہے۔ اُستادگرامی علامہ رب نواز خان اجمیری صاحب (1) اور قاضی بشیر الدین صاحب (2) نے شفقت فرماتے ہوئے پیرانہ سالی میں انتہائی انہماک سے نمونہ

خوانی کر کے علم دوستی کا ثبوت پیش کیا۔ اپنے محسن حسن نواز شاہ صاحب (3) کا بے حد ممنون ہوں جنھوں نے کتاب کے حوالہ جات کی تکمیل میں اپنے کتب خانے ''مخدومہ امیر جان لائبریری (نڑالی/تحصیل: گوجر خان)'' سے نادر کتب اور مخطوطے فراہم کیے۔ میرے شاگردِ رشید محمد کبیر (4) اور عزیزم فاران نظامی (5) داد کے مستحق ہیں جنھوں نے قبلہ پیر سیّد نصیر الدین نصیرؒ کے زیرِ ادارت نکلنے والے مجلّے: **طلوعِ مہر** اور دیگر کتب سے اشعار بیدلؒ کے تراجم اور تشریحات کو قارئین کی سہولت کے لیے ایک کتاب میں جمع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ دونوں عزیزوں کی اس محنت کو قبول فرمائے اور انہیں اپنے شیخ کے علمی پیغام کو آگے بڑھانے میں کوشاں رکھے۔ آخر میں ان تمام دوستوں کا احسان مند ہوں جنھوں نے کتاب کی تیاری میں تعاون کیا، اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سیّد المرسلین

[ماسٹر] **محمد صلاح الدین احمد**

صدر انجمن مہریہ نصیریہ کلر سیّداں، ضلع راولپنڈی

1۔ علامہ رب نواز اجمیری کا تعلق بہ مقام کرسال (ضلع: چکوال) سے ہے۔ آپ حضرت سیّد غلام محی الدین گیلانی معروف بہ بابو جیؒ کے دست گرفتہ ہیں۔ حضرت نصیر ملتؒ سے علمی اور روحانی تعلق ہے۔ قبلہ نصیر ملت نے اپنی حینِ حیات اپنی کتب کی نمونہ خوانی کا کام آپ کو سونپا تھا۔ آپ درس نظامی کے فارغ التحصیل ہیں اور عربی، فارسی، انگریزی زبانوں نیز علومِ متداولہ میں مہارت رکھتے ہیں۔ آپ ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت علم دوست انسان بھی ہیں۔

2۔ آپ بحیثیت پرنسپل گورنمنٹ کالج ہری پور ہزارہ اپنے تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے ہیں۔ آپ حضرت قبلہ بابو جی علیہ الرحمۃ کے مرید ہیں اور حضور اعلیٰ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے ہیں۔ قبلہ نصیر ملتؒ سے آپ کا دیرینہ تعلق ہے۔ 1987ء میں قاضی صاحب کی موجودگی میں پیر صاحب نے تشریحاتِ بیدلؒ کا آغاز کیا اور کتاب ھذا میں شامل تقریباً تمام تشریحات کے اصل نسخہ جات آپ کے پاس موجود ہیں۔ قبلہ نصیر ملتؒ کی شاعری کی بیشتر کتب کی ترتیب میں آپ کی معاونت شامل رہی ہے۔

3۔ حسن نواز شاہ ایک اعلیٰ درجے کے محقق، ادیب اور شاعر ہیں۔ آپ کا کتب خانہ ''مخدومہ امیر جان لائبریری (نڑالی، گوجر خان)'' پاکستان کے چند نادر کتب خانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپ صاحب کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ آپ کے والد صاحب سلسلۂ سہروردیہ کے شیخِ طریقت ہیں۔

4۔ عزیزم محمد کبیر موضع بھلاکھر (تحصیل: کلر سیداں) کے رہائشی اور قبلہ نصیر ملتؒ کے مخلص مرید ہیں۔ **خطباتِ نصیر گیلانی** کی ترتیب و تدوین میں بہت زیادہ معاونت کی۔ یہ عربی کہتے ہیں شاعری میں حضرت پیر سیّد غلام نظام الدین جامیؔ گیلانی مدظلہٗ العالی کی شاگردی کے اعزاز سے سرفراز ہیں، اللھم زد فزد۔

5۔ عزیزی فاران نظامی ڈھوک پنڈ (داخلی: سروبا/تحصیل: کلر سیداں) کے مکین اور قبلہ نصیر ملت کے دامنِ اقدس سے وابستہ ہیں۔ حضور نصیر ملتؒ کی ترغیب پر ہی فارسی زبان سیکھنا شروع کی۔ **محیطِ ادب** کی ترتیب و تدوین میں سب سے زیادہ انہی کی محنت اور توجہ شامل رہی۔

بیدلؒ شناسی

برصغیر میں پاک و ہند بٹوارے کے بعد جن بیدلؒ شناس شخصیات کے آثار منظر عام پر آئے ان میں خواجہ عباداللہ اختر، سیّد شاہ عطاالرحمٰن عطا کاکوی، ڈاکٹر عبدالغنی، پروفیسر ڈاکٹر نبی ھادی اور ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کے نام شامل ہیں جبکہ آج بھی دہلی میں ڈاکٹر اخلاق احمد آھن، پروفیسر قمر غفار اور دیگر بیدلؒ دوست، اہل علم اس میدان میں تحقیق و تفحص اور بیدل فہمی کو متداول کرنے میں سرگرمِ عمل ہیں اور ہر سال بلکہ اواخر الذکر شخصیات تو ہر سال بیدلؒ کی تجلیل و تقدیس میں عرس کا اہتمام کرتے ہیں جس میں ایشیا کے علاوہ یورپ سے بھی پروفیسر بوسانی (اٹالوی) جیسے متعدد بیدلؒ شناس شرکت کر چکے ہیں۔

پاکستان میں 1952ء میں خواجہ عباد اللہ اختر کی کتاب **بیدل** سے بیدل فہمی پر تالیفات کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو جانے کے باوجود بیدلؒ شناسی دائماً اعتنا کا شکار رہی۔ 1968ء تک ڈاکٹر عبدالغنی کی **روحِ بیدل** شائع ہو چکی تھی۔ ستر (70) کی دہائی میں کراچی میں سیّد حسن مثنیٰ ندوی کی سربراہی میں بیدلؒ کے عشاق کا ایک گروہ وجود میں آیا جس کے شعبۂ تحقیق کو جناب پیر سیّد حسام الدین راشدی کی سرپرستی کا شرف رہا۔ یہ آشفتگانِ بیدلؒ کچھ عرصہ تک **یومِ بیدلؒ** کی تقریبات منعقد کرتے رہے۔ 1982ء تک ڈاکٹر عبدالغنی کی **فیضِ بیدل** کتاب کے لباس میں جہانِ بیدلؒ میں داخل ہو گئی، بعد ازاں ادبیات کی دنیا میں بیدلؒ کے کلام کے منظوم تراجم کے ساتھ ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کی **دلِ بیدل** اور 2008ء میں سیّد نعیم حامد علی الحامد کی **بہارِ ایجادی بیدل** کی اشاعت ہوئی۔

بندہ قارئین کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اس سے قبل 2007ء میں جناب پیر سیّد نصیر الدین نصیرؔ گیلانی المعروف نصیر ملت کی گذشتہ چند دہائیوں پر محیط بیدلؒ شناسی منصۂ شہود پر آ چکی تھی، جبکہ اس وقت آپ جناب نصیر ملت کی بیدلؒ سے متعلق ایک نہایت وقیع تالیف کا مطالعہ کرنے والے ہیں۔ خلد آشیان جناب نصیر ملت کی تالیف **محیط ادب** کے مطالعہ سے یقیناً آپ بے حد مستفید ہوں گے۔ اگرچہ یہ کتاب حجم کے اعتبار سے کچھ زیادہ ضخیم نہیں لیکن اپنے مطالب و محتویات کے لحاظ سے اس سے قبل لکھی گئی تمام کتب سے ممیّز و ممتاز نظر آتی ہے۔ بندہ نے جن چند بیدلؒ شناسوں کا اس تحریر میں ذکر کیا ہے ہر ایک کے آثار میں صاحب اثر کی شخصیت اس کے انحاٗ و اسلوب، بیدلؒ سے ارادت

اوراس کے ذاتی عقائد وافکار کی جھلک نظر آتی ہے۔ متذکرہ مؤلفین کی تصانیف میں محمد عبدالحمید اسیر (قندی آغا) کی **اسیر بیدل** اور پیر جی کی **محیط ادب** میں اسلوب تشریح کافی مماثلت رکھتا ہے۔ لیکن اس کتاب کو مطالعہ کرنے سے محسوس ہوتا ہے کہ مؤلف کا انداز عالمانہ، اُستادانہ، صوفیانہ، شاعرانہ، عارفانہ، محققانہ و مدبرانہ ہے۔ آپ جذبۂ خدمت، سلام و دعا، بحث و مناظرہ کے عنوانات کے ذیل میں ملاحظہ کریں گے کہ متعلقہ توضیحی نکات کے علاوہ کتاب میں جہاں کہیں صرفی و نحوی توضیح کی ضرورت تھی تو بیان کی گئی۔ قرآن، حدیث، صحابہ، ائمہ کرام، فارسی اور اُردو شعر و ادب کی شخصیات اور اُن کے آثار مع حوالہ جات درج ہیں، مطالعۂ دل میں عرفان کی چار صورتیں ''نہ جاننا'' کیا خوب انداز میں سمجھاتے ہیں۔ متاعِ ظالم میں بیدلؒ کے افکار کو کس خوبی سے سمجھایا۔ آگ کا تنکا بننے کی بجائے آنکھ کا تنکا بنو۔ عوام اور سیاستدانوں کے تعلق کا اظہار، پیر جی کی شرح سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بیدلؒ کا کلام آج کے لیے کہا گیا۔ لیکن اس کو سمجھنے کے لیے نکتہ سنج ذی شعور دماغ کی ضرورت ہے۔ اس کتاب کے مدون ہم مرشد نظامی برادران کی اُولوالعزمی قابل ستائش ہے۔ خصوصاً نوجوان ادب دوست طالب علم فاران نظامی نے اس نوعمری میں کتاب کی ترتیب و تدوین کے لیے جس خلوص دل اور عالی ہمتی سے صبح و شام مختلف شہروں کے درمیان ایک عرصہ سے نہایت انہماک اور انتھک انداز سے راہ نوردی کی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اس کا یہ ذوق و شوق اسی طرح جاری رہا تو وہ دنیائے ادب میں ایک بیدلؒ شناس بن کر ابھرے گا۔ بندہ اس شعر کے ساتھ آپ کو کتاب کے مطالعے کی دعوت دیتا ہے:

در این دفتر بسی رمز است مرموز
چہ باشد گر تو زین رمزی بدانی
(مولوی)

مظفر علی کشمیری ☆

☆ مدرس زبان و ادبیات فارسی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد و خانۂ فرہنگ ایران، راولپنڈی

کششِ رُوحی

پاکستان کے چاروں صوبوں کی درسی کتب کے بورڈز کا اجلاس اسلام آباد میں ہورہا تھا۔ بلوچستان سے راقم الحروف چیئرمین تھا اور پنجاب سے سیّد زاہد حسین کاظمی چیئرمین تھے۔ 5 اکتوبر 1994ء کو میٹنگ کے بعد ہم درگاہ گولڑہ شریف زیارت کو آ گئے۔ مغرب کا وقت تھا اور ہمیں معلوم ہوا کہ پیر سیّد نصیر الدین نصیرؔ تشریف رکھتے ہیں، جو ایک علمی ادبی شخصیت ہیں۔ ہم اُن کے کمرے میں داخل ہوئے۔ دربار لگا ہوا تھا اور پیر صاحبؒ کے سامنے **دیوان بیدل** کھلا ہوا تھا۔ کاظمی صاحب سے پہلے ہی متعارف تھے، میرے بارے میں معلوم ہونے پر بہت خوش ہوئے اور ہمیں خوش آمدید کہا۔ بیدلؔؒ کے ایک شعر کی شرح بیان کر رہے تھے جس پر قریباً نصف گھنٹہ عارفانہ و عالمانہ انداز میں روشنی ڈالی۔ میں بہت مسرور ہوا اور دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ پیر صاحب کی تشریحات کبھی حاصل کرلوں تاکہ بیدلؔؒ جیسے فارسی کے مشکل سخنور کو سمجھا جا سکے، مگر ہوا یہ کہ میں کوئٹہ میں اپنی ذاتی و حکومتی مصروفیات کے باعث پھر ملاقات کا موقعہ نہ پاسکا اور پیر صاحب 2009ء میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔

میری حیرت کی انتہا ہوگئی جب حسن نواز شاہ اور فاران نظامی نے رابطہ کرکے بتایا کہ وہ پیر نصیر الدین نصیرؔ کی بیدلؔؒ پر شرح و معانی نظرِ ثانی کے لیے اس ناچیز کی طرف بھیجنا چاہتے ہیں، میں اس پیش کش پر فوراً آمادہ ہوگیا کہ اپنی دیرینہ آرزو کے مطابق کلام بیدلؔؒ سے استفادہ کرسکوں گا۔ سبحان اللہ! اسے اب بیدلؔؒ کی روحانی توجہ سمجھا جائے یا پیر صاحبؒ کی روحانی کشش۔

میرزا عبدالقادر بیدلؔ عظیم آبادی اورنگزیب عالمگیر کے دور میں ایک خوددار اور خدا آشنا فارسی کے عظیم شاعر تھے۔ اُن کے کلام پر علامہ اقبالؒ کے بعد پیر نصیر الدین نصیرؔ گیلانی کو ہی اتھارٹی سمجھا جاتا ہے۔ زیرِ نظر مسوّدہ **محیط ادب** کا میں نے غور سے مطالعہ کیا۔ اس پر میں نے نظرِ ثانی کیا کرنا تھی سچ تو یہ ہے کہ معانی آفرینی کو سیکھا اور گل چینی کی ہے۔ البتہ کچھ تسامحات کو ضرور توجہ دے دی ہے۔

پیر سیّد نصیر الدین نصیرؔؒ نے اس دور میں فارسی زبان و ادب میں سخن رانی و سخن سرائی کرکے عالمِ اسلام کے اسلاف کی ارواح مبارکہ کو راحت بخشی ہے۔ پیر صاحبؒ نے بیدلؔؒ کے کئی ہزار اشعار کا انتخاب کرکے اُن کی شرح لکھی تھی مگر اس مجموعے میں صرف 130 اشعار کی شرح ملتی ہے۔ اُمید ہے کہ ان کے جانشین اس سلسلہ کو آگے بڑھا

کرمزید جلدیں شائع کرائیں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان معانی وشرح کو عام کرنے سے معاشرہ غلط رسومات وعاداتِ قبیحہ سے اصلاح پذیر ہوتا جائے گا۔ یہ شرح کسی اکسیر سے کم نہیں۔ ان تشریحات ومعانی پر غور کرنے والا خود شناسی سے بہرہ ور ہوسکتا ہے۔ بیدلؒ کے کلام کی توضیحات میں پیر نصیر الدین نصیرؔ گیلانیؒ نے جہاں بھی اپنا شعری کلام اردو، فارسی میں لکھا ہے اور نثر میں انشا پردازی کی ہے اس سے اخذ ہوتا ہے کہ خود پیر صاحبؒ کے کلام میں ابوالکلام آزاد کے ادب کی چاشنی اور علامہ اقبالؒ کی بیدار کن انقلابی فکر بیک وقت کارفرما ہے۔

[ڈاکٹر سلطان] الطاف علی☆

18/3/14

☆ دربار حضرت سلطان باہو، شورکورٹ/ جھنگ

تقریظ

محیط ادب برصغیر پاک و ہند کے عظیم وجلیل صوفی شاعر عبدالقادر بیدلؒ کے منتخب اشعار کے اردو تراجم اور تشریحات پر مبنی ایک ایسا مجموعہ ہے، جس میں فکر بیدلؒ کے رنگوں کی بہار دیدنی ہے۔ یہ اشعار کسی خاص موضوع کو محیط تو نہیں، لیکن ان میں زندگی کے مختلف اور متنوع رنگ منتخب کی فکری اور عرفانی بصیرت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ انہوں نے بیدلؒ کے محیط بیکراں کی شناوری میں کچھ ایسے گُہرِ ہائے نایاب جمع کیے ہیں، جو زندگی کی رنگارنگی کے آئینہ دار ہیں اور پھر ان اشعار کو اردو زبان کے لباس میں اس انداز میں ملبوس کیا ہے کہ اس زبان کے در و بام مہکنے لگے ہیں۔

صاحبزادہ غلام نصیر الدین نصیرؔ (گولڑہ شریف) اس مجموعے کے مترجم اور شارح ہیں، فارسی زبان کے نامور شاعر اور اس زبان کی ادبیات کے رمز شناس تھے۔ بیدلؒ ان کا پسندیدہ شاعر تھا اور وہ اسے فارسی زبان و ادب کا سب سے بڑا نمائندہ شاعر بھی مانتے تھے۔ زمانۂ طالب علمی ہی سے انہیں اس شاعر بے بدل سے دلچسپی تھی، جو ان کی زندگی کے آخری ایام تک قائم رہی۔ وقتاً فوقتاً وہ اس شاعر کے کلام کے انتخاب، ترجمے اور تشریحات میں مگن رہے، لیکن افسوس کہ ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور انہیں اس کام کو بارِ دگر دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ اگر وہ یہ مجموعہ خود مرتب کرتے، تو اس کا رنگ و آہنگ جدا ہوتا اور یہ مجموعہ ایک نئی شان سے جلوہ گر ہوتا، مگر:

ای بسا آرزو کہ خاک شدہ

اب یہ مجموعۂ تراجم فاران نظامی کی ترتیب و تہذیب اور حواشی و تعلیقات کے ساتھ طلوع ہو رہا ہے۔ مرتب ان کا دامن گرفتہ اور عاشق صادق ہے۔ اس نے عقیدت اور محبت سے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور ساحلِ مراد تک پہنچنے میں کامیاب ہوا۔ اس نے حوالوں کی تلاش میں اصل منابع اور مصادر کی طرف مراجعت بھی کی اور اس سفر میں کتنے ہی لعل و جواہر حواشی کی سلک میں پرو دیے۔ یقیناً وہ اپنے شیخ کی توجہ سے بے بہرہ نہیں، وگرنہ یہ کام اتنا آسان کہاں تھا؟ زندہ باد فاران نظامی زندہ باد!

[ڈاکٹر] عبدالعزیز ساحر☆

☆ صدر شعبۂ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

پیش لفظ

[I]

سلطانِ اقلیم الفاظ و معانی، حضرت میرزا عبد القادر بیدلؒ رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ وہ بیک وقت ایک قادر الکلام شاعر، صوفی، فلسفی، منطقی، موسیقار اور جملہ علوم متداولہ و فنون مروجہ میں منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیائے علم و ادب میں اتنا جامع الصفات و کمالات انسان آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ اگر چہ **عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں**(1) کا قول بھی میرے لیے باعث فخر ہے۔ تاہم اس اعتراف میں مجھے کوئی تامل نہیں کہ اب اشعار بیدلؒ کے معانی و مطالب کو سطحی طور پر سمجھنے میں تو اکثر کامیاب ہو جاتا ہوں لیکن اس حقیقت معانی سے ابھی تک خود کو بے خبر پاتا ہوں۔ اللہ اللہ اس شخص کا وجود سراپا اعجاز ہے۔ اس میں تعلّی یا مبالغہ ہرگز نہیں کہ ان کا کلام پڑھنے والا پیشہ وارانہ شاعری اور سطحی شعرا کو قطعاً خاطر میں نہیں لا سکتا۔ جب کہ غالبؔ جیسا عظیم شاعر بھی ان کے سامنے طفل نو مشق نظر آتا ہے۔ اس بات کی تائید میں غالبؔ کے یہ دو شعر خود پڑھ لیجیے تو شاید بیدلؒ کی عظمت کا اندازہ آپ کو ہو سکے:

طرز بیدلؔ میں ریختہ لکھنا
اسدؔ اللہ خاں قیامت ہے (2)

یا:

گر ملے حضرتِ بیدلؔ کا خطِ لوحِ مزار
اسدؔ آئینۂ پرواز معانی مانگے (3)

سبحان اللہ! غالبؔ نے کس عجز وانکسار سے بیدلؒ کے سامنے خود کو پیش کیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جب کوئی عظیم انسان کسی کی عظمت کا قائل ہوکر سرعام اعترافِ عظمت کرے، تو لطف آتا ہے، لیکن اعترافِ عظمت کے لیے، معترف کا صاحب عظمت ہونا بھی ضروری ہے۔ اگرچہ اب وہ دور وہ ذہن نہیں رہے اور نہ ہی وہ تعلیمات اور وہ ذوق رہا کہ آج کل کے مغربیت زدہ انگریزی پرست ذہن، اپنی آبائی واسلامی شخصیات کے روحانی وعلمی اقدار کے وارث بن سکیں۔ اسی لیے تو اب **نہ ادھر کے رہے، نہ ادھر کے رہے** (4)، والا معاملہ ہو کر رہ گیا ہے......(5)

[II]

افلاطونِ دانش کدۂ حقائق، جالینوسِ تفکر گاہ دقائق، مفخرِ عرفائے اعصار، مرجع فضلائے امصار، حیرت خانۂ رموز و اسرار، کشافِ معضلاتِ معارف، حلالِ نکاتِ عوارف، سباحِ دجلۂ فصاحت، سیّاحِ حدائق بلاغت، حارسِ عقل وشرع، عارفِ اصل وفرع، سالکِ بادیۂ تجرید، نقطۂ دائرۂ توحید، ادب یافتۂ عتبۂ عبودیّت، نواختۂ نوالِ باب ربوبیت، مجذوبِ وحدت، مفتیِ ہدایت، مکلّل بہ اکلیل سخن، مزیّن بہ زیورِ علم وفن، تربیت یافتۂ اولیا، خلاصۂ فیضانِ اصفیا، نبّاضِ فطرت انسانی، خطیبِ منبر سحر بیانی، سلطانِ اقلیم الفاظ ومعانی، مسافر رسیدۂ منزل، فقیرِ مُستغنیِ دل، ابوالفضائل حضرت میرزا عبدالقادر بیدلؔ عظیم آبادی ثم الدہلوی قدس سرہ العزیز، جن کا مطالعۂ کلام ہر ذہن رسا اور طبع وقاد کو خیرات معانی کے ساتھ بلندیِ تخیّل اور معراج تفکّر بھی عطا کرتا ہے۔(6)

[III]

فارسی اور عربی اشعار کی تشریح کو اس لیے ترجیح دی جاتی ہے کہ ہمارے عالی قدر اسلاف نے ان زبانوں میں افکارِ عالیہ کا ایک بیش بہا خزانہ چھوڑا ہے اور پھر اس لیے بھی کہ آج کا دور ان دو زبانوں سے بڑی حد تک نا آشنا ہو چکا ہے۔ اپنی روحانی تہذیب سے ذہنی رشتہ استوار رکھنے اور جدید نسل کو ماضی کی اقدار سے باخبر کرتے رہنے کے جذبے کے تحت فارسی اور عربی کو سرِ فہرست رکھنے کا

ارادہ ہے، تا کہ ہمیں اپنے اسلافِ ذی وقار کی علمی اور فطری عظمتوں کا صحیح اندازہ ہو سکے۔ میرے جدامجد حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عہد میں اس ضرورت کو محسوس کر لیا تھا۔ چنانچہ آپؒ کے ملفوظات اور تصانیف میں بزرگانِ دین اور اساتذۂ فن کے اشعار کی تشریحات کا ثبوت ملتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر صوفیائے سلف کی تصانیف اور اُن کے ملفوظات کا مطالعہ کیا جائے، تو یہی بات کھُل کر سامنے آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض صوفیا کے کلام کو قرآن و حدیث کا خلاصہ کہا جاتا ہے ان میں حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ، خاقانی رحمۃ اللہ علیہ، نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت فرید الدین عطارؔ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا جلال الدین رومیؔ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سعدیؔ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امیر خسروؔ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت جامیؔ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت میرزا عبدالقادر بیدلؔ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ میر دردؔ رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر شامل ہیں۔

بعض مذہبی حلقوں میں اچھے اشعار کے پڑھنے اور انہیں یاد رکھنے کو وقت ضائع کرنے کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ یہ اندازِ فکر درست نہیں، اچھا شعر سننا سنت ہے اور اچھا شعر برموقع پڑھنا بھی حدیث سے ثابت ہے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ بعض شعروں میں دانائی اور بعض بیانوں میں جادو کی اثر آفرینی ہوتی ہے۔ چونکہ ہر شخص میں یہ اہلیت نہیں ہوتی کہ کوئی اچھا شعر پڑھ سکے اور اس سے لطف اندوز ہو سکے، لہٰذا وہ اس کی اہمیت سے ہی انکار کر دیتا ہے وزن اور پھر ساحرانہ انداز میں اساتذہ کے کلام کو پڑھنا ایک الگ فن ہے۔ اکثر و بیشتر لوگ نثر کی طرح شعر پڑھ دیتے ہیں، حالانکہ اثر آفرین انداز میں کسی اچھی نثر کو پڑھ دینا اہل ذوق اور اہل فن کے نزدیک شعرخوانی سے کم نہیں ہوتا۔ بعض لوگ ایک عمدہ شعر کو اس انداز سے پڑھتے ہیں کہ باشعور سماعت پر اُن کا پڑھنا گراں گزرتا ہے اور بعض ایسے لوگ جو شعر پڑھنے اور اُس کی ادائیگی کے آداب سے واقف ہوتے ہیں اس اثر انگیز لہجے اور الفاظ کے زیروبم کے مطابق صوتی آہنگ کو شامل کر کے پڑھتے ہیں اور ایسے خوب صورت اشاروں کنایوں کا سہارا لیتے ہیں کہ کم سے کم علم اور ذوق رکھنے والے حضرات بھی نفس مضمون کو سمجھ لیتے ہیں اور محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ (7)

مجھے ہرگز ادعائے بیدلؔ فہمی نہیں، ہو بھی تو کیسے ہو؟ جب کہ بیدلؒ خود فرماتے ہیں:

سر بے نیازیِ فکر را بہ بلندیِ نہ رسانده ام
کہ بجز تتبع نظم من احدے خیالِ زمیں کند (8)

یا

مدعی در گزر از دعویِ طرز بیدلؔ
سحر مشکل کہ بہ کیفیت اعجاز رسد (9)

حضرت میرزا عبدالقادر بیدلؔ رحمۃ اللہ علیہ اپنے عہد کے صرف ایک ممتاز شاعر ہی نہیں بلکہ غیر معمولی روحانی شخصیت اور ایک برگزیدہ صاحب کشف و کرامت بزرگ بھی تھے۔ اس مادی دور میں وہ نگاہیں اب کہاں جو کسی کے مرتبۂ روحانی کا صحیح اندازہ کر سکیں۔

حضرت بیدلؔؒ کے حالات زندگی سے آگاہی کے لیے ملک کے نامور نقاد محترمی ڈاکٹر عبدالغنی صاحب کی تصنیف لطیف **روح بیدل** کا مطالعہ ضروری ہے۔ بیدلؔؒ کا کلام علوِفکر اور رفعت تخّیل کا وہ نقطۂ عروج اور ندرتِ افکار کا ٹھاٹھیں مارتا ایک ایسا بحر بیکراں ہے جس کی وقعت نظر، ژرف نگاہی اور فکری و فنی عظمتوں کو میرزا اسد اللہ خاں غالبؔ جیسے (کسی کو خاطر میں نہ لانے والے) جگت استاد نے اپنے کئی اشعار میں خراجِ عقیدت پیش کیا:

گر ملے حضرتِ بیدلؔ کا خط لوحِ مزار
اسدؔ آئینۂ پرواز معانی مانگے

اور حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تو ان الفاظ میں بیدلؔؒ کی فکری و فنی رفعتوں اور عظمتوں کا اعتراف فرمایا: ''حضرتِ بیدلؔؒ اپنے طرزِ خاص کے موجد بھی تھے اور خاتم بھی'' علامہ محمد اقبالؔ رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا: ''یوم غالبؔ کی جگہ اگر یوم بیدلؔؒ مناتے تو بہتر تھا''

کچھ ذہن حضرت بیدلؔؒ کی معنوی نزاکتوں اور فکری بلندیوں کی تفہیم سے قاصر رہنے کے باعث یہاں تک کہہ گئے کہ بیدلؔؒ کے اکثر شعر مہمل ہیں۔ ہماری ایک بدقسمتی یہ بھی ہے کہ ہم جب کسی فنکار کی فنی رفعتوں اور باریکیوں کا احاطہ نہیں کر پاتے تو اعترافِ عجز کے علی الرغم خود کو عقل کل تصور کرتے ہوئے اس کے پیش کردہ شہکار کو ناقص یا فضول قرار دیتے ہیں:

ناطقہ سر بہ گریباں ہے ''اسے'' کیا کہیے

مکرّر گزارش ہے کہ مجھے ہرگز ادعائے بیدلؔ فہمی نہیں، البتہ اُن کی شخصیت سے بے پناہ عقیدت اور اُن کے کلام سے غیر معمولی محبت ضرور ہے اور میری اپنی رائے کے مطابق فارسی ادب میں بیدلؔ سے بڑا کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا۔ یہ صرف عقیدت نہیں، حقیقت ہے ارباب ِنظر اس سلسلے میں مجھ سے اتفاق کریں گے **اسی محبت کی بنا پر میں نے ان کے کلیات سے کئی ہزار اشعار کا انتخاب بھی کیا،** جس میں اُن کے مشکل ترین اشعار کا انتخاب بھی شامل ہے۔(10)

حوالہ جات

1. مندرجہ محولہ مصرع میر ببر علی انیس کا ہے، مکمل شعر مندرجہ ذیل ہے:

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

(محمد شمس الحق، اردو کے ضرب المثل اشعار، ترتیب وتہذیب، رفیق احمد نقش، لاہور، فکشن ہاؤس، 2010ء، ص 71)

2. مہر، غلام رسول، **خطوط غالب**، لاہور، کتاب منزل، دوم، س ن، ص 532

3. دیوان غالب، نسخۂ حمیدیہ میں مصرعِ دوم یوں ہے:

اسد آئینۂ پردازِ معانی مانگے

(غالب، میرزا اسداللہ خاں، **دیوان غالب، نسخۂ حمیدیہ**، مرتبہ، پرفیسر حمید احمد خاں، لاہور، مجلس ترقی ادب، جون 1992ء، دوم، ص 214)

4. اکثر احباب ناواقفیت کی بنا پر مصرع ثانی شعر کی شکل میں پڑھتے ہیں، مرزا صادق شرر کا مکمل شعر مندجہ ذیل صورت ہے:

گئے دونوں جہاں کے کام سے ہم، نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے
نہ خدا ہی ملا، نہ وصال صنم، نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

(**اُردو کے ضرب المثل اشعار**، ص 77)

5. پیر جی کے زیر استعمال **کلیات بیدل** کے ابتدائی زائد صفحے پہ آپ کی یادداشت۔ یادداشت کے اختتام پہ

پیر جی نے اپنا اسم گرامی یوں تحریر فرمایا ہے: ''خاکپائے بیدلؔ، غلام نصیر الدین نصیر، 76[19ء]، 9، 29''

6. نصیر، پیر سید نصیر الدین، **عرش ناز**، گولڑہ شریف، مہریہ نصیریہ پبلشرز، 1420ھ/ جنوری 2000ء، ص. ر
7. **ماہنامہ طلوع مہر**، اسلام آباد، دسمبر 1998ء/ شعبان-رمضان، ج 1: ش 6، ص 20
8. **کلیات بیدل**، 1 / 687
9. **کلیات بیدل**، 1 / 631
10. **ماہنامہ طلوع مہر**، یکم جولائی 2000ء، ربیع الثانی 1421ھ، ج 2: ش 1، ص 23

(1)

خاصانِ خدا کا شیوہ

طبعِ روشن فارغ است از فکرِ غفلت ہائے خلق
نیست ظاہر ، معنیٰ گوشِ کرؔ ، اندر آئینہ

ترجمہ ومفہوم:

روشن طبع لوگ کسی کے عیب کو ظاہر نہیں کرتے ، نہ اس پر جس میں عیب ہوتا ہے اور نہ مخلوق پر۔ ان کی مثال آئینے کی سی ہوتی ہے کہ اگر اس کے سامنے کسی گراں گوش (بہرے) کو بٹھا دیا جائے ،تو آئینہ اس کے اس حقیقی عیب کو نہ تو اس پر ظاہر کرتا ہے اور نہ کسی دوسرے پر۔ روشن دلی کا بہ ظاہر تقاضا تو یہی ہے کہ وہ مخفی سے مخفی عیب کو بھی سامنے لے آئے ،مگر یہ نظام قدرت ہے کہ آئینہ جو ایک بے جان اور مادی چیز ہے، وہ بھی کسی کے مخفی عیب کو ظاہر نہیں کرتا اور اس کے باوجود روشن دل ہوتا اور کہلاتا ہے۔ لہٰذا یہ غلط ہے کہ روشن ضمیر خلق خدا کے عیوب کو ضرور ظاہر کریں، بلکہ میرزا بیدلؔ نے تو آئینے کی مثال سے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ خاصان خدا جن کے قلوب انوارِ الٰہیہ سے آئینے کی طرح صاف وشفاف ہوتے ہیں وہ روشن دلی اور تزکیۂ باطن کے باوجود آئینے کی طرح مخلوق خدا کے عیوب کو چھپاتے ہیں، اس لیے کہ وہ ربِّ کائنات کی صفت ستّاری کے مظہر ہوتے ہیں۔ شعر کا سادہ الفاظ میں مفہوم یہ ہوا کہ روشن طبع لوگ ،مخلوق خدا کے گناہ وثواب کی ٹوہ لگانے سے فارغ اور بے نیاز ہوتے ہیں، جس طرح آئینہ باوجود اپنی قلبی صفائی کے ایک گراں گوش کے بہرے پن کی حقیقت کو ظاہر نہیں کرتا، یعنی دیکھنے والے کو یہ معلوم نہیں ہونے دیتا کہ جو شخص آئینے کے سامنے بیٹھا ہوا ہے وہ ثقل سماعت کا شکار ہے۔

(2)

ذوقِ طلب اور اجابت دُعا

ذوقِ طلبِ عالمیست ، وقف حضورِ دوام
پر بہ اجابت مکوش ، ختم دعا می شود

ترجمہ ومفہوم:

حصولِ مدّ عا اور طلب کا ذوق ایک ایسی دنیا ہے، جو انسان کو بارگاہِ ربُّ العزّ ت میں ذہنی طور پر ہمیشہ حاضر اور متوجہ رکھتی ہے۔ لہٰذا اے وہ شخص! جو اپنی دعاؤں کے مقبول ہونے کی کوشش میں لگا رہتا ہے، تو دعاؤں کے مقبول ہونے کی اتنی آرزو نہ کر، اس لیے کہ اگر تیرے تمام مقاصد پورے کر دیئے جائیں، تو اس کی بارگاہ میں تیری دعاؤں کا یہ سارا سلسلہ ہی ختم ہو کر رہ جائے گا۔ گویا مقاصد کا عدمِ حصول ہی انسان کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھتا ہے، بلکہ کوشش یہ کر کہ تجھ میں ذوق طلب ختم نہ ہونے پائے، تاکہ تو اپنے مقاصد کے حوالے سے ہر وقت بارگاہِ ایزدی میں قلبی اور ذہنی طور پر حاضر اور ملتمس رہنے کی سعادت سے بہرہ مند ہوتا رہے۔

قارئین! کسی فلسفی کا قول ہے کہ اگر انسان کی ساری آرزوئیں اور تمنائیں پوری ہو جائیں، تو یہ ایک بہت بڑا حادثہ ہو، اس لیے کہ پھر اس کی زندگی بے کیف ہو کر رہ جائے۔ بلاشبہ لذت طلب کی سرشاریاں بیان نہیں کی جاسکتیں۔ کسکِ آرزو کی سرمستی وہی جانتا ہے، جو اس سے دوچار ہو۔ حصول آرزو تو دراصل مرگِ آرزو کا دوسرا نام ہے۔ علّامہ اقبالؔ نے اسی حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے:

عالمِ سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگِ آرزو ، ہجر میں لذّتِ طلب

(3)

فلسفۂ زشتی وخوبی

بیدلؔ! اسبابِ جہاں را حسرتت مشّاطہ است
زشتیِ ہر چیز را نا یافتن زیبا کند

ترجمہ:

اے بیدلؔ! تیری حسرت اور خواہش، جہان کی اشیا کو خوب صورت بنا دیتی ہے، کیونکہ ہر چیز کی بدصورتی اور اس کے کم قیمت ہونے کو بوقت ضرورت اس کی عدم دستیابی اسے قیمتی بنا دیتی ہے۔

مفہوم:

بیدلؔ کے نزدیک ساری کائنات میں بکھری ہوئی اشیا فی نفسہٖ نہ اچھی ہیں، نہ بُری، بلکہ انسان اپنی خواہش کی شدت سے انہیں قیمتی، اہم اور خواہش ترک کر کے بے قیمت اور غیر اہم بھی بنا دیتا ہے۔ گویا اسبابِ جہاں کے لیے انسانی خواہش مشّاطہ کا کام کرتی ہے ورنہ اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے کوئی چیز ضرورت کے بغیر نہ بے کار رہے، نہ کارآمد، مثلاً: ضرورت پڑنے پر جو کام دھاگا دے سکتا ہے، وہ دنیا کی کوئی اور بڑی سے بڑی قیمتی شے نہیں دے سکتی، اس لیے کہ دھاگے کی کمی صرف دھاگا ہی پوری کر سکتا ہے، نہ کہ کئی من چاندی اور سونا۔ ضرورت نہ پڑنے کی صورت میں دھاگے کی نلکی کی قیمت ایک آدھ روپیہ نام کی ہی ہوگی، مگر ضرورت پڑنے اور عدم دستیاب ہونے کی صورت میں وہی نلکی بیش قیمت ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ چیز کی بے وقعتی کو بوقت ضرورت اس کا میسر نہ آنا اسے وقیع اور قیمتی بنا دیتا ہے۔

❁❁❁

(4)

چشم گدا کی توقّعات

حیران طلب مایۂ تمیز ندارد
در چشم گدا شش جہت آثارِ کریم است

ترجمہ ومفہوم:

جو شخص طلب کا حیرت زدہ ہو، اس کے پاس تمیز کی پونجی نہیں ہوتی، گدا کی نگاہ میں شش جہات کریم کے آثار سے پُر ہوتی ہیں، یعنی صاحب حاجت کسی ایک طرف کا تعین نہیں کرتا کہ ادھر سے مجھے کچھ ملے یا ادھر سے، بلکہ اسے ہر طرف سے کچھ ملنے کی امید ہوتی ہے۔ ''**صاحب الغرض مجنون**'' کی مثل کے مطابق (غرض مند پاگل ہوتا ہے) وہ پاگلوں کی طرح ہر طرف دیکھتا ہے کہ کسی بھی طرف سے اسے کچھ مل سکتا ہے۔ حالانکہ اس قسم کی عطا تو صرف اللہ کی ذات سے ہی مخصوص ہے، کیونکہ وہ انسان اور دوسری ذی روح مخلوق کو وہاں سے روزی دیتا ہے، جہاں سے اسے روزی اور مقصد ملنے کا گمان تک بھی نہیں ہوتا۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں اس امر کی وضاحت ان الفاظ میں ملتی ہے: ویرزقه من حیث لا یحتسب ۔ راقم الحروف نے اس حقیقت کو ایک قطعے میں اس طرح بیان کیا ہے:

بجز اس کے رزّاق کوئی نہیں
ٹھیا ہو کہ پیشہ وہ حکمت کہ طب
یہاں عقل عاجز ہے انسان کی
ویــــرزقـــــه مـــن حیـــث لا یـــحتســـب

❁❁❁

(5)

اہمیّتِ اعتدال

گل بہ قدرِ غنچہ گردیدن پریشاں می شود
تفرقہ آئینۂ اندازۂ جمعیّت است

ترجمہ:

پھول غنچہ ہونے کے مطابق کھلتا ہے، گویا نااتفاقی، جمعیّت واتفاق اور ملاپ کی مقدار کے مطابق ظہور پذیر ہوا کرتی ہے۔

مفہوم:

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ غنچہ اپنے اندر جتنا سکڑتا ہے اور اس کی پتیاں آپس میں جس قدر متّحد ہوتی ہیں، کھلنے کے بعد جب وہ پھول بنتا ہے، تو اس کی پتیاں اسی قدر پریشان اور ایک دوسرے سے جدا جدا ہوکر اپنی اپنی جگہ پکڑتی ہیں۔ بالکل یہی مثال انسانی معاشرے کی ہے کہ جہاں انتہائی اتفاق اور یک جہتی کا مظاہرہ ہو اور جو گھر اتحاد وملاپ میں بطورِ مثال پیش کیا جاتا ہو، جب بدقسمتی سے اس کا شیرازہ بکھرنے پر آتا ہے تو اس گھر میں اُسی قدر رہی باہمی نفاق اور دُشمنی پیدا ہوجاتی ہے، جتنا وہ اتحاد واتفاق میں مشہور اور ضرب المثل تھا۔

قارئین! بیدلؔ نے کس خوب صورتی سے غنچہ اور پھول کی مثال سے انسانی اتحاد اور پھر نفرت وعناد کی حقیقت واضح کی ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں۔ ہر شخص اس تجربے سے اگر خود نہیں گزرتا، تو ایسی مثالیں اس کی نظر سے ضرور گزرتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اتفاق و اتحاد میں بھی اعتدال کا ہونا ضروری ہے۔ حد سے بڑھتی ہوئی محبت واخوت اکثر نفرت وعداوت میں تبدیل ہوجایا کرتی ہے۔ لہٰذا **خیر الامور اَوْسَطُهَا** کی حدیث کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ غرض

یہ کہ جس طرح اتحاد و اتفاق کے اسباب ہوتے ہیں، اسی طرح نفرت و عناد کی وجوہات بھی ہوتی ہیں۔ بے وجہ نہ اتحاد پیدا ہو سکتا ہے اور نہ نفرت۔ وقت، مزاج معاشی تقاضوں اور رجحانات کے ساتھ ساتھ محبتیں نفرتوں اور نفرتیں محبتوں میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گھر کے بزرگ بہ ظاہر جس اتحاد و اتفاق کی مثال چھوڑ کر جاتے ہیں، ان کی اولاد میں اکثر اتحاد و اتفاق کے بجائے نفرت و کینہ اور بغض و عناد اُبھر کر سامنے آ جاتا ہے۔ یہ سب ماحول، تعلیم و تربیت اور مزاج وقت کے ثمرات ہوتے ہیں۔ افسوس کہ آج ہم بھی کچھ ایسی ہی منفی کیفیات سے دوچار ہیں۔ اللہ کریم ہمیں بھی کسی منطقی، شعوری اور تعقلاتی منزلِ اتحاد و اخوت کی طرف ہدایت دے اور دائرۂ تہذیب انسانی میں رہتے ہوئے اظہارِ اختلاف کا شعور بخشے۔ کسی نے کیا خوب کہا:

محبتوں میں قرینہ تو لوگ رکھتے ہیں
میں نفرتوں میں بھی قائل ہوں رکھ رکھاؤ کا

❁❁❁

(6)

ترکِ تجمل

عزّتِ ترکِ تجمل از کرم افزوں تر است
سربگردوں می فرازد نخل چوں بے بر شود

ترجمہ:

زینت و زیبائش کو چھوڑ دینے کی عزت کرم فرمائی کی عزت سے زیادہ ارفع مقام رکھتی ہے۔ درخت جب پھل دینا چھوڑ جائے، تو اس کا سر آسمان کی طرف زیادہ بلند ہو جاتا ہے۔

مفہوم:

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اسباب دنیا کی شان و شوکت کے ساتھ زندگی گزارنا اگرچہ بادی النظر

میں پسندیدہ صورت ہے، لیکن جو لوگ یہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر مجردانہ زیست بسر کرنے کو ترجیح دیتے ہیں تو ان کا مقام پہلے طبقے کے لوگوں سے زیادہ بلند ہوتا ہے، جس طرح ثمردار درخت کا سر تو پھل کے بوجھ سے جھکا رہتا ہے، مگر جب وہ اس بار سے سبک دوش ہو جاتا ہے، تو اس وقت وہ آزادی کا سانس لیتا ہے اور اس کا سر پہلی صورت کی نسبت زیادہ بلند ہو جاتا ہے، یعنی اب اس کے پاس کچھ ہے اور نہ وہ کسی کو کچھ دے سکتا ہے بلکہ اب وہ آزادانہ سی زندگی گزار رہا ہے اور لوگوں کی دست درازیوں سے بے غم ہو گیا ہے۔ بقولِ شاعر:

دستار ندا ریم و خم و پیچ ندا ریم
ما ہیچ ندا ریم و غم ہیچ ندا ریم

صوفیائے سلف میں ایک طبقہ ایسا بھی تھا، جو علائق دنیا سے بے نیاز رہا ہے اور جس نے ساری زندگی اللہ کا ذکر کرنے اور دین کی خدمت کرنے میں گزار دی۔ ظاہری شان و شوکت اور ٹھاٹھ باٹھ سے خود کو دور رکھا اور صرف اپنی ذات کی اصلاح میں کوشاں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طبقے کے انسانوں کو اپنی معرفت سے نوازا اور دنیائے روحانیت میں بھی انہیں بلند مقام سے بہرہ ور فرمایا، جیسے حضرت بایزید بسطامیؒ، حضرت ابوالحسن خرقانیؒ، حضرت ابوالقاسم گورگانیؒ، حضرت علی ہجویریؒ وغیرہ (رحمہم اللہ علیہم)۔ قارئین! بیدلؔ اسی مضمون کو اپنے ایک اور شعر میں یوں بیان فرماتے ہیں:

چو سرو بے طمع از دہر باش و سر بفراز
کہ نخلِ بارور از منّتِ زمانہ دوتاست

سرو کی طرح زمانے سے بے طمع رہ اور اپنی گردن اٹھا کر چل، اس لیے کہ پھل دار درخت زمانے کے احسان سے جھکا رہتا ہے۔ شیخ سعدیؒ نے بھی:

نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں

کہہ کر ثابت کیا کہ پھل سے لدی شاخ کا سر زمین کی طرف جُھکا رہتا ہے، یعنی جن افراد میں کچھ وصف ہوتا ہے۔ وہ سراپا عجز وانکسار ہوتے ہیں، مگر بیدلؔ نے اسی مضمون کو ایک دوسری دلیل کے طور پر بھی بیان کیا اور بتایا کہ پھل دار شاخ کو اس لیے جھکنا پڑتا ہے کہ اسے پھل کے

احسان سے نوازا گیا ہوتا ہے۔ لہٰذا احسان کا شکر ادا کرنے کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اپنا سر جھکائے رکھے، مگر جو شخص بے طمع زندگی گزارتا ہے، وہ آزادانہ زندگی سے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔ جس طرح سرو یا سفیدے کے درخت بے ثمر ہونے کے سبب، پھل دار درختوں کی نسبت اپنی گردنیں اٹھائے کھڑے نظر آتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی کے احسان مند اور ممنون نہیں بنے ہوتے۔ اسی مضمون کو بیدلؒ نے ایک اور شعر میں یوں بیان کیا ہے:

از دوتا گشتن ندارد چارہ نخل میوہ دار
قامتِ ہر کس بزیرِ بار می آید خم است

یعنی میوہ دار درخت کے لیے جھکے بغیر کوئی چارہ نہیں، اس لیے کہ جس شخص کے جسم پر کوئی بوجھ ہوگا وہ یقیناً جھکا ہوا ہوگا۔

۞۞۞

(7)

اندھوں کا شہر

بر خلقِ بے بصیرت تا چند عرض جوہر
باید ز شہرِ کوراں ، چوں نورِ دیدہ رفتن

ترجمہ:

عقل کی اندھی مخلوق پر کب تک اپنے کمالات کا اظہار کیا جائے؟ اندھوں کے شہر سے تو اس طرح نکل جانا چاہیے، جس طرح آنکھ کا نور آنکھ سے نکل جاتا ہے۔

تشریح:

بیدلؒ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ عقل کے اندھے، صاحبانِ علم اور اربابِ کمالات کی قدر نہیں کرتے، لہٰذا اربابِ کمال کو چاہیے کہ ایسے لوگوں پر اپنے کمالات کے اظہار میں اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں، بلکہ ایسے لوگوں سے کنارہ کشی بہتر ہے۔ مصرعِ ثانی میں اس بات کو اس طرح سمجھایا گیا ہے

کہ اندھوں کے شہر سے یوں نکل جانا چاہیے، جیسے آنکھ کا نور آنکھوں سے چلا جاتا ہے۔ اندھے جانیں اور شہر کے گلی کوچے۔ ایسے بے قدر اور انسان ناشناس اندھوں میں وقت گزارنے سے کیا فائدہ؟ یہی وقت ان لوگوں کے ساتھ مل بیٹھنے میں گزارنا بہتر ہے، جو انسانی کمالات کے قدردان ہوں اور خود بھی روشن عقل کے مالک ہوں۔ مولانا رومؒ نے بھی اسی قسم کا ایک شعر کہا تھا:

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر
کز دام و دد ملولم و انسانم آرزو ست

کہ ایک شیخ کامل کل چراغ لے کر شہر کے گرد گھوم رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ میں ان حیوانوں اور درندوں سے بہت تنگ ہوں، مجھے تو کسی انسان کی تلاش ہے۔ معلوم ہوا کہ رومیؒ کے نزدیک ہجوم دیکھ کر یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ سارے لوگ مرتبۂ انسانیت پر فائز ہیں، بلکہ اگر لاکھوں کے ہجوم میں ایک بھی انسان نکل آئے تو بھی غنیمت ہے۔ یوں تو تمام انسانوں پر لفظ انسان ہی کا اطلاق ہوگا، مگر رومیؒ جسے انسان کہتے ہیں یا قرآن وحدیث میں جس مردِ مومن کا تذکرہ ملتا ہے، وہ ہجوم کی صورت میں نہیں ملتا ہاں! انسانوں کے ہجوم میں مل سکتا ہے۔

(8)

صُحبتِ ناجنس سے اجتناب کی تلقین

صحبتِ ناجنس گر جاں بخشدت الفت مگیر
آب را دیدی کہ ماہی را بہ دام افگند و رفت

ترجمہ:

ناجنس کی صحبت اگر تجھے زندگی بھی عطا کرے، تو اس سے محبت نہ کرنا۔ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ پانی مچھلی کو جال میں پھنسا کر آگے نکل گیا۔

مفہوم:

مفہوم شعر یہ ہے کہ پانی اور مچھلی کی جنس ایک نہیں، اس کے باوجود مچھلی پانی سے اس قدر محبت کرتی ہے، کہ اس کے بغیر ایک لمحہ بھی زندہ نہیں رہ سکتی، گویا پانی اسے زندگی دیتا ہے، اس لیے وہ اس سے محبت کرتی ہے، لیکن پانی ایک نہ ایک دن اپنے ناجنس ہونے کے ہاتھ دکھا کر رہتا ہے۔ وہ یوں کہ وہی پانی جسے مچھلی اپنا سب کچھ (یعنی اپنی زندگی) سمجھتی ہے اور اس کے ناجنس ہونے کی پروا بھی نہیں کرتی، ایک نہ ایک دن اس مچھلی کو ماہی گیر کے جال میں پھنسا کر خود آگے نکل جاتا ہے۔ مچھلی کی اس ناگہانی موت کا سبب یہ بنا کہ اس نے ایک ناجنس سے نہ صرف صحبت قائم رکھی، بلکہ اس سے محبت کی۔ اس ناجنس نے بالآخر اسے اپنے ہاتھ یوں دکھائے کہ مچھلی کو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے، لہٰذا انسان کو بدعقیدہ اور گمراہ لوگوں کی صحبت اور محبت سے اجتناب کرنا چاہیے، ورنہ وہ بھی اس کے ساتھ وہی سلوک کریں گے، جو پانی نے مچھلی سے کیا۔

(9)

درسِ عجز وانکسار

با شمع گفتم از چہ سرت می دہی بباد
گفت آں سرے کہ سجدہ نہ دارد چنیں خوش است

ترجمہ:

میں نے شمع سے کہا کہ تو اپنا سر کیوں ضائع کر دیتی ہے؟ جواباً اس نے کہا کہ جو سر سجدہ کے لیے جھک نہ سکے، اس کے ساتھ یہی سلوک بہتر ہے۔

مفہوم:

بیدلؔ کس خوب صورتی سے انسان کو عجز کا درس دیتے ہیں، گویا کہ شمع کا سر جھکتا نہیں، اس

لیے وہ اسے کھڑے کھڑے برباد کردیتی ہے۔ اسی طرح جس انسان کا سر اپنے مالک حقیقی کے سامنے سجدے میں نہ جھکتا ہو، وہ ضائع ہو جانے کے قابل ہوتا ہے۔ ہاں! وہ سر یقیناً قابل عزت ہوتا ہے، جو اپنے خالق و مالک کے علاوہ کسی اور کے آگے جھکنا نہ جانتا ہو۔ بقولِ اقبال:

وہ ایک سجدہ ، جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

حسینؓ نے میدانِ کربلا میں جو سجدہ کیا تھا، اسی کے صلے میں سرِ حسینؓ کو نیزے کی رفعت عطا ہوئی۔ میر تقی میرؔ نے کیا خوب کہا:

شیخ پڑے محرابِ حرم میں پہروں دوگانہ پڑھتے رہیں
سجدہ ایک اس تیغ تلے کا ، ان سے ہو تو سلام کریں

۞۞۞

(10)

اجتماع الضدین

رہائی نیست روشن طینتاں را از سیہ بختی
کہ نور و سایہ را نتواں بہ تیغ از ہم جُدا کردن

ترجمہ:

روشن طبع اور باکمال لوگوں کا ذہنی پریشانیوں اور معاشی بدحالیوں سے چھٹکارا پانا مشکل ہے، اس لیے کہ نور اور سائے کو تلوار سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔

مفہوم:

شعر کا مطلب یہ ہے کہ باکمال لوگ اکثر پریشانی اور معاشی تنگی کا شکار رہتے ہیں یہ قدرت کے فیصلے ہیں اور اس کی مصلحتیں وہی جانتا ہے۔ دوسرے مصرع میں سایہ و نور کی مثال سے بات واضح

کی گئی ہے کہ عام طور پر نور روشنی کے ہوتے ہوئے سائے کا وجود نہیں ہوتا۔ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں، مگر بعض مقامات پر ایسا دیکھنے میں آتا ہے کہ نور کے ہوتے ہوئے بھی سایہ اس کے ساتھ موجود ہوتا ہے اور یہی نور کی سیہ بختی ہے کہ اس کی موجودگی میں اس کی ضد موجود ہوتی ہے، جس طرح مکان کی دیوار کا سایہ زمین پر پڑتا ہے تو نور اور سایہ ایک دوسرے کے پڑوسی نظر آتے ہیں یہی حال باکمال لوگوں کا ہوتا ہے کہ اتنے کمالات کے ہوتے ہوئے بھی بعض ایسی چیزیں ہمیشہ ان کے آڑے آئی رہتی ہیں جو ان کی شان کے لائق نہیں ہوتیں مگر یہ خالق کائنات کا نظام ہے کہ وہ نور اور سائے کو بعض مقامات پر اکٹھا رکھنا چاہتا ہے۔ صوفیائے سلف، علمائے امت اور اکابرِ ملت ایسی ہی دشواریوں اور پریشانیوں کا شکار رہے، مگر ان کا مقام وہی رہا ہے، جسے کسی حاسد کا ہاتھ چھُو نہ سکا۔

(11)

جذبۂ خدمت

لُطفے ، امدادے ، مدارائے ، نیازے ، خدمتے
اے ز معنٰی غافل! آدم شو بہ ایں مقدار ہا

ترجمہ:

کسی پر مہربانی، کسی کی مدد، کسی سے مروّت اور کسی کی خدمت کر۔ اے حقیقت سے بے خبر انسان! اگر انسان بننا ہے، تو ان صفات کا انسان بن۔

تشریح:

خدمت انسانی کا جذبہ انسانی صفات میں سے بلاشبہ ایک اعلیٰ صفت ہے۔ معاشرے کے معذور، بے سہارا، محتاج اور ضرورت مند افراد کی بدنی یا مالی امداد کرنا، کسی کے جائز کام کی خاطر اُس کے ساتھ چلنا، اُس کا ساتھ دینا یا کسی کو اُس کے کام کے لیے دو لفظ کہہ کر توجہ دلانا یہ سب کچھ خدمت خلق کہلاتا ہے، مگر یہ ساری تگ و دو اُسی وقت نفع بخش اور سُودمند ہوگی جب

خدمت کنندہ کے دل میں خلوص، اخوتِ انسانی اور للّٰہیت یعنی اللہ کی رضا جوئی اور خوشنودی کا جذبہ کارفرما ہوگا، ورنہ اللہ کے نزدیک مال و دولت کے انفاق اور کسی قسم کی خدمت کی کوئی وقعت و اہمیت نہ ہوگی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: و سیجنبھا الاتقی الذی یوتی مالہ یتزکیٰ۔ و ما لاحد عندہ من نعمۃ تجزیٰ۔ الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ۔ ولسوف یرضی ترجمہ: اور دُور رکھا جائے گا اُس سے وہ نہایت پرہیزگار، جو دیتا ہے اپنا مال اپنے (دل) کو پاک کرنے کے لیے اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں، جس کا بدلہ اُسے دینا ہو بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلب گار رہے اور وہ ضرور (اُس سے) خوش ہوگا۔ ان آیات شریفہ سے جو مفاہیم و مطالب اخذ کیے جا سکتے ہیں، اُن کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس لیے یہاں صرف چند امور کی نشاندہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں جہاں بہت سی خوبیاں پائی جاتی ہیں، وہاں بہت سی اخلاقی خامیاں بھی موجود ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہر طبقہ کے افراد نے خودغرضی، مفاد پرستی، ذخیرہ اندوزی اور حرص و حسد جیسے عیوب کو اپنا شعار بلکہ مقصدِ حیات بنا لیا ہے۔ اوّل تو موجودہ دور میں خدمت خلق کا تصور ہی مفقود ہے، کچھ لوگ ابھی اس راہ پر گامزن نظر بھی آتے ہیں تو وہ بھی کسی نہ کسی ذاتی غرض اور کسی سیاسی مقصد کے پیشِ نظر سادہ لوح عوام کو فریب دے رہے ہوتے ہیں۔ انسان اگر ملکوتی صفات کو اپنا لے تو احسن تقویم کی صحیح تصویر بن جاتا ہے، اگر طاغوتی اور شیطانی افکار و اعمال کی پیروی کرے تو ثم رددنہ اسفل سفلین کا ارشاد اس پر صادق آتا ہے۔ خدمت خلق کے سلسلے میں جو لوگ بہت آگے آگے رہنے کی کوشش کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، درحقیقت اُن کا مقصد خدمت نہیں ہوتا، بلکہ وہ اس بے ضرر حربے کو استعمال کر کے اپنی شہرت، عزت اور پھر اپنے دروازے پر ہجوم خلائق دیکھنے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔ خودنمائی انسانی جبلّت ہے اس لیے انسان اس کوشش میں رہتا ہے کہ وہ کوئی ایسا کمال پیدا کرے یا کوئی ایسا کارنامہ سرانجام دے، جس سے اُسے عزت و شہرت ملے۔

کسب کمال کُن کہ عزیز جہاں شوی

کا اشارہ اسی طرف ہے۔ دُنیا کی تمام باکمال شخصیتیں خواہ وہ شہرۂ آفاق مصور و نقاش ہوں، نامور معمار و موسیقار ہوں، شُعلہ نوا شاعر و ادیب ہوں، آزمودہ کار سپہ سالار ہوں یا

حکیم و کیمیا دان یا حیرت انگیز مُہم جُو، ان سب کا کمال اسی جبلت کی کارفرمائی کا رہینِ منّت ہوتا ہے۔ جو کم کوش اور سہل انگار لوگ علوم وفنون یا کسی دیگر کمال کے فقدان کے باعث عزت و شہرت سے محروم رہتے ہیں، وہ اپنے دروازوں پر ''ادارۂ خدمت خلق'' کے بڑے بڑے بورڈ آویزاں کر دیتے ہیں تا کہ وہاں ہر وقت ضرورت مند عوام کا جمگھٹا رہے اور اُن کی کمزوریوں سے فائدہ اُٹھا کر انہیں بے وقوف بنایا جاتا رہے۔ اکبر مرحوم نے سچ ہی تو کہا تھا:

گُلِ کاغذ کو کس خوبی سے گلشن میں لگایا ہے
میرے صیّاد نے بُلبُل کو بھی اُلّو بنایا ہے

جاگیردار، چوہدری، ملک، وڈیرے اور خوانین قسم کے لوگ اکثر اس سفر کا آغاز دیہاتی سطح سے کرتے ہیں، چونکہ تھانہ، کچہری اور قومی وصوبائی دفاتر تک اَن پڑھ عوام کی براہِ راست رسائی ممکن نہیں ہوتی، اس لیے مندرجہ بالا طبقے اُن کی جہالت اور نارسائیوں کے سہارے حکامِ بالا سے خود کو متعارف کرانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جب ایسے طالع آزما، جاہ پسند لوگ کسی وزیر، مشیر یا کسی بھی اعلیٰ افسر سے رابطہ قائم کرنے کے لیے فون کرتے ہیں یا خود حاضر ہوتے ہیں تو ان کی گفتگو کا آغاز اپنے آبا و اجداد کے حوالے سے ہوتا ہے اور ضمناً ان کی ملّی و دینی خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنی دولت وحشمت کا ذکر بڑی کسرِ نفسی کے ساتھ کرتے ہیں۔ جب سمجھ لیتے ہیں کہ مخاطب پوری طرح متاثر ہو چکا ہے تو پھر اپنی حاضری کا مقصد اپنے علاقے کی پس ماندگی اور غربت زدہ عوام کی پریشاں حالی بتاتے ہیں۔ گویا ان کو تو حکومت یا افسرانِ بالا سے کوئی لالچ اور کوئی ذاتی غرض نہیں۔ صرف اور صرف عوام کی بے لوث خدمت کرنے اور ان کو جینے کے بنیادی حقوق دلوانے یہاں آجاتے ہیں۔ افسران بالا بھی چونک اُٹھتے ہیں کہ اس آدمی کے پاس اتنی دولت وثروت ہے اور ایسے نامور باپ دادا کا چشم و چراغ ہے، اگر اس کے دل میں خدمت خلق کا جذبہ موجزن نہ ہوتا تو یہ ہمارے دروازوں پر روز کیوں دھکے کھاتا واقعی یہ شخص انسان نہیں بلکہ انسانی رُوپ میں ایک فرشتہ ہے۔

قارئین کرام! آپ نے غور فرمایا کہ یہ نام نہاد وڈیرے اپنے مال ومنال اور اپنے

باپ دادا کے نام کو کس خوش اسلوبی سے استعمال کرتے ہیں اور پھر حکومت کے سامنے اپنی اَنا کو بچانے کی خاطر خدمت خلق کا بہانہ تراش لینے میں کتنی مہارت رکھتے ہیں۔ جب حکومت میں ان کا اثر ورسوخ بڑھ جاتا ہے تو پھر عوام کو بے اتفاقی کے جہنم میں دھکیل کر عمر بھر ان سے اپنا ہر جائز و نا جائز کام کرواتے رہتے ہیں۔ اگر عوام میں سے کوئی باشعور حوصلہ مند صدائے احتجاج بلند کرتا ہے تو اُس کا منہ بند کرنے کے لیے کچھ معرض التوا میں ڈال دیتے ہیں تا کہ وہ قسمت کا مارا ان کے دروازے پر شب و روز کی حاضری ترک نہ کر سکے۔ آج کل کے سیاسی لیڈر مذکورہ بالا طریقہ ہائے واردات کے اولین مصداق ہیں۔ ان کی اکثریت مذہبی شعور اور دینی علم سے عاری ہوتی ہے اور خدا اور رسول کے خوف یا لحاظ سے بھی بے نیاز۔ انتخابی موسم میں ووٹ لینے کے لیے گداگروں کی طرح عوام کے سامنے اپنا دامن سوال پھیلاتے ہیں، منت سماجت کرتے ہیں، بلند بانگ دعوے اور وعدے کرتے ہیں، کسی کو باپ، کسی کو بھائی، کسی کو بیٹا، کسی کو ماں، کسی کو بہن کہہ کر پکارتے ہیں۔ شہر شہر اور گلی گلی سائلوں کی طرح صدا لگاتے پھرتے ہیں۔ بزرگانِ دین کے مزارات پر نذرانے پیش کرتے اور چادریں چڑھاتے ہیں، اگر اس موسم میں ان کی زبان سے کچھ نکلتا ہے تو یہی شعر:

اَلَا یَا ایُّھَا السّاقی بدہ "ووٹے" بہ محفلھا
کہ سیٹ آساں نمود اول ولے اُفتاد مشکل ہا

اے ساقی! اس موسم خاص میں شراب کے بجائے ووٹ دے۔ اس لیے کہ سیٹ حاصل کرنا پہلے تو آسان نظر آتا تھا مگر اب اُس کا حصول مشکل ہو چکا ہے۔ مگر جب یہ موسم گزر جاتا ہے تو مزارات پر حاضری کو شرک و بدعت کہتے ہیں۔ مسجدوں، یتیم خانوں اور رفاہ عامہ کے لیے جمع کردہ دولت کو کوڑیوں کی طرح لٹاتے ہیں۔

اگر آپ قرآنی تعلیمات، احادیث نبویؐ اور اُسوۂ خلفائے راشدین کو سامنے رکھیں تو کیا ایسے افراد کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث مبارک سیّد القوم خادمھم (قوم کا وہی سردار ہے جو اُس کا خادم ہے) کا مصداق قرار دیا جا سکتا ہے؟ میرے خیال میں قطعاً نہیں۔ اگر ملک میں قرآن وسنت پر مبنی صحیح نظام اسلام کی حامل رفاہی مملکت قائم ہو

جائے اور تمام انسانوں کے بنیادی حقوق زیست مہیا کر دیئے جائیں تو عوام براہِ راست اپنے مقاصد حاصل کرسکیں گے اور کسی وڈیرے کی منت ومحتاجی کی خفّت سے بھی بچ جائیں گے، کیونکہ ایسے لوگ جب کسی کا کام کرتے ہیں تو دیگر مفادات کے علاوہ یہ مقصد بھی ان کے پیش نظر ہوتا ہے کہ کم از کم یہ شخص تا حیات میرا شکر گزار تو رہے گا، مجھے اچھے الفاظ سے یاد تو کرے گا اور لوگوں میں میرا ذکر میری بلندیِ کردار کے حوالے سے تو کرے گا۔ ایسے لوگ صرف ان ہی وجوہات کی بنا پر خدمت کے لیے غریبوں کو مُنتخب کرتے ہیں، کیونکہ وہ اُن کے احسان کا بدلہ احسان کر کے نہیں چکا سکتے۔ بجز اس کے کہ ساری عمر اُن کے سامنے آنکھ اونچی نہ کریں۔ ہمیشہ پہلے سلام کریں، ادب سے اُٹھ کھڑے ہوں اور اُن کے خلاف کبھی زبان نہ کھولیں۔ جن لوگوں کے متعلق معلوم ہوا کہ ان پر جو احسان کیا جائے گا، وہ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان (احسان کا بدلہ صرف احسان ہی سے ہوتا ہے) کے مطابق احسان اُتار دیں گے تو ایسے لوگوں پر احسان کرنے میں مُتأمّل نظر آتے ہیں، کیونکہ دونوں طرف برابر کا معاملہ ہوتا ہے۔ ایسے مواقع پر وڈیرے آپس میں حسن نیّت اور انسانیت سے پیش آنے کے بجائے اپنا اپنا زور دکھانے کے لیے سیاسی اور مذہبی مقابلے شروع کر دیتے ہیں اور ان کی کوشش کا محور ومرکز یہی رہتا ہے کہ سادہ لوح عوام کو مختلف جھانسے دے کر بیوقوف بنائیں کہ کون کتنی اکثریت کو اپنے قابو میں لاسکتا ہے، خُدا کرے کہ عوام اس خوابِ غفلت سے جاگ اُٹھیں اور دیکھیں کہ اُنہیں کس طرح لوٹا جا رہا ہے۔

بیدلؒ کے مندرجہ بالا شعر کے تحت جن جن امور اور حقائق پر روشنی ڈالی گئی ہے، وہ محض افسانہ نہیں، بلکہ روزمرّہ کے مشاہدات وتجربات ہیں۔

میں نے جن نفسیاتی حقائق کا ان سطور میں تفصیلاً ذکر کیا ہے، اُن کا تعلق کسی ایک طبقے سے نہیں بلکہ ہر اُس گروہ سے ہے، جسے انسانی معاشرے میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ چاہے وہ علمی وادبی ہو، مذہبی وروحانی ہو، سیاسی وغیر سیاسی یا طبقۂ اُمرا میں سے ہو۔ عوام کو چاہیے کہ وہ خود اس بات کو محسوس کریں کہ خدمت خلق کا صحیح حق کون ادا کر رہا ہے اور کون اس کی آڑ میں ذاتی اغراض ومقاصد حاصل کر رہا ہے اور ان تمام امور کا ادراک ایک

باشعور انسان کے لیے کچھ مشکل نہیں۔

حقائق احوال سے مُطّلع ہونے کے لیے حضور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارک کو ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھنا چاہیے، ارشاد فرمایا: المومن مراۃ المومن (ایک مومن دوسرے مومن کے لیے آئینے کی حیثیت رکھتا ہے) یعنی اگر نگاہ نکتہ رس ہو تو ایک انسان دوسرے انسان کے چال چلن، بول چال، نشست و برخاست، لب و لہجہ، اندازِ گفتگو اور رویے سے اُس کے دل میں پوشیدہ ارادوں اور اُس کی اصلی صورتِ حال کو بخوبی بھانپ سکتا ہے کہ یہ آدمی کسی حد تک خدمت خلق میں مخلص ہے بھی یا یہ سب کچھ کسی مطلب برآری کے لیے کیا جا رہا ہے۔ بقولِ راقم

چھپتا نہیں دنیا میں کوئی زشت نہ خوب
پیشانی پہ آ جاتے ہیں اسرار قلوب
ہے صاف ضمیروں کا نشاں حق گوئی
آئینہ چھپاتا نہیں چہرے کے عیوب

۞۞۞

(12)

سلام و دُعا

بگذر زِ غنا تا نشوی دشمنِ احباب
اول سبقِ حاصلِ زر ترکِ سلام است

ترجمہ:

تُو دولت مندی کو چھوڑ دے، تاکہ دوستوں کا دشمن نہ بن جائے، کیونکہ حصولِ زر کا پہلا سبق احباب سے سلام کا انقطاع ہوتا ہے۔

تشریح:

بیدلؔ نے اس لافانی شعر میں ایک ایسی عظیم حقیقت کو بیان فرمایا ہے، جس کا مشاہدہ انسانی معاشرے میں کیا جا سکتا ہے۔ اسلام میں سلام کو جو اہمیت و مرتبہ حاصل ہے، وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ اسلام اور سلام کا مادہ اشتقاق سلم ہے، جس کا بنیادی مفہوم ہر قسم کے عیوب و نقائص سے پاک اور صاف ہونا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: سلم الدلو اس نے ڈول کو پختگی کے ساتھ تیار کیا۔ سورۃ البقرہ میں بنی اسرائیل کی گائے کے متعلق ہے: مسلمة لا شية فيها وہ جسمانی نقائص سے بے عیب اور بالکل بے داغ ہے۔ لہٰذا سلم کا معنٰی اس طرح مکمل ہونا ہے کہ پھر کوئی نقص اور کمی باقی نہ رہے، یعنی انسانی صلاحیتوں کی پوری پوری نشوونما اور تکمیل ہو سکے۔ اس مادے کے دوسرے بنیادی معنی ہیں ہر قسم کے حوادث و خطرات اور آفات سے محفوظ رہنا۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس مادہ کے زیادہ معنٰی صحت اور عافیت سے متعلق ہیں۔ جیسے: سلم من الافة سلامة وہ آفت سے محفوظ رہا اور جیسے: سلمه الله تسليما اللہ نے اسے آفت سے محفوظ رکھا۔

قرآنِ مجید میں سَلَام ” بہت سے مقامات پر استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ الرعد میں ہے: سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار (اور فرشتے ان سے یہ کہتے ہوئے داخل ہوں گے کہ) سلامتی ہو تم پر بوجہ اس کے جو تم نے صبر کیا، پس کیا عمدہ ہے یہ آخرت کا گھر۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا: الذين تتوفهم الملائكة طيبين يقولون سلم عليكم ادخلوا الجنة بما كنتم تعملون وہ متقی جن کی روحیں فرشتے قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں (اس وقت) فرشتے کہتے ہیں اے نیک بختو! سلامتی ہو تم پر، داخل ہو جاؤ جنت میں، ان (نیک اعمال) کے باعث جو تم کیا کرتے تھے۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: قال سلم عليك ساستغفرلك ربى انه كان بى حفيا ابراہیم نے (جواب میں) کہا: سلام ہو تم پر میں اپنے رب سے تیرے لیے مغفرت طلب کروں گا، بیشک وہ مجھ پر بے حد مہربان ہے۔

اسی طرح مختلف مقامات پر پیغمبرانِ عظام کے اسمائے گرامی لے کر ان پر سلام بھیجے

گئے۔ مثلاً: سلم علی نوح فی العلمین، سلم علی ابراھیم سلم علی موسیٰ و ھرون، سلم علی ال یاسین اور پھر مجموعی طور پر تمام رسولوں کو وسلم علی المرسلین کے الفاظ سے یاد کیا گیا۔ محولہ بالا آیاتِ قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سلام بھیجنا یا سلام کہنا سنت الٰہیہ ہے۔ حضور سیّدِ عالمؐ نے افشائے سلام کے لیے خصوصی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ کتبِ احادیث میں بہ سلسلہ افشائے سلام ارشاداتِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔ افشاء وترویج سلام سے جہاں اور بہت سے فوائد اور صحت مند نتائج حاصل ہوتے ہیں، وہاں سب سے عظیم فائدہ یہ ہے کہ اس عمل سے مسلمانوں کے باہمی رشتۂ اخوت میں مزید استواری پیدا ہوجاتی ہے۔ طبقاتی مفروضات اور نسلی امتیازات کی خودساختہ عمارات منہدم ہوجاتی ہیں۔ امیری غریبی اور عجمیت وعربیت کی حائل دیواریں گر جاتی ہیں۔ رعونت، انانیت اور تکبر کے عذاب سے نجات مل جاتی ہے۔ چونکہ اسلام جمعیت واتحاد کے ساتھ انسانی اخوت ومودّت بھی چاہتا ہے اور یہ سب کچھ افشائے سلام سے ہی ممکن ہے، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ اس سلسلے میں تاکیدی احکام صادر فرمائے بلکہ سلام لینے اور سلام کہنے کے آداب بھی ارشاد فرمائے۔ چند احادیث یہاں نقل کی جاتی ہیں:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے: ألا لا تدخلون الجنة حتی تومنوا ولا تومنوا حتی تحابوا اولا ادلکم علی شی اذافعلتموہ تحاببتم افشوا السلا م بینکم۔ ترجمہ: آنحضرتؐ نے فرمایا: جب تک تم ایمان نہ لاؤ جنت میں داخل نہیں ہوسکتے اور جب تک تم آپس میں محبت و دوستی کا رشتہ قائم نہ کرلو تم مکمل مومن نہیں ہوسکتے کیا میں تمھیں ایک ایسی بات نہ بتاؤں کہ جس پر عمل کرنے سے تمہارے درمیان رشتہ محبت واخوت قائم ہوجائے، وہ یہ ہے کہ آپس میں سلام کو عام کرو۔

حضرت ابوہریرہؓ ہی سے روایت ہے کہ: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یسلم الراکب علی الماشی۔ والماشی علی القاعد والقلیل علی الکثیر ترجمہ: سوار پیادہ کو سلام کہے، چلنے والا بیٹھنے والے پر اور تھوڑے بہتوں پر سلام کہیں۔ ان ہی سے روایت ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علی وسلم نے کہ: یسلم الصغیر

علی الکبیر و المار علی القاعد والقلیل علی الکثیر ترجمہ: سلام کہے عمر میں چھوٹا اپنے سے بڑی عمر والے کو۔ چلنے والا بیٹھنے والے پر اور تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر سلام کہے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علیٰ غلمان فسلم علیھم حضور کا گزر لڑکوں کے پاس سے ہوا تو آپؐ نے انہیں سلام فرمایا اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: للمسلم علی المسلم ستّ بالمعروف یسلم علیہ اذالقیہ۔ ویجیبہ ازادعاہ۔ ویسئمنہ اذا عطس ویعودہ اذامرض و یتبع جنازتہ اذامات۔ یحب لہ مایحب لنفسہ مسلمان کے مسلمان پر چھے پسندیدہ حقوق ہیں جب اس کو ملے تو سلام کہے، جب وہ اس کی دعوت کرے تو وہ اسے قبول کرے، جب وہ چھینک لے تو اس کا جواب دے، جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے، جب مر جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے اور اس کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

آپ نے دیکھا کہ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے افشائے سلام کے لیے کتنی تاکید فرمائی، کیا برکات بیان فرمائیں اور کیا آداب مقرر فرمائے، جیسا کہ پہلے مذکور ہوا کہ سلام کہنے سے ایک طرف تو اسلامی اخوت میں مزید استحکام پیدا ہوتا ہے اور دوسری طرف انانیت اور کبر کا سر جھکتا ہے۔ کچھ لوگ ہمیشہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ وہ کسی کو سلام نہ کریں، بلکہ ان کی خدمت میں ہدیۂ سلام پیش کیا جائے۔ خاص طور پر جاگیردارانہ ذہن کے افراد میں یہ عیب بکثرت پایا جاتا ہے، یہ سوچ بالکل غیر اسلامی اور غیر اخلاقی ہے۔ ایسے لوگوں کا ذہنی کبر درست کرنا کارِ ثواب ہے اور وہ اس طرح کہ انہیں اس وقت تک سلام نہ کیا جائے، جب تک کہ وہ سلام میں پہل کرنے کو اپنا شعار نہ بنالیں۔ آج کل اگر کسی دولت مند یا افسر طبقے کو سلام کیا جائے تو وہ جواب دینے میں نہ صرف یہ کہ بخل سے کام لیتے ہیں، بلکہ یہ سوچتے ہیں کہ سلام کرنے والا اپنی کسی غرض اور حاجت کے پیشِ نظر انہیں سلام کر رہا ہے۔ ایسے افراد کو بھی

سلام نہیں کرنا چاہیے، جب تک ان کا ذہن ایسی پست اندیشیوں سے پاک نہ ہو جائے وہ

سلام روستائی جز غرض نیست

کی ضرب المثل کے تحت ہر آدمی کو بہ نگاہِ تحقیر دیکھتے ہیں۔ جب ایسے افراد سے سابقہ پڑ جائے تو ان کے پاس سے بے نیازانہ گزر جانا چاہیے۔ بقولِ ابو طالب کلیم مرحوم:

بے نیازانہ ز ارباب کرم می گذرم
چوں سیہ چشم کہ بر سرمہ فروشاں گذرد

میں اربابِ دولت و اقتدار کے پاس سے اس طرح بے نیازانہ گزر جاتا ہوں، جس طرح ایک سیہ چشم انسان جس کی آنکھیں قدرتی طور پر سیاہ واقع ہوئی ہوں، سرمہ فروشوں کے پاس سے بانداز بے نیازی گزر جاتا ہے۔ سرمہ فروشوں کی طرف حاجت توجہ تو اسے ہوتی ہے جس کی آنکھیں سرمے کی محتاج ہوں اور جس کے سوادِ چشم کو مشاطۂ فطرت نے از خود سرمہ سے بے نیاز کر دیا ہو، وہ اگر بازار سرمہ فروشاں سے بانداز دلبری اور بہ شانِ بے نیازی نہ گزرے، تو اور کیا کرے۔ بقول حافظؔ شیراز قدس سرہ:

دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند
دلبرِ ماست کہ با حسنِ خداداد آمد

آج کل دعا و سلام کے عجیب و غریب مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہوا افشائے سلام سے معلم اعظم کا مقصد باہمی اخوت و اخلاص میں اضافہ اور للّٰہیت ہے، مگر آج کل ایسا نہیں ہوتا، بلکہ آج کل کے سلاموں کی کئی اقسام ہیں۔ جیسے سلام مطلبی، سلامِ رشوتی، سلامِ تملقی، سلامِ اخلاقی، سلام رسمی، سلام اتفاقی، سلام مفاجاتی اور سب سے بڑا اسلام سیاسی اور ووٹ طلبی کا سلام ہے۔ وہ لوگ بھی ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں جو باطنی طور پر ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہوتے ہیں۔ مگر منافقانہ طور پر سلسلہ سلام رسانی چلتا رہتا ہے، دنیا داری اور کاروباری ذہن کے لوگ تو صرف مطلب برآری کے لیے تبسم آگیں انداز میں سلام کہتے ہیں۔ جب مطلب نہ نکلے یا نکل جائے تو دوبارہ سلام تو کیا آنکھ ملانے سے بھی کتراتے

ہیں۔ ایسے لوگ انتہائی گھٹیا اور پست ذہن کے مالک ہوتے ہیں۔ اس قسم کے شاطر اور مطلب پرستوں کو ان کے سلام کا جواب نہ دینا ان کی تہذیب اخلاق کا موجب ہوتا ہے۔ اکثر مذہبی گھرانوں کے افراد بھی دنیا داروں اور کاروباری لوگوں کی طرح پستیِ فکر اور انہیں کے طرزِ حیات سے غیر معمولی طور پر متاثر نظر آتے ہیں۔ جب کہ ان کے اسلافِ کرام کا طریق سراسر دینی اور اُسوۂ خیر الانام علیہ التحیۃ والسلام کی تعلیمات مقدسہ کے عین مطابق تھا۔ لوگوں سے صرف اس لیے دعا وسلام رکھنا کہ انسان کی بلندی اخلاق اور شرافتِ نسبی ثابت ہو اور اس کی تعریف کی جائے، سراسر منافقانہ اور غیر اسلامی طریقہ واردات ہے، جس کا اثر کبھی کسی کے دل پر نہیں پڑ سکتا، بلکہ ایسے شاطرانہ عمل سے انسان اپنا رہا سہا وقار بھی کھو بیٹھتا ہے۔ سچے عمل کا اثر دل پر ضرور ہوتا ہے اور اس کے اثرات لافانی ہوتے ہیں۔ بزرگانِ دین پر لوگ اسی لیے مرتے اور جان چھڑکتے ہیں کہ ان کا انسانوں سے جو رابطہ ہوتا ہے وہ محض اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خاطر ہوتا ہے اس میں ذاتی اغراض و مقاصد اور اُمور دنیوی کے حصول کا عنصر شامل نہیں ہوتا۔ کاش تمام اُمت مُسلمہ اپنے گراں قدر اسلاف اور گذشتہ اکابر کے اخلاص نیت اور طرز حیات کو اپنا لے۔

بہرحال وہ افراد جو کسی خانقاہ سے خدمت کی حد تک منسوب ہوں یا براہِ راست متولیِ خانقاہ کی اولاد ہوں، خاص طور پر ایسے لوگوں کے لیے اُمرا و حکامِ وقت کے دولت کدوں اور دفاتر کا طواف کرنا ان کی شان کے سراسر خلاف ہے اس لیے کہ ان کے اسلاف فقرِ محمدیؐ کی تصویر ہونے کے باعث ہمیشہ درباداریوں سے اجتناب کرتے تھے۔ اگر اسلاف کی عظمتیں اخلاف میں نہ ہوں، تو کم از کم ان کے رویۂ استغنا کا بھرم رکھنا تو ان کے فرائض منصبی میں سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: نعم الامیر علی باب الفقیر و بئس الفقیر علی باب الامیر سب سے اچھا امیر اور صاحب اقتدار انسان وہ ہے جو فقرا کے دروازے پر جائے اور سب سے برا فقیر وہ ہے جو دولت مندوں اور حکام وقت کے دروازوں پر دھکے کھاتا پھرے۔ لہٰذا بزرگان دین کی نسبت نسبی کو خیر باد کہنا چاہیے یا پھر دنیا داروں کے دروازوں پر حاضری کو ترک کرنا چاہیے۔ دونوں کا توازن برقرار

رکھنا بہت مشکل کام ہے۔ بقولِ حضرت جامیؒ:

بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

ایک ہاتھ میں شریعت کا نازک جام ہو اور دوسرے ہاتھ میں عشق کی آہرن ہو، ہر ہوسناک اور بے علم انسان جام اور اہرن کو ٹکرانے سے بچا لینے پر قادر نہیں ہوتا۔ اسے جامِ شریعت اٹھانا ہوگا یا پھر عشق کی اہرن۔

اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اہل خانقاہ رہبانیت کی زندگی گزاریں اور دنیا سے یکسر رابطہ منقطع کر لیں۔ آخر دنیا میں ان کو بھی رہنا ہے حکامِ وقت اور اہل دول سے چار و ناچار ملنا پڑتا ہے۔ کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ حکامِ وقت اور اربابِ دولت سے تعارف پیدا کرنے، ان سے تعارف کے حیلے وسیلے ڈھونڈنے اور ان تک رسائی حاصل کرنے کی تمنا میں ہلکان نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی ان سے تعارف حاصل ہونے پر کسی قسم کا فخر محسوس کرنا چاہیے۔ رئیس المکاشفین حضرت محی الدین ابن عربیؒ حکامِ وقت سے خدمت خلق کی خاطر رابطہ رکھنے کو مستحسن قرار دیتے ہیں۔ لیکن صرف رابطہ رکھنے کی حد تک ہی ابن عربی کی سنت کو نہیں اپنانا چاہیے، بلکہ ابن عربی کے علمی فضائل و کمالات اور اس کی شخصی وجاہت پر بھی غور کرنا چاہیے۔ کم از کم حکّامِ وقت اور اہل دولت پر یہ تو واضح ہو کہ جس انسان سے ملاقات ہو رہی ہے۔ وہ ان کے لیے باعثِ شرف ہے اگر یہ مقام حاصل نہ ہو تو خاموشی سے گھر بیٹھے رہنا دنیاداروں کے دروازوں پر دھکے کھانے اور پھر اپنے غیرت مند اسلاف کی عزت وحمیتِ فقر کو خاک میں ملا دینے سے کہیں بہتر ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے یہ مصرع کہا گیا:

بدنام کنندۂ نکو نامے چند

سیاسی لوگوں اور سیاسی امور میں دلچسپی کا بھی یہی حال ہے۔ جب ملک وقوم کو کسی قسم کا خطرہ لاحق ہو تو میدانِ سیاست میں کھل کر آنا چاہیے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ برسرِ اقتدار آنے کا مقصد اپنا تحکم اور اپنی بالادستی قائم کرنا نہ ہو، بلکہ محض اللہ اور اس کے رسولؐ کے دین مبین کی خدمت کرنا ہو۔ ایسی صورت میں ہر عمل زمرۂ عبادت میں داخل ہو جاتا ہے۔ خداوندِ

کریم علما و مشائخ کو خصوصی طور پر اپنے حقیقی منصب کو حاصل کرنے اور اس کا وارث بننے کی توفیق دے کیونکہ جب انہیں اپنے صحیح منصب کا احساس ہو جائے گا، تو وہ ان تمام جھمیلوں سے آزاد ہو جائیں گے۔ پھر سلاطینِ وقت خود ان کے دروازے کا احرامِ حضوری باندھ کر آنے کو اپنے لیے باعث شرف و سعادت سمجھیں گے۔

بہر حال حکامِ وقت سے سلام دعا رکھنا کوئی امرِ قبیح نہیں۔ حضرت محی الدّین ابن عربیؒ اپنی شہرۂ آفاق تصنیف **فتوحات مکیہ** میں فرماتے ہیں کہ: حکّامِ وقت سے صرف اس نیت کے پیش نظر رابطہ آمد و رفت رکھتا ہوں کہ جو حاجت مند لوگ براہِ راست ان کے دروازوں کا طواف کرنے اور طرح طرح کی ذلتیں اٹھانے کے باوجود ان تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے اور انصاف سے محروم رہ جاتے ہیں، حکامِ وقت تک ان کی آواز پہنچا سکوں۔ ابن عربیؒ مزید لکھتے ہیں کہ: اس نیت سے حکّامِ وقت اور اربابِ اقتدار سے سلام و دعا اور رابطہ رکھنا بھی عبادت کی اقسام سے ہے، کیونکہ اس رابطے اور سلام و دعا سے مقصود صرف اور صرف خدمت خلق ہے، اپنا ذاتی مفاد اور جلب منفعت نہیں۔ خدمت خلق کا جذبہ بڑی چیز ہے، مگر اس وقت تک کہ جب یہ مثبت اور صحیح خطوط پر مبنی ہو۔ اس کی تفصیل اسی کتاب میں خدمت خلق کے عنوان میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

مغربی تعلیم اور انگریزی تہذیب نے اُمتِ مسلمہ کا تشخص برباد کر دیا ہے انگریزی کی معمولی سی شُد بُد نے عربی اور فارسی کی قدر و منزلت ختم کر دی۔ حالانکہ یہ زبانیں اسلامی علوم و فنون اور تہذیب و ثقافت کی امین ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کی زبان سیکھنے میں اتنا فخر محسوس نہیں کیا جاتا جتنا اسلام دشمن انگریز کی زبان بولنے اور سیکھنے میں ایک ذلّت آگیں قسم کا فخر ظاہر کیا جاتا ہے۔

صرف زبان سیکھنے کی حد تک کسی بھی زبان کا سیکھنا کوئی گناہ نہیں۔ چنانچہ احادیث میں اس بات کے ثبوت کا جواز موجود ہے، آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ اور دیگر اجلۂ صحابہ کو یہودیوں کی زبان سیکھنے کا حکم فرمایا۔ کیونکہ تجارت اور دوسرے معاملات میں ان سے سابقہ پڑتا تھا۔ مگر اس زبان کے ساتھ اس کی تہذیب اور اس قوم کی ثقافت کو اپنا لینا کسی طرح جائز

نہیں۔ اورتو اورسلام ہی کو لے لیجیے، دینی تعلیمات اورحضورصلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اورتعامل صحابہ اورتابعین کے مطابق السّلام علیکم کہنا چاہیے۔مگرآپ نے دیکھا کہ آج کل کے مغربی تعلیم یافتہ جہلا اپنی ذہنی آوارگی اورفکری بدلگامی اور بے راہ روی کا اظہار السلام علیکم کہنے کے بجائے ''ہائے ہائے'' اور''ٹاٹا'' کہہ کرکرتے ہیں۔کیا ایسے پست ذہنوں اورانگریز پرست افراد کو غلامانِ مصطفیٰ کی صف میں شاملِ تصور کیا جاسکتا ہے؟ اس ''ٹاٹا'' اور'بائے بائے'' اوردیگرافعال واعمال کے متعلق جن کا تشبہ کفار کے افعال واعمال سے ہو، حدیث سید الاوّلین والآخرینؐ ملاحظہ فرمائیں۔حضرت عمرو بن شعیب اپنے والداوروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس منامن تشبہ بغیرنا۔لا تشبھوابالیھودولا النصارٰی ۔ فان تسلیم الیھود الاشارۃ بالا صابع و تسلیم النصارٰی الاشارۃ بالاکف۔ ترجمہ:حضورؐ نے فرمایا: کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے غیر کے ساتھ مشابہت کرتا ہے۔یہود اور نصارٰی (انگریز) ہتھیلیوں کے اشاروں سے سلام کرتے ہیں۔(یعنی دور سے اشارے کے ساتھ ہاتھ ہلا کر بائے بائے اورٹاٹا کرتے ہیں)

اکثر لکھے پڑھے لوگ بھی یہ خیال کرتے ہیں کہ اگرکوئی جاننے والا سامنے آئے اوردورہوتو ہاتھ اٹھا کر ہلا دینے سے سلام کا اخلاقی فریضہ ادا ہوجاتا ہے،شعوری یالاشعوری طورپر ہم سب اسی پر عمل کرلیتے ہیں۔عرفِ عام اوررسم وعادت کی حدتک تو شاید اسے دائرۂ اسلام میں شامل کرلیں مگر اسلامی نقطہ نظر کے مطابق یہ عمل سنت نبویہ علی صاحبھا السلام کے منافی ہےاوراسے سلام کی ادائیگی قرارنہیں دیا جاسکتا۔کیونکہ سلام کے لیےاشارات نہیں آواز کا پہنچانا ضروری ہے۔اور جہاں آواز نہ پہنچ سکے وہاں خواہ مخواہ دست جنبانی کوئی ضروری امر نہیں،ایسے موقع پرخاموشی سے گزرجانا چاہیے۔ چنانچہ ایک اورحدیث میں ارشادہوا: اذالقی احدکم اخاہ فلیسلم علیہ فان حالت بینھما شجرہ او جدار او حجرثم لقیہ فلیسلم علیہ آپؐ نے فرمایا:جب تم سے ایک اپنے بھائی کو ملےتو اسے سلام کہےاوراگردونوں کے درمیان کوئی درخت، دیوار یا پتھر حائل ہوجائے

تو اس حائل شدہ فاصلے کو عبور کر کے جب اسے ملے، سلام کہے۔ اس حدیث مبارک پر غور کرنے سے
جو چند نکات سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: جب کوئی چیز دو آدمیوں کے درمیان حائل
ہو جائے تو اس سے گزر کر سلام کہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ وہاں اشاروں سے سلام کہہ لیں۔ اگر یہ سوال
کیا جائے کہ جب کوئی چیز حائل ہو جائے تو ایک دوسرے کو دیکھا ہی نہیں جا سکتا۔ اس لیے ایسے میں
اشارہ اور آواز دینا دونوں بے سود ہیں۔ یہ عقلی اور منطقی موشگافیاں تو چلتی ہی رہتی ہیں، آنحضرت صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقصد یہ ہے کہ جب حائل چیز ہٹ جائے اور آواز سنی سنائی جا سکے تو اس وقت
سلام کہے ورنہ بعض چیزیں حائلِ سماعت تو ہوتی ہیں مگر حائلِ نگاہ نہیں ہوتیں مثلاً شیشے کی دیوار یا وہ
مقامات جہاں شیشہ کثرت سے استعمال کیا گیا ہو، وہاں شیشہ حائلِ سماعت تو ہوگا مگر حائلِ نگاہ نہ ہو
گا۔ کیا ایسے میں ہاتھ ہلا کر سلام کر لینا درست قرار پائے گا؟ ہرگز نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا: کہ لفظ سلام کہے اور کہنے کے لیے متکلم اور سامع دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ بعض چیزیں
حائلِ نگاہ تو ہوتی ہیں مگر حائلِ سماعت نہیں ہوتیں۔ مثلاً: دیوار یا اس طرح کی اشیا وہاں سے نظر کچھ
نہیں آتا۔ اگر دوسری طرف والے آدمی کو آواز دی جائے تو سن کر جواب دے سکتا ہے، مگر چونکہ وہاں
نگاہ، نگاہ سے دو چار نہیں ہو سکتی اس لیے فرمایا گیا کہ ایسی چیز کو عبور کرتے وقت آواز نہ لگاؤ بلکہ جب
ایک دوسرے کے قریب آ جاؤ تو ایک دوسرے کو قریب سے دیکھ کر زبان سے سلام کے الفاظ منہ سے
نکالو۔ حائل کا لفظ ہر دو مقام کے لیے جہاں آواز اور نگاہ نہ پہنچنے کے معنوں میں آ سکتا ہے اور حائل
کے رفع کے معنی ایسی نزدیکی کے ہیں جہاں صورت و نگاہ بیک وقت کار فرما ہوں۔ لفظ سلام فارسی اور
اردو میں مختلف مواقع پر مختلف معانی کے اظہار کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس کی بے شمار مثالیں
موجود ہیں۔ مگر یہاں صرف میر تقی میرؔ کے اس شعر ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے، جو انہوں نے امام حسین
علیہ السلام کے ایک مرثیہ میں کہا تھا۔ اس شعر کی فصاحت و بلاغت سے اربابِ علم و فن اور صاحبانِ
ذوق ہی پوری طرح حظ اٹھا سکتے ہیں۔ وہ شعر یہ تھا:

شیخ پڑے محرابِ حرم میں پہروں دوگانہ پڑھتے رہیں
سجدہ ایک اس تیغ تلے کا ان سے ہو تو سلام کریں

سبحان اللہ! کیا شعر ہے۔خاص طور پر مصرعِ ثانی میں ''تیغ تلے'' کے ٹکڑے کا کوئی جواب ہوسکتا ہے؟ پھر ''سلام کریں'' کو جن معنٰی میں استعمال کیا گیا ہے وہ اہل معنٰی پر روشن ہے۔

دُعا ہے کہ ربُّ العزت مسلمانوں کو اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ پر مکمل طور پر خلوصِ نیّت کے ساتھ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

❁❁❁

(13)

جودوسخا

جود اگر در معرضِ احساں تغافل پیشہ نیست
می درد حاجت گریباں از لبِ سائل چرا

ترجمہ وتشریح:

شعر سے مأخوذ عنوانِ بالا کے دو الفاظ اردو فارسی میں عموماً مترادف استعمال ہوتے ہیں، حالانکہ یہ عربی زبان کے لفظ ہیں اور انہیں کلیۃً ہم معنی سمجھنا صحیح نہیں ہے۔اس لیے شعر کی تشریحی تفصیلات میں جانے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ کے معانی کے فرق و امتیاز کے سلسلے میں کسی قدر بحث کی جائے، جو اہل علم اور خصوصاً عربی کے ادبِ عالیہ کا ذوق رکھنے والے قارئین کرام کے لیے یقیناً دلچسپی کا موجب ہوگی۔

عربی لغت وادب کے امام ابو ہلال عسکری اپنی مشہور ومعتبر عربی تصنیف **الفروق اللغویہ** میں سخاوجود، جواد وواسع اور کرم وجود کا لغوی فرق بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

الفرق بین السخاءِ والجود ان السخاء هوان یلین الانسان عندالسّؤال و یسهل محصره للطّالب من قولهم سخوت النار سخوها سخواً اذا الینتها و سخوت الادیم لینته وارض سخاویة لّینةولهٰذا لا یقال الله تعالیٰ سخی۔ الجود کثرة العطاء من غیر سئوال من قولك جادت السماء اذا جادت

بمطر عزیر، والفرش الجواد الکثیر الاعطاء للجری والله تعالیٰ جواد لکثرة عطائہٖ فیکم تقتضیہ الحکمة فان قیل فلم لا یجوز علی الله تعالیٰ الصفة بسخی وجاز علیہ الصفة بکبیر واصل الکبیر کبر الجثة ای کبیر الشأن والسخیٰ مصرف من السخاوة کتصریف الحکیم من الحکمة وکل مصرف من اصلہ فمعناہ فیہ، و اما المنقول فلیس کذلك لانہ بمنزلة الاسم العلم فی انہ لایکون فیہ معنیٰ مانقل عنہ و انما یوافقہ فی اللفظ فقط، ویجوزان یکون اصل الجواد اعطاء الخیر ومنہ فرس جواد وشی جید کانہ یعطی الخیر لظهورہ فیہ واجاد فی امرہٖ اذا احکمہ لا عطاء الخیر الذی ظهر فیہ۔ (الفروق اللغویہ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، سن طباعت 1981ء)

ترجمہ: جود اور سخاوت کے درمیان یہ فرق ہے کہ سخاوت میں یہ معنی ملحوظ ہیں کہ (مالی) تعاون کی صورت میں جب سخی سے سوال کیا جائے تو وہ نرمی اختیار کرے اور فنی تعاون کی صورت میں اپنے تجربۂ فن کے حاجت مند کے لیے آسانی پیدا کرے۔ یہ عرب کے اس قول سے مأخوذ ہے کہ جب کہا جاتا ہے: میں نے آگ نرم کردی یا چمڑا نرم کیا اور یہ زمین سخاویہ یعنی نرم ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ کو سخی نہیں کہا جاتا اور جود کے معنی ہیں سوال کے بغیر عطائے کثیر کرنا۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ بادل نے جود کیا، یعنی بہت بارش برسائی اور جواد گھوڑا جو چلنے میں کثرت سے فائدہ مند ہو اور اللہ تعالیٰ بھی اپنی حکمت کے موافق بہت عطا والا ہے اور اگر یہ سوال ہو کہ اللہ تعالیٰ کو سخی تو نہیں کہہ سکتے، حالانکہ اسے کبیر کہا جاسکتا ہے، جب کہ اصل کے لحاظ سے بڑے جثہ والے کو کبیر کہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو کبیر کہا جاتا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کی شان کبیر اور بڑی ہے۔ سخی سخاوت سے مأخوذ اور مشتق ہے، جیسے حکیم حکمت سے ہے اور جو کلمہ کسی اصل سے ماخوذ ہو تو اصل کے معنی اس میں ملحوظ رہتے ہیں۔ لیکن جو کلمہ اس کی منقول ہو اس کی ہیئت جداگانہ ہے وہ اسمِ علَم کی طرح ہوتا ہے، کیونکہ اس میں منقول کا مفہوم نہیں ہوتا، فقط لفظی موافقت ہوتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جواد کی اصل خیر کا

عطا کرنا ہو اسی اعتبار سے کہتے ہیں کہ گھوڑا اجواد ہے اور فلاں چیز جیّد ہے گویا وہ خیر عطا کرتی ہے، کیونکہ خیر اس میں ظہور پذیر ہے اور جب کوئی شخص کسی کام کو عمدگی سے انجام دے تو کہتے ہیں کہ اجـاد فی امرہٖ بہ الفاظ دیگر جود دیگر بھلائی اس کام میں ظاہر ہوئی، کوئی فرد اس بھلائی کو عطا کرنے والا ہے۔

جواد اور واسع کے معنوی فرق کے تحت لکھتے ہیں: الـفـرق بیـن الـجـواد والـواسـع ان الـواسـح مبالغة فی الواصف بالجود والشاهد انه نقیض قـولهـم لـلبـخیـل ضیـق مبـالـغة فـی الوصف بالجود و هذا فی اوصاف الـخـلـق مـجـازًالانّ المراد ان عطاء ه کثیر، وقال بعضهم هو فی صفات الله تعالیٰ: بمعنی انه المحیط بالا شیاء علماء من قوله تعالیٰ: وسع کل شـیء عـلـما اوله وجه اخر فی اللغة و هو ان یکون ماخوذً امن الوسع و هـو قـدر مـا تسع له القوه و هو بمنزله الطاقة و هو نهایة مقدور القادر فلا یصح ذلك فی الله تعالیٰ ۔(الفروق اللغویه:142)

ترجمہ: جواد اور واسع کے درمیان یہ فرق ہے کہ واسع میں وصف جود کا مبالغہ اور کثرت ملحوظ ہے، کیونکہ بخیل ضیّق کو (تنگ) کہتے ہیں، جو واسع کی نقیض ہے وہ بخل کی صفت میں مبالغہ ہے اور واسع مخلوق کے اوصاف میں مجاز ہے، کیونکہ مراد یہ ہے کہ اس کی عطا کثیر ہے اور بعض کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس اعتبار سے واسع کہا جاتا ہے کہ وہ علم کے لحاظ سے تمام اشیا کو محیط ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی: وسع کل شی علما سے مفہوم ہوتا ہے اور لغوی اعتبار سے اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ واسع وسع سے ماخوذ ہو، جس کے معنی ہیں، جس قدر قوت کی گنجائش ہو اور یہ طاقت کی طرح ہوگا، جس کا مطلب صاحبِ قدرت کا مقدور بھی ہے۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ پر اس کا اطلاق درست نہ ہوگا۔

الـفـرق بیـن الـجـود و الندی ان الندی اسم الجواد الذی ینال الـقـریـب والـبـعـیـد فیبعد مذهبه مشبه بندی المطر لبعد مذهبه و فلا ن انـدٰی صـوتـا من فلا ن ای ابعد مذهبا و المندیات المخزیات، التی یبعد

بها الصوت احدها مندية وقال الخليل الندى له وجوه ندى الماء وندى الخير وندى الشم وندى الصوت قال الشاعر:

بعيد ندى التغريد از مع صوته
سجيل وادناه شحيح محشرج

وندى الخصر وندى الوجنة كل ذالك من بعد المذهب

جو اور ندی کے درمیان یہ فرق ہے کہ ندی اس جواد کا نام ہے جو قریب و بعید سب کے لیے جواد ہو اور اس کا جود دور تک چلا جائے، یہ اس قول کے مشابہ ہے کہ دور دور تک ہونے والی بارش کے متعلق ندی المطر کہا جاتا ہے یا کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں سے بلند آواز ہے کہ اس کی آواز دور تک جاتی ہے اور مندیات ان شرم ناک باتوں کو کہا جاتا ہے، جن کی شہرت دور تک پھیل جاتی ہے۔ مندیہ واحد ہے، خلیل کہتے ہیں کہ ندی کے مختلف وجوہ آئے ہیں۔ پانی کی عمدگی، خیر و برکت کی عمدگی، قوت شامہ کی عمدگی اور آواز کی عمدگی۔ شاعر نے کہا ہے: وہ گانے کی سُر کی عمدگی سے دور اور بے لذت ہے، اس کی آواز تند ہے اور کم سے کم عیب یہ کہ سخت حریص و بخیل ہے اور ایسا جس طرح مرنے کے وقت غرغرہ میں مبتلا کی کیفیت ہوتی ہے کوکھ اور پہلو کی عمدگی، ان سب میں کسی امر کی دوری کا مفہوم ملحوظ ہے (فائدہ یا شہرت کے لحاظ سے)۔

کرم اور جود کے معنوی فرق کے تحت لکھتے ہیں۔

الفرق بين الكرم والجود ان الجود هوالذى ذكرناه، والكرم يتصرف على وجوه فيقال لله تعالىٰ كريم ومعناه انه عزيز وهو من صفات ذاته و منه قوله تعالىٰ ماغرك بربك الكريم اى العزيز الذى لايغلب ويكون بمعنى الجواد الفضال فيكون من صفات فعله و يقال رزق كريم اذالم يكن فيه امتهان اى كرم صاحبه و الكريم الحسن فى قوله تعالىٰ: من كل زوج كريم۔ و مثله وقل لهما قولا كريما۔ اى حسنا والكريم بمعنى المفضل فى قوله تعالىٰ ان اكرمكم عند الله اتقاكم ۔ اى

افضلکم و منه قوله تعالیٰ: ولقد کرمنا بنی ادم۔ ای فضلنا هم۔ والکریم ایضاً السیدفی قوله صلی الله علیه وسلم: اذا اتاکم کریم قوم فاکرموه، ای سید قوم ویجوزان یقال الکرم هواعطاء الشئ عن طیب نفس قلیلاً کان او کثیراً، والجود سعة العطاء ومنه سمی المطر العزیز الواسع جودًا سواء کان عن طیب نفس اوُ لَا، ویجوزان یقال الکرم هواعطاء من یرید اکرامه واعزازه، والجود قد یکون کذلك و قد لایکون۔ (الفروق اللغویہ:143)

ترجمہ: کرم اور جود کے درمیان یہ فرق ہے کہ جود کا تو پہلے ذکر ہو چکا ہے اور کرم مختلف وجوہ پر استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کریم معنٰی عزیز کہا جاتا ہے، جو اس کی صفاتِ ذات سے ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ماغرك بربك الکریم تجھے اپنے عزیز و غالب پروردگار کے متعلق کس چیز نے دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ عزیز وہ ہے جو مغلوب نہ ہو سکے اور کریم بمعنی جواد اور صاحب فضل کثیر بھی ہوتا ہے، اس اعتبار سے صفات فعل سے ہوگا اور رزق کریم بھی کہا جاتا ہے، جب اس رزق میں صاحبِ رزق کے لیے پستی وتحقیر کا پہلو نہ ہو، اس اعتبار سے وہ صاحبِ رزق کریم ہوا۔ کریم معنٰی حسن اور عمدگی بھی ہوتا ہے، ارشادِ الٰہی ہے: من کل زوج کریم اور ایسے ہی ہے وقل لهما قولا کریما دونوں آیات میں کریم کے معنی حسن اور عمدگی کے ہیں۔ پہلی آیت میں عمدہ جوڑا اور دوسری میں عمدہ بات مراد ہوگی۔ کریم بمعنی صاحبِ فضیلت بھی ہے۔ جیسے ارشادِ باری ہے: ان اکرمك عند الله اتقکم تم میں سے زیادہ فضیلت والا وہ ہے جو زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: ولقد کرمنا بنی ادم ہم نے اولادِ آدم کو فضیلت دی۔ کریم معنٰی سیّد بھی ہے۔ حدیث میں آیا ہے: جب تمہارے پاس قوم کا کریم (یعنی سیّد، اور بڑا آدمی) آئے تو اس کی عزت کرو اور یہ بھی جائز ہے کرم کے معنی طِیبِ خاطر سے شے دینا مراد ہو، جو تھوڑی ہو یا بہت، اور جود وسعتِ عطا کو بھی کہتے ہیں (اسی لیے بہت وسیع بارش کو جود کہتے ہیں) بہ ایں معنٰی طِیبِ خاطر سے ہو یا نہ ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ کرم اس عطا اور بخشش کو کہا

جائے، جس میں اُس شخص کا اکرام مراد ہو، جس پر بخشش کی گئی ہو اور جود کبھی اس معنی میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔

چونکہ اردو اور فارسی میں یہ الفاظ تقریباً ہم معنیٰ مستعمل ہیں۔ جیسے جود وسخا، جود وکرم۔ چونکہ اصل میں یہ عربی زبان کے لفظ ہیں، اس لیے عربی لغت وادب کے مشہور امام ابو ہلال عسکری کے بیان کردہ فرق کو عربی متن اور ترجمہ کے ساتھ لکھ دیا گیا ہے تاکہ قارئین کرام کو ان کے لغوی فرق سمجھنے میں آسانی ہو۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، یہ الفاظ اردو اور فارسی میں لغوی فرق کے ساتھ استعمال نہیں کیے جاتے، بلکہ مترادف صورت میں بولے اور لکھے جاتے ہیں۔ اردو اور فارسی ادب میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ مگر ان الفاظ کا حقیقی فرق جو بہ اعتبار لغت موجود ہے اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ قاعدہ ہے کہ جو لفظ جس زبان کا ہو اور جن مواقع ومعانی میں استعمال ہو، سیاق وسباقِ عبارت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے اسی پس منظر میں سمجھنا چاہیے۔ جب وہی الفاظ دوسری زبانوں میں دوسرے معانی میں استعمال ہوتے ہیں تو عوام ان الفاظ کا مفہوم وہی مراد لیتے ہیں، جو ان کی زبان میں رائج ہوتا ہے، حالانکہ وہ الفاظ جس زبان کے ہوتے ہیں، ان کا ان کی اپنی زبان میں مفہوم کچھ اور ہوتا ہے اور یہیں سے اختلافات کی ابتدا ہوتی ہے اور پھر کافر وزندیق کہنے تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ جیسا کہ آج کل ہر بات میں لفظِ شرک کو بہ کثرت استعمال کیا جاتا ہے۔ ایسا نہ کرو، کیونکہ یہ بھی شرک ہے، ایسا کرنا شرک ہے، یہ شرک ہے، وہ شرک ہے۔ شرک وبدعت کے الفاظ نے خاص طور پر موجودہ دور میں اسی لیے غوغا آرائی کر رکھی ہے اور ہر کس وناکس معمولی سے معمولی باتوں پر شرک وبدعت کے فتوے ٹھونس رہا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ایسے عالم نما جُہّال کو ان الفاظ کا حقیقی مفہوم معلوم نہیں۔ مدّعیانِ توحید کو تو ان الفاظ کے استعمال کا چسکا پڑا ہوا ہے۔ شرک وبدعت کی تشریح کسی اور مناسب مقام پر کر دی جائے گی۔ فی الحال زیرِ بحث عنوان کے الفاظ کا لغوی فرق ذہن میں رکھا جائے، یہاں لغوی فرق کو سامنے رکھتے ہوئے تشریح نہیں کی گئی، کیونکہ فارسی واردو میں یہ لفظ بطورِ مترادف ہی مستعمل ہے۔ علم میں اضافے کی خاطر ان کا اپنی زبان میں لغوی فرق بیان کیا گیا ہے تاکہ لسانی موشگافیوں کی ضرورت کے وقت ان کا لغوی فرق ذہن میں ہو اور سائل کو مطمئن کیا جا سکے۔

مجھے احساس ہے کہ عربی جیسی فصیح و بلیغ زبان کی معنوی باریکیوں، لطافتوں اور لفظی نزاکتوں کی خالص علمی بحث مفہومِ شعر کے ادراک میں حائل ہوگئی اور قاری کو کچھ دیر کے لیے زحمت انتظار اٹھانا پڑی، اب شعر کے ترجمہ وتشریح کی طرف آتے ہیں۔

شعر کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ اگر سخاوت احسان کے میدان میں تغافل شعاری سے کام نہ لیتی تو پھر ضرورت مندی وحاجت سائل (مانگنے والے) کے سلے ہوئے لبوں کے بخیے ادھیڑنے پر کیوں مجبور ہو جایا کرتی ہے؟ مطلب یہ کہ جودوسخا صفاتِ انسانی میں ایک عالی مرتبہ صفت ہے اور اربابِ عزم و ہمت کا طرّہٗ امتیاز بھی۔ دوسری جبلی صفات کی طرح یہ بھی وہبی و عطائی ہے، مشق و اکتساب سے اس کا حصول ممکن نہیں۔ بیدلؔ کے نزدیک جودوعطا کی تعریف یہ ہے کہ اظہارِ حاجت کے لیے سائل کے لب کھلنے سے پہلے ہی زبان حال کا اشارہ سمجھ کر اسے اس کی ضرورت سے بے نیاز کر دیا جائے، جب ایسا نہ ہوتو شاعر کے نزدیک صاحبِ جود احسان کرنے میں تغافل سے کام لے رہا ہے اور اس کی صفت جود اپنے فرائضِ منصبی کے فطری تقاضوں کی بھرپور ادائیگی میں کوتاہی برت رہی ہے۔ اسی مضمون کو عارفِ رومیؒ نے کس حسن سے بیان فرمایا:

جود محتاجِ گدایاں چوں گدا
بانگ می آید کہ اے طالب بیا

کہ گدا اگر اہل جودوسخا کے محتاج ہیں تو اہل جود بھی سائلوں کی طرح منگتوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ اسی لیے تو اربابِ جودوعطا کے دروازوں سے بیا، بیا، آ، آ کی صدائیں آتی رہتی ہیں اگر ضرورت مند اہل سخا سے نہ مانگیں تو انہیں سائل کون کہے؟ اور انہیں سخی کون؟ لہٰذا یہ دونوں ایک دوسرے کے محتاج ہیں:

عشق بر حسن منتے دارد
دل من بردہ دلبرم شدہ ای

گویا اہل سخا کی سخاوت کا بھرم سوال کرنے والوں کی جنبشِ لب اور عرضِ مدعا سے قائم ہے اگر کچھ دیر دنیا بھر کے محتاج اور حاجت مندسوزن قناعت وحمیت سے اپنے لب ہائے سوال کو سی لیں تو

یہ ایک بہت بڑا سانحہ ہوگا، اور دنیائے جودوسخا میں کہرام مچ جائے گا اور اہل سخا اپنا سر پیٹ کر رہ جائیں گے، یہ تو اربابِ احتیاج کی طرف سے ان کی عزت افزائی ہے کہ وہ خود اظہارِ حاجت کا زہریلا گھونٹ پی کر اپنی انا اور عزت نفس کا گلا گھونٹ کر، خود کو زمانے کی نظروں سے گرا کر اہل ثروت اور اربابِ سخا کے سروں پر نیک نامیوں، سعادتوں اور شہرتوں کے تاج سجاتے ہیں۔

سخاوت کے لیے مال و دولت کی کثرت اور فراوانی شرط نہیں۔ جیسا کہ سطورِ بالا میں بیان کیا گیا، سخاوت اور دریادلی خداوندِ عالم کا ایک مخصوص عطیہ ہے، جو بعض خوش نصیب انسانوں کو دیا جاتا ہے اور یہ صفتِ عالیہ ان کے خمیر میں ڈال دی جاتی ہے۔ حقیقی اور مصنوعی سخاوت دو الگ صفات ہیں۔ حقیقی اور فطری سخی تو وہ ہوتے ہیں جو اپنے مالی وسائل کے محدود ہونے کے باوجود بھی ایثار و احسان سے کام لیتے ہیں اور حاجت مندوں کی ضرورتوں کو نگاہِ خلق سے چھپ چھپا کر محض رضائے الٰہی کی خاطر پورا کرتے ہیں ایسے نفوسِ قدسیہ کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہوتی ہے۔ مصنوعی سخی وہ ہوتے ہیں جو طبعاً تو ''چمڑی جائے دمڑی نہ جائے'' کے قائل ہوتے ہیں، مگر موقع و محل کی نزاکت سے مجبور ہو کر محض خودنمائی یا کسی مطلب برآری کے لیے کچھ نہ کچھ خرچ کر ڈالتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو سخی کہنا لفظِ سخی کی توہین ہے، بلکہ یہ تو انسانی معاشرے کا ناسور ہیں، اس لیے ایسے ریاکار حاتم طائیوں سے جو لوگ امید کرم رکھتے ہیں اور پھر ان سے لے بھی لیتے ہیں اہل غیرت کے نزدیک ان کی سزا موت نہیں بلکہ وہی حیاتِ بے حمیت ہے، جس سے وہ دوچار ہیں۔

قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر انفاق فی سبیل اللہ کی تاکید اور اس کے اجر و ثواب کا تذکرہ ملتا ہے اسی طرح احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ میں بھی اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے خرچ کرنے والے مومنین کے اعلیٰ مراتب و مدارج کی بشارتیں موجود ہیں۔ قرآنی تعلیمات کے مطابق اہل ثروت کے مال میں نادار حاجت مندوں کا حصہ ہے، جو بلا تأمّل خوشدلی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ اس لیے رب العزت نے اسے قرضِ حسنہ سے تعبیر فرمایا۔ سخاوت کرنے والے یہ نہ سمجھیں کہ ان کے مال میں کمی ہو جائے گی، بلکہ اللہ تعالیٰ اسے کئی گنا بڑھا دیتا ہے۔ ارشادِ باری ہے: من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضعفہ

لــه و لــه اجر کریم ترجمہ: کون ہے جو (اپنا مال) اللہ تعالیٰ کو بطورِ قرضِ حسن دے اور اللہ تعالیٰ بڑھا دے اس کے مال کو اس کے لیے (اس کے علاوہ) اسے شاندار اجر بھی ملے گا۔
حضرت بیدلؒ نے ان حقائق کو اپنے ایک شعر میں اس طرح بیان فرمایا:

وعدۂ احساں بہ معنیٰ از گدائی نیست کم
بر کرم ظلم است اگر خواہد ز سائل انتظار

احسان کا وعدہ کرنا دوسرے لفظوں میں گداگری سے کم نہیں۔ اگر کوئی شخص سائل سے انتظار کا خواہاں ہے تو وہ درحقیقت جود و کرم کے ساتھ ظلم کر رہا ہے۔ لہٰذا جو لوگ نمائشی، مصنوعی اور مصلحت اندیش قسم کے سخی نہیں ہوتے، بلکہ حقیقی کریم اور سخی ہوتے ہیں وہ کسی سائل سے احسان کا وعدہ نہیں کیا کرتے بلکہ اسے جو کچھ دینا ہوتا ہے بلا تأمل دے دیتے ہیں اور جو لوگ وعدۂ احسان کر کے حاجت مند کو زحمتِ انتظار اٹھانے پر مجبور کرتے ہیں، وہ ایک طرف تو اس ارشادِ ربانی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے روایاتِ جود و کرم اور ان کے حقیقی تقاضوں کو بری طرح مجروح کر رہے ہوتے ہیں کہ یـاایها الذین امنوا لا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی ترجمہ: اے ایمان والو! مت ضائع کرو اپنے صدقوں کو احسان جتلا کر اور دکھ پہنچا کر۔ تو دوسری طرف وعدۂ احسان کے بدلے میں سائل سے انتظار کی بھیک مانگ رہے ہوتے ہیں۔ گویا ان کا سائل سے انتظار کی خواہش کرنا ایک قسم کا سوال اور گداگری ہوگا، یعنی اگر ایک شخص احسان کے بجائے وعدۂ احسان کر رہا ہے تو جواباً سائل بھی تو انتظار کے عمل سے جوابی احسان کر رہا ہے۔ ایسا کرنا مزاج عطا کے منافی اور شانِ کریمی کے خلاف ہے، بلکہ جنہیں کچھ دینا ہوتا ہے وہ سائل کو زحمتِ انتظار سے دو چار کیے بغیر فرمانِ الٰہی پر سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اسے جلد فارغ کر دیتے ہیں۔ ارشاد ہوا: و فی اموالهم حق للسائل والمحروم ترجمہ: اور ان کے اموال میں حق ہے سائل اور محروم کے لیے۔ حضرت بیدلؒ کے مطابق حقیقی اربابِ جود کا مزاجِ عطا کچھ یوں ہوتا ہے:

اے خوش آں جود کہ از خجلت وضعِ سائل
لب بہ اظہار نیارند و بہ ایما بخشند

ان اربابِ جود وعطا کے اس اندازِ کرم پر قربان جایئے کہ ہنگامِ سوال سائل کی وضعِ شرمندگی کو محسوس کرتے ہوئے اسے مزید شرمندہ ہونے سے بچانے کی خاطر اظہارِ نوازش کے لیے لب تک بھی نہیں ہلانے دیتے، بلکہ ایمائے سوال ہی سے اسے غنی کردیا کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ مانگنے والے کی شرمندگی کا اشارہ پاکر ہی اس کی احتیاج وضرورت کو بھانپ جاتے ہیں۔ چونکہ سائل خاموش ہے، سوال کرنے سے پہلے اس کی جبیں پر عرقِ خجالت نمودار ہوا اور کریم نے اس اشارے کو سمجھ لیا۔ نہ سائل کو جنبش لب کی زحمت وخفت اٹھانا پڑی اور نہ کریم کو اظہارِ کرم کی سبکی۔

یہ آج کل کے پیشہ ور سائلوں کی بات نہیں اور نہ ہی وہ لوگ اربابِ کرم کے زمرے میں آتے ہیں، جو نیک نامی وستائش یا ماحول کی خفت وزبان درازی سے بچنے کے لیے دادودہش کرتے ہیں، بلکہ یہاں جن اربابِ حاجت اور جن اہل جود وعطا کا ذکر ہو رہا ہے، ان کا تعلق دنیائے روحانیت سے ہے۔ البتہ ضمناً دنیا کے حاجت مندوں اور مخیّر حضرات کے اچھے سلوک کو بھی اس میں کسی حد تک شامل کیا جاسکتا ہے۔ اسی مضمون کو بیدلؔ نے ایک اور شعر میں اسی طرح بیان کیا ہے:

چہ شد زبانِ تمنا خموش آہنگ است
نگاہ نامۂ سائل بس است سوئے کریم

اگر تمنا اور حاجت مندی کی زبان آہنگِ خاموشی اختیار کیے ہوئے ہے۔ تو کیا ہوا، سائل کا کریم کی طرف نگاہ کا پیام ہی کافی ہے یہاں سائل کی نگاہ کو پیام سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس میں حسن یہ ہے کہ گویا سائل نے کریم کو صرف دیکھا نہیں، بلکہ اس کی التفاتِ نگاہ کے نام ایک خط بھیجا ہے، ظاہر ہے اربابِ مروت کسی کے خط کا جواب دینے کی کوشش ضرور کرتے ہیں۔

بعض اردو اشعار میں اسی قسم کے نادر افکار پائے جاتے ہیں، لیکن ان میں سے اکثر وبیشتر یا تو بیدلؔ جیسے دیگر اساتذۂ فارسی کے اشعار کا ترجمہ ہوتے ہیں یا تلخیص کی دوسری شکل۔ چونکہ لوگوں میں فارسی ادب کے مطالعہ کی استعداد اور تعلیم کم ہورہی ہے، اس لیے وہ اردو کا شعر سن کر فوراً پھڑک جاتے ہیں اور شاعر کی فکری رفعتوں اور عظمتوں کو سراہنے لگتے ہیں۔

آج کل خاص طور پر جب مخیّر حضرات کسی حاجت مند پر اپنی شانِ کریمی کا اظہار

کرتے ہیں تو اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ سے اس کی تشہیر کے سلسلے میں بڑے پریشان نظر آتے ہیں۔ چنانچہ آئے دن اخبارات میں دینے لینے والوں کی تصویریں دیکھی جاسکتی ہیں۔ یہ حقیقی کرم نہیں، بلکہ محض نمائشی ہے۔ لینے والوں کو تو سوال کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے، مگر آج کل وہ آدابِ سوال کہاں؟ بیدلؔ کے نزدیک سائل کے ماتھے پر بوجہ سوال عرقِ انفعال آ گیا تو کوئی بڑی بات نہیں اس کا حال تو عزتِ نفس کے ماتم پر ایسا ہونا ہی چاہیے تھا۔ بشرطیکہ اس میں کچھ بھی رمق حمیّت موجود ہو، مگر بیدلؔ تو کہتے ہیں کہ حقیقی کریم کچھ دے کر سائل سے بھی زیادہ شرمندگی محسوس کرتے ہیں مثلاً: وہ اپنے ایک شعر میں اس نفسیاتی کیفیت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

بہ عالمِ کرم آدابِ جود بسیار است
وضو کن از عرق آنگاہ نامِ احسان گیر

دنیائے جود و عطا کے بہت سے آداب ہیں، پہلے پسینے سے وضو کر اور پھر احسان کا نام لے۔

مقصد یہ کہ جہاں کریم الطبع اور دریا دل لوگ حاجت مندوں کے دامنوں کو اپنے احسان و کرم کے موتیوں سے بھرتے ہیں، وہاں کمالِ شرافت و نجابت اور حیا آ گیں فطرت کی وجہ سے ان کے ماتھے پر پسینے کے قطرات نمودار ہوتے ہیں۔ گویا پہلے وہ پسینے سے وضو کرتے ہیں اور پھر کسی پر احسان کرتے ہیں۔ کیونکہ ایک حدیث شریف میں ہے: الید العلیا خیر من الید السفلی دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے۔ یعنی ایسے شریف النفس اور کریم الطبع افراد کو جو صفت جود و عطا کی انتہائی بلندیوں پر فائز ہوتے ہیں، یہ شرم دامن گیر رہتی ہے کہ قبولِ عطا کے وقت لینے والے کے دل پر خفتِ حاجت و سوال کی وجہ سے کیا قیامت گزر رہی ہوگی اور سُبکی و استخفاف کی کن کیفیات حمیت سوز سے دوچار ہوگا۔ یہ محسوس کر کے انہیں دریائے کرم بہاتے وقت بجائے ناز و افتخار کے ایک گونہ شرمندگی لاحق رہتی ہے، اس مقام کو نقطۂ کرم کا عروج کہا جاتا ہے گویا:

خود بھیک دیں اور خود کہیں سائل کا بھلا ہو

ان ہی صفات کے حامل مومنین کے لیے ہی تو اجر عظیم کی بشارت دی گئی۔ ارشاد ہوا: فالذین امنوا منکم وانفقوا لھم اجر کبیر ترجمہ: پس جو لوگ ایمان لائے تم میں سے اور (راہِ

خدا میں) خرچ کرتے رہے ان کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔

حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سبطِ اکبر جناب حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق مستند روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک سائل آپ کے پاس اس وقت آیا، جب آپ کے پاس پانچ ہزار درہم کی خطیر رقم موجود تھی جو کچھ ہی دیر پہلے اموی خزانے سے بطورِ وظیفہ آپ کی خدمت میں پہنچی تھی۔ گھریلو ضروریات اور دیگر اخراجات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے آپ نے وہ تھیلی اس حاجت مند کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا: میرے بھائی! مجھے افسوس ہے کہ اس وقت میرے پاس یہی کچھ موجود ہے اور میں اپنے ذوق کے مطابق تمہاری خدمت نہ کر سکا۔ سائل یہ سن کر ورطۂ حیرت میں پڑ گیا کہ عجیب انسان ہے جو اتنا کچھ دینے کے بعد بھی زیادہ دینے کی آرزو رکھتا اور کم ہونے کی معذرت کرتا ہے، یہ ہے جود وسخا کی معراج، مگر وہ ایسا کیوں نہ کرتے آخر وہ نواسے کس ذاتِ کریم کے تھے۔ ان کے نانا فرماتے ہیں اللہ یعطی وانا قاسم اللہ تعالیٰ دینے والا اور میں تقسیم کرنے والا ہوں اور پھر جو ابوالقاسم بھی ہو، اس کی عطا کا کیا ٹھکانہ، صاحبِ قصیدہ بُردہ علّامہ بوصیری قدس سرہ فرماتے ہیں:

فان من جودك الدنيا و ضرتها

و من علومك علم اللوح و القلم

ترجمہ: یقیناً دنیا اور آخرت آپ کی عطا کا ایک حصہ ہیں اور لوح وقلم کا علم آپ کے علومِ مبارکہ سے متفرع ہے۔

حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ مقدسہ آپ کی اولاد میں بدرجۂ اتم پائی جاتی رہیں اور تا قیامت رہیں گی، اس لیے کہ وہ اس خرچ کے فوائد و مآل سے بخوبی آگاہ ہوتے ہیں۔ وانفقوا مما رزقنهم سرا و علانية يرجون تجارة لن تبور ترجمہ: اور خرچ کرتے ہیں اس مال سے جو ہم نے ان کو دیا ہے، رازداری سے اور اعلانیہ طور پر۔ وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو ہرگز نقصان والی نہیں۔ خالقِ کائنات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا کریم کوئی نہیں اور آپ کے بعد آپ کی آلِ پاک سے بڑھ کر کوئی صاحبِ جود وعطا نہیں ہوسکتا۔ اہل کرم

اربابِ حاجت کی ضرورت کی کھوج بھی اپنے طور پر لگاتے ہیں اور یہ بھی شانِ عطا ہے۔ بیدلؔ اس سلسلے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

وضعِ آسائش رواجِ عالم ہشیار نیست
پنجۂ اہل کرم خفتہ است کم در آستیں

بیداری و ہشیاری کی دنیا سے تعلق رکھنے والوں کے ہاں آرام و آرائش کے طور طریقوں کا رواج نہیں پایا جاتا۔ اسی لیے حقیقی اہل کرم کا پنجہ کبھی آستیں میں نہیں سویا کرتا۔ گویا بیدلؔ کے نزدیک پنجے کا آستین کی طرف کھنچ جانا یا پوشیدہ ہونا علامتِ بخل ہے۔ اور اس کا آستین میں سر نہ چھپانا علامت فیاضی۔ اس شعر میں اہل عطا کو عالمِ ہشیاری و بیداری کا باسی قرار دیا گیا ہے۔ جب کہ بخیل طبع لوگوں کو غفلت اور نیند کی دنیا سے تعلق رکھنے والا ثابت کیا گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جب انسان دینے سے ہاتھ روکنا چاہتا ہے تو ہاتھ کو آستین کی جانب چھپانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ سائل سمجھ جائے کہ عطا کنندہ اب مائل بہ عطا نہیں ہے۔ البتہ جو لوگ دریا دل اور حقیقی صاحبِ عطا ہوتے ہیں، ان کے ہاتھ کا پنجہ کبھی عطا سے ہچکچاہٹ محسوس کر کے آستین میں گھسنے کی کوشش نہیں کرتا۔ آستین میں وہ پنجہ چھپاتا ہے جو سائل سے کچھ بچانا چاہتا ہو اور یہ بخیلوں کا کام ہے کریم کا پنجہ اس لیے آستین میں نہیں جاتا کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اسے ضرورت مندوں تک پہنچانا چاہتا ہے۔ ایسا پنجہ جب بھرا ہو تو بھی سائل کے سامنے ہی رہتا ہے اور جب خالی ہو جائے تو بھی سائل اسے دیکھ سکتا ہے۔

بہر حال مقصد یہ ہے کہ مصنوعی اور نمائشی سخی بننا کچھ اور بات ہے اور طبعی و حقیقی اربابِ سخا کا مقام کچھ اور ہے، یہ ہر آدمی کے بس کا روگ نہیں۔ بقولِ استاد جلیلؔ مانکپوری:

جلیلؔ آساں نہیں آباد کرنا گھر محبت کا
یہ اُن کا کام ہے، جو زندگی برباد کرتے ہیں

حضرت بیدلؔ نے حقیقی اربابِ کرم کی صفات اور ہنگام کرم ان کے قلبی گداز اور ان کی نفسیاتی کیفیات کے تذکرے مختلف انداز میں کیے ہیں۔ مندرجہ ذیل رباعی میں ایک نہایت ہی لطیف بات کہی ہے فرماتے ہیں:

شخصِ کرم از بسکہ حیا کیش تر است
زِ اندیشۂ آبِ رخِ درویش تر است
رسوائی احتیاجِ کس نتواں دید
آں را کہ حیا بیش سخا بیش تر است

یعنی صاحبِ کرم انسان اس قدر شرم وحیا والا ہوتا ہے کہ اس کا وجود سائل (درویش) کے عرقِ ندامت کے فکر سے تر رہتا ہے اور اس سے کسی انسان کی احتیاج کی رسوائی نہیں دیکھی جا سکتی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ جس میں جس قدر شرم وحیا کا عنصر زیادہ پایا جائے وہ اسی قدر سخاوت کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہوتا ہے۔ عام طور پر لوگ کچھ دیتے ہوئے گردن اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھتے ہیں اور احساسِ برتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں، مگر حقیقی سخی دے کر الٹا شرم محسوس کرتے ہیں اور عجز و نیاز کی تصویر بنتے چلے جاتے ہیں۔ گویا:

جھکتے ہیں سخی وقتِ کرم اور زیادہ

اسی مضمون کو میں نے فارسی کی ایک رباعی میں یوں پیش کرنے کی کوشش کی ہے:

آں جا کہ ظہورِ جود بر ہر قدم است
شرمِ قدرت مذاقِ اہل ہمم است
از پردۂ ابر قطرہ ہا می ریزد
اندازِ حیا مظہرِ شانِ کرم است

جو لوگ قدم قدم پر سخاوت کرنے کے عادی ہوتے ہیں ایسے باہمت افراد اپنی قدرت و استطاعت سے شرم بھی محسوس کرتے ہیں۔ بارش کے قطرے بادل کے حجاب سے گرتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اندازِ حیا کرم کی شان کو ظاہر کرتا ہے میں نے اس رباعی میں یہ کہنے کی کوشش کی ہے کہ حقیقی اہل کرم جو کچھ کسی مستحق کو دیتے ہیں، وہ در پردہ دیتے ہیں۔ جس طرح بارانِ رحمت کو بادلوں کے حجاب میں چھپا کر برسایا جاتا ہے اس سے یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ اہل کرم اگر چھپ کر دیں تو یہ عمل ان کے سامنے آ کر دینے کی نسبت زیادہ موثر اور عظیم ہوگا۔ پردۂ ابر کے پیچھے جو ذات کریم

مصروفِ نوازش ہوتی ہے، اسے سب جانتے ہیں کہ یہ فیض کے دریا کون بہا رہا ہے، مگر ذات کھل کر سامنے نہیں آتی، گویا ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ آج تک وہ منعمِ حقیقی اور معطیِ مطلق اس لیے اربابِ حاجات کو جو کچھ بھی دیتا ہے چھپا کر دیتا ہے۔ گویا بقولِ راقم الحروف:

حائل کیا ابر کو دکھا کر نہ دیا
اسباب کی آڑ دی، اُٹھا کر نہ دیا
کتنا ہے اسے مانگنے والے کا لحاظ
جو جس کو دیا سامنے آ کر نہ دیا

نمائشی قسم کے اہلِ سخا اور مصنوعی اربابِ کرم کو اپنے اندازِ فکر و عمل پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے۔ اور اس میں مذکورہ بالا تبدیلیاں لانا چاہییں، ورنہ وہ حقیقی سخاوت نہیں ہوگی، بلکہ وقتی اور ایک بناوٹی عمل ہوگا، جس کا مقصد غریبوں کو کچھ دے کر عمر بھر کے لیے زیرِ بارِ احسان کرنے اور اپنی تعریف و شہرت کے ڈنکے بجوانے (پبلسٹی) کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اسی طرح اپنی نوازشات و کرم سے ہمیشہ اپنے قریب کے زیردستوں اور ضرورت مندوں کو مستفید کرتے رہنا کافی نہیں ہوتا، بلکہ دُور کے مستحق اہلِ حاجت کو بھی یاد رکھنا قرینِ کرم ہوتا ہے۔

دور دستاں را بہ احساں یاد کردن ہمت است
ورنہ ہر نخلے بپائے خود ثمر می افگند

یعنی دور رہنے والے حاجت مندوں کو احسان سے یاد کرنا بڑی جواں مردی ہے ورنہ اپنے پاؤں میں تو ہر درخت پھل پھینک ہی دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ ہر وقت پاس رہنے والوں پر ہی اگر ابرِ عنایت کا کوئی چھینٹا پڑ جائے تو یہ کوئی بڑی بات نہیں ان لوگوں پر احسان کرنا جو باعتبارِ مسافت دُور اور آنکھوں سے اوجھل ہوں۔ بہت بڑی جواں مردی ہے یہاں ایک اور نکتہ قابلِ ذکر ہے کہ جو کچھ کسی کو دیا جائے وہ دینے والے کا اپنا ذاتی مال ہو۔ پرائے مال کو بے دریغ لٹانا اور اس کا انفاق دائرۂ سخاوت میں کسی صورت داخل نہیں۔ بعض وہ لوگ جو دوسروں کے مال و دولت کے سہارے حاتم طائی بننے کی کوشش کرتے ہیں یا فالتو چیز اٹھا کر دینے کے عادی ہوتے ہیں، وہ سخی نہیں کہلا سکتے، لہٰذا

ضروری ہے کہ جو کچھ بھی دیا جائے، وہ دینے والے کے اپنے خون پسینے کی کمائی ہو۔ اگر یہ معیار سامنے رکھا جائے تو آپ کو ایسے اہل کرم بہت کم تعداد میں ملیں گے۔ گویا سخاوت کے لیے ملکیت شے ضروری امر ہے۔ ''ورنہ مالِ مفت دل بے رحم'' والا معاملہ ہوگا۔ ایسے لوگ بھی بہ کثرت موجود ہیں، جو دنیوی اثر ورسوخ اور مال ومتاع کے اعتبار سے امتیازی مقام کے حامل ہوتے ہیں، مگر ان کی خودغرضی اور زراندوزی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ انہیں اپنی ذات کے سوا کسی کا ہوش نہیں ہوتا۔ بیگانے تو بیگانے انہیں اپنے عزیزوں، قرابت داروں اور دوست یاروں کی تنگ دستی وتلخیِ حیات کا احساس تک نہیں ہوتا۔ ان کے شب وروز روپے پیسے کے اعداد وشمار میں بسر ہوجاتے ہیں اور وہ الذی جمع مالا و عددہ۔ یحسب ان مالہ اخلدہ کے صحیح مصداق ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے قرآنِ مجید اور احادیث نبویؐ میں وعید موجود ہے۔ بیدلؒ ایسے لوگوں کے اندازِ فکر پر اظہارِ تأسّف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

حیف ازاں بے خبرے چند کہ با قدرت جاہ

خاک گشتند و نکردند بیاراں مددے

افسوس صد افسوس ان چند بے خبر افراد پر کہ ان کے یار دوست افلاس ونکبت کے ہاتھوں مٹی میں مل گئے اور وہ استطاعتِ مال ومتاع اور قدرتِ جاہ کے باوجود ان کی کوئی مدد نہ کر سکے۔ انفاق فی سبیل اللہ کرنے والوں کی تعداد انفاق نہ کرنے والوں کی نسبت ہمیشہ کم رہی ہے۔ اپنی ذات پر خرچ کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔ البتہ اپنی طرح دوسروں کی بنیادی ضروریات کو محسوس کر کے اپنی جیب سے انہیں پورا کرنا صفتِ عالیہ ہے۔ اکثر لوگ اس فکر میں رہتے ہیں کہ ان کی جیب سے بھی کچھ نہ جائے اور دنیا ان کی دریادلی اور سخاوت کے گن بھی گاتی رہے۔ گویا ان کی فطرت بدستور آمادۂ بخل رہے، مگر نیک نامی اور شہرتِ طلبی کی خاطر لبادۂ سخاوت اوڑھ لیا جائے۔ یہ تو: **منکر مے بودن وہمرنگ مستاں زیستن** والی بات ہوئی۔

اگر ایک طرف اہل سخا اور مخیّر حضرات کے لیے داد و دہش کی چند اخلاقی وشرعی پابندیوں کا احترام کرنا ضروری ہے تو دوسری طرف اہل حاجت کو بھی آدابِ سوال کا پاس رکھنا لازمی امر ہے۔ ہر

وقت دوسروں کے مال ومتاع پر نظر رکھنا اوران کی دادودہش کا امیدوار رہنا بھی تو کوئی فعلِ مستحسن نہیں۔ بلکہ اربابِ استطاعت کی جنبش دست کا انتظار کرنا حمیتِ انسانی اور غیرتِ ایمانی کے سراسر منافی ہے۔ خدانے اگر کسی کو صاحبِ ثروت بنایا ہے تو یہ محض اس کا فضل ہے اس کے ساتھ اسے زکوٰۃ وصدقات کا حکم بھی دیا ہے۔ ذخیرہ اندوزی اور امساکِ زر سے منع فرمایا ہے۔ اگر کوئی مستطیع احکامِ خداوندی کی تعمیل اور ان کی بجا آوری میں تساہل سے کام لیتا ہے تو بروزِ قیامت اس کا جواب دہ وہ خود ہوگا۔ اربابِ حاجت کے لیے اسے آمادۂ عطا کرنے یا اسے موردِ تشنیع ٹھہرانے کا کوئی شرعی جواز موجود نہیں۔

کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند

آج کل کے نام نہاد ضرورت مندوں اور پیشہ ور محتاجوں نے بھی طرح طرح کے ڈھونگ رچا رکھے ہیں۔ مختلف لبادے اوڑھ کر دستِ طلب دراز کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اگر بزورِ بازو کسبِ معاش کریں تو انہیں لبِ سوال کھولنے کی کوئی ضرورت پیش نہ آئے، مگر وہ ایسا نہیں کرتے۔ تن آسانی اور آرام طلبی کی ہوس نے انہیں ہلاک کر رکھا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ امیر آدمی فیکٹری چلائے اور انہیں گھر بیٹھے خطیر رقم ان کی بے کاری کی خدمت میں بطورِ نذرانہ پیش کر دیا کرے۔ اب تو اہل سخا انگشت بدنداں اور قابل رحم نظر آتے ہیں کہ وہ اس کائنات کے وسیع وعریض سوال خانے میں کسے اپنے کرم سے سرفراز کریں اور کسے محرومِ جود رکھیں۔

اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق کون لوگ مستحق اعانت ہوتے ہیں اور کون نہیں؟ اس کا تفصیلی ذکر عنوان ''تسلیم ورضا'' کے ذیل میں دیکھا جاسکتا ہے۔ کاش اگر مسلمان اربابِ دولت وثروت کے دلوں میں بخل وامساک اور ریاکارانہ دادودہش جیسی مذموم وقبیح عادت کے ترک کرنے اور حقیقی جودو سخا اور بذل وعطا کی برکتوں، رفعتوں، سعادتوں اور فضیلتوں کے حصول کی تمنا پیدا ہو جائے تو انسانی معاشرہ بلاشبہ جنت ارضی بن جائے۔

دعا ہے کہ رب العزت ہمیں نمائش وریا جیسے مہلک اخلاقی امراض سے محفوظ رکھتے ہوئے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اندازِ بذل وعطا کی اتباع سے مشرف فرمائے۔ آمین!

۞۞۞

(14)

لباس

مردیکہ ہیچ جامہ ندارد بہ اتفاق
بہتر ز جامہ ای کہ درو ہیچ مرد نیست

ترجمہ:

وہ انسان جو کسی وجہ یا اتفاق سے قیمتی لباس زیب تن کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا، اس آدمی سے بدرجہا بہتر ہے، جس کا لباس تو قیمتی اور زرق برق ہو مگر وہ خود آدمیت کی اقدار سے عاری ہو۔

تشریح:

لباس عربی زبان کا لفظ ہے، فارسی میں اسے جامہ کہا جاتا ہے۔ لبس یلبس لبسا کے معنی ہیں پہننا۔ اللبوس اللباس جو کچھ پہنا جائے محاورہ عرب میں اللباس شوہر اور بیوی کو بھی کہتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت کریمہ میں یہ لفظ ان ہی معنوں میں استعمال ہوا ہے ارشادِ باری ہے: هن لباس لكم و انتم لباس لهن چونکہ میاں بیوی کا ایک دوسرے کا ساتھ بدن اور لباس کا ساتھ ہوتا ہے کہ ان کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل نہیں ہوتی۔ اس لیے لباس کا لفظ یہاں استعمال ہوا۔ یوں تو قرآنِ مجید میں یہ لفظ کئی اور مقامات پر بھی استعمال ہوا۔ مگر اس سلسلے میں زیادہ تفصیل وتصریح کے بجائے صرف وہ آیت لکھ دی جاتی ہے جس کی یہاں ضرورت ہے۔ ارشاد ہوا: يبنى ادم قد انزلنا عليكم لباسا يوارى سو اتكم و ريشا و لباس التقوى ذلك خير اے اولادِ آدم! بے شک اتارا ہم نے تم پر لباس جو ڈھانپتا ہے تمہاری شرم گاہوں کو، اور باعثِ زینت ہے اور پرہیزگاری کا لباس سب سے بہتر ہے۔

لفظِ لباس کو مختصر لغوی تحقیق اور محولہ بالا آیت کریمہ سے جو چند امور توجہ طلب سامنے آئے وہ یہ ہیں کہ لباس بدن کے ڈھانپنے کے علاوہ زینت کا کام بھی دیتا ہے، مگر ان دونوں

سے بڑھ کر لباسِ تقوٰی کا مقام ہے جو لباس کی ظاہری زینت و آرائش سے کہیں بلند ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ قرآن کے نزدیک جو لوگ لباسِ تقوٰی زیب تن کیے ہوئے ہیں صرف وہی لباس کے حقیقی مفہوم ومقصود سے آگاہ ہیں اور جو اس مقام یعنی تقوٰی پر فائز نہیں ان کا جسم لباس حقیقی کی معنویت سے عریاں اور عاری ہے۔ آیت مذکورہ کے مطابق جو لوگ صاحبِ تقوٰی کے لقب کے مستحق ہوسکتے ہیں، فارسی کے محولہ بالا شعر میں ایسے ہی باکمال صاحبِ فضائل اورارباب تقوٰی کولفظِ مرد سے تعبیر کیا گیا ہےاور جو اس لباس سے عاری اور محروم ہیں چاہے وہ جتنا بھی قیمتی اوراعلیٰ لباس کیوں نہ پہنے ہوئے ہوں، مرد نہیں۔ بلکہ تصوف اور صوفیا کی اصطلاح میں نامرد ہیں۔ یہاں مجھے میرزا بیدلؒ قدس سرہ کی ایک لافانی رباعی یاد آ گئی۔ آپ بھی دیکھئے کہ انہوں نے مرداور نامرد کے مسئلے اور نامردوں سے ہم نشینی کے مضر اثرات کو بیان کرنے کے لیے کیا خوب طرزِ استدلال اختیار کیا ہے:

از صحبتِ ھیز مرد نا مرد شود
بے ہمت و بے غیرت و بے درد شود
صد سال اگر شعلہ فروزد آتش
یک غوطہ چو در آب زند سرد شود

رباعی کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جس پر مرد کے لفظ کا اطلاق بالکل درست ہو، اگر وہ ہیجڑوں کی ہم نشینی اور صحبت اختیار کرے گا تو وہ بھی ایک نہ ایک دن جو ہر مردانگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا اور نامرد ہو جائے گا۔ نتیجۂ صحبت یہ نکلے گا کہ وہ بے حوصلہ، بے غیرت اور بے درد ہو جائے گا۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ آگ اگر سو سال تک شعلہ افشانی کرتی رہےاور جوہر مردانگی دکھاتے ہوئے اپنی گردنِ جرأت و طاقت بلند کرتی رہے، پانی میں ایک غوطہ کھانے سے وہیں خاموش اور سرد ہو جایا کرتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ آگ میں مردانگی کے سارے جوہر ہوتے ہیں، مگر جب وہ ناجنس اور نامرد سے صحبت و ہم نشینی اختیار کرتی ہے تو اس پر نامردی کے اثرات غلبہ پالیتے ہیں اور اس طرح وہ اپنا جوہر فطری یعنی مردانگی کھو بیٹھتی ہے، مندرجہ بالا رباعی میں جس عظیم حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ مخنث اور ہیجڑوں

کا لب و لہجہ، تشابہ اور لباس کبھی نہیں اپنانا چاہیے اور پھر یہ کہ ایک خوش عقیدہ انسان کو بدعقیدہ لوگوں سے جو دائرۂ حق شناسی سے خارج ہوتے ہیں، میل جول نہیں رکھنا چاہیے اور اگر یہ سلسلہ جاری رہے تو ان کے اثرات کا ظہور بھی ہو کر ہی رہے گا۔

حضور سیّدِ عالمؐ نے فرمایا: من تشبہ بقوم فھو منھم (جو شخص گفتار، کردار، رفتار، اور شکل و شباہت کے اعتبار سے جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا اس کا شمار اسی قوم سے کیا جائے گا) آج کل کے مغرب زدہ نوجوان اور مشرقی تعلیم وتہذیب سے فرار اختیار کرنے والی نسلِ نو کو اس حدیث کے مطابق اپنی شکل و شباہت، مشاغلِ حیات، حرکات و اطوار، تعلیم و تہذیب اور اپنے منفی رویے پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے اور مذہب سے گہرا رابطہ رکھنے والے طبقے کو بھی بدعقیدہ افراد سے مل کر فخر محسوس کرنے کے بجائے ندامت اور شرم محسوس کرنی چاہیے، خواجہ حافظ شیرازی قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

نخست موعظتِ پیر مے فروش ایں بود
کہ از مصاحبِ ناجنس احتراز کنید

ہمارے شیخ طریقت اور میکدۂ توحید کے پیر مے فروش نے ہمیں سب سے پہلے جو نصیحت فرمائی، وہ یہ تھی کہ جو شخص تمہارے عقائد و خیالات کا ہم نوا نہ ہو، اس پر ہمیشہ اعتراض کرنے کے بجائے اس سے احتراز اور کنارہ کشی اختیار کرو۔

عمدہ اور اُجلے کپڑے پہننا حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ چنانچہ کتب حدیث میں **کتاب اللباس** کا باقاعدہ عنوان دیکھا جا سکتا ہے۔ اور پھر اتباعِ سنت میں بزرگانِ دین اور علما و فقہائے سلف کا شعار ہمیشہ خوش پوشی اور وضع داری ہی رہا ہے۔ یہاں لباس کے سلسلہ میں چند احادیث مبارکہ پیش کی جاتی ہیں۔ ارشاد ہوا: البسوا من ثیابکم البیاض فانھا من خیر ثیابکم و کفنوا فیھا موتا کم وان خیر اکحالکم الاثمد یجلو البصرو الشعر۔

ترجمہ: اپنے کپڑوں میں سفید کپڑے پہنا کرو کیونکہ وہ تمہارے بہترین کپڑوں میں سے ہیں۔ اور اپنے مردوں کو ان ہی میں کفن دیا کرو اور تمہارے سُرموں سے اثمد بہتر سُرمہ ہے جو آنکھ کو

صاف کرتا ہے اور پلکوں کے بال اگاتا ہے۔

عن جابر قال اتانا رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ زائراً فرئیٰ رجلاً شعثا قد تفرق شعره فقال ما کان یجد هذا مایسکن به راسه ورأی رجلاً علیه ثیاب و المتزهد فقال ماکان یجد هذا ما یغسل به ثوبه۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ؐ ہمیں ملنے کے لیے تشریف لائے پس آپ نے ایک آدمی کو دیکھا جس کے بال بکھرے ہوئے تھے فرمایا: کیا یہ شخص سر کے بالوں کو درست کرنے کی کوئی چیز نہیں پاتا۔ پھر آپ نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جس کا لباس بہت میلا تھا۔ پس آپؐ نے فرمایا کیا یہ شخص ایسی کوئی چیز نہیں پاتا جس سے اپنے کپڑے دھو ڈالے۔ ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے: قال أتیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی ثوب دون فقال الك مال۔ قال نعم قال من ای المال قال قداتانی الله من الابل والغنم و الخیل والرقیق۔ قال فاذا اتاك الله مالا فلیر اثر نعمته الله علیك وکرامته۔

ترجمہ: میں حضورؐ کے پاس گھٹیا کپڑوں میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تیرے پاس مال ہے؟ عرض کی جی ہاں! یارسولؐ اللہ! فرمایا کس قسم کا مال ہے؟ عرض کی اللہ نے مجھے اونٹ، بکریاں، گھوڑے اور غلام عطا فرمائے ہیں۔ فرمایا جب اللہ نے تجھے مال سے نوازا ہے تو ان نعمتوں کے اثرات بھی تجھ پر دیکھے جانے چاہییں، یعنی اچھے کپڑے پہن تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ تجھ پر خداوندِ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

مذکورہ احادیث مبارکہ سے جو حقائق سامنے آئے وہ یہ ہیں کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ کہ سفید کپڑوں کو پسند فرمایا بلکہ انہیں پہننے کا حکم بھی دیا۔ دوسرا یہ کہ جس انسان کو مبداءِ فیض اپنی گوناگوں نعمتوں اور رحمتوں سے نوازے، اسے اظہارِ تشکر اور تحدیث نعمت کے طور پر اچھا لباس ضرور زیب تن کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ عمل فیوض و اکرامِ ایزدی میں اضافے کا موجب بنتا ہے۔ اگر یہ عمل تحدیث نعمت اور اظہارِ تشکر کے عنصر سے خالی

ہوتو باعثِ عذاب بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں عجز و نیاز کے بجائے کبر ونخوت، ریا کاری اور عیّاشی وفحاشی کے عناصر مذمومہ سر اٹھانے لگتے ہیں اور اللہ جلّ جلالہ کسی متکبّر اور فخر کرنے والے کو پسندنہیں فرماتا۔ چنانچہ ارشاد ہوا: ان الله لا یحب کل مختال فخورا رب العزت کسی گھمنڈ اور فخر کرنے والے کو پسندنہیں فرماتا۔ اس ضمن میں ایک اور حدیث ملاحظہ کیجئے: عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من لبس ثوب شهرة فی الدنیا البسه الله تعالیٰ ثوب مذلة یوم القیامة۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسولِ پاکؐ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے دنیا میں شہرت کا لباس پہنا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا۔ ملاعلی قاری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کی شرح یوں فرماتے ہیں: أی ثواب تکبر و تفاخرو تجبر او مایتخده المتزهد یشهر نفسه بالزهد اوما یشهر به المتسیدمن علامة السیادة کا لثوب الاخضر اوما یلبسه المتفقهه من لبس الفقهاء و الحال انه من جملة السفها۔

شہرت یعنی تکبر، فخر اور سرکشی کا لباس یا تصنّع کرتے ہوئے اہل زہد کا لباس پہنے یا تصنّع کرتے ہوئے سیادت کی علامت ظاہر کرے، جیسے سبز لباس پہنا۔ یا بطور تصنّع فقیہ بن کر فقہا کا لباس پہنے حالانکہ وہ بُدّھو اور جاہل ہو۔ سعدیؔ شیرازیؒ نے فرمایا ہے:

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

دولت مند اور اربابِ جاہ واقتدار اگر انکسار ومسکنت کو اپنائیں تو ان کے لیے یہ زینت ہے۔ اگر کوئی گدا اگر ایسا کرتا ہے یہ تو اس کی عادت ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسا نہ کرے تو اسے بھیک کون دے۔ اگر اربابِ دولت وثروت اس سنہری اصول پر کاربند ہوتے ہوئے سادہ لباس استعمال کر کے غریب عوام کے ساتھ جذبۂ مساوات کا اظہار کریں اور پھر اس عمل سے ان کا مقصد خداوند عالم کی بارگاہ میں اپنی عاجزی کا اعتراف ہو تو یقیناً یہ ایک غیر معمولی عبادت ہوگی، مگر عام طور پر ایسا نہیں ہوتا۔ آج کل کے اکثر دولت مند عوامی رہن سہن اور

پوشاک کو اس نیت سے اپناتے ہیں کہ لوگ ان کی یہ سادگی دیکھ کر تعریف کریں اور اسے سراہیں کہ وہ دولت و وسائل کی فراوانی کے باوجود اُسوۂ نبویؐ کو اپناتے ہوئے سادگی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ ایسے لوگوں کا ٹھاٹھ باٹھ سے زندگی بسر کرنا اور قیمتی پوشاکیں زیب تن کرنا تو موجبِ تعجب و تعریف نہیں ہوتا۔ لہٰذا وہ سادگی اور عوامی رنگ ڈھنگ کو اختیار کر کے اپنی شہرت اور تعریف کا راستہ ہموار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے متعلق ہر آدمی جانتا ہے کہ اگر وہ سونے چاندی کا لباس چاہیں تو پہن سکتے ہیں اور یہ بات تعجب آفریں نہیں۔ جب کہ سونے چاندی کو استطاعت کے باوجود نہ استعمال کرنا تعجب و تعریف کا موجب ضرور ہے ایسی ریاکارانہ سادگی سے عمدہ و اعلیٰ لباس کا استعمال بدرجہا بہتر اور حقیقت کے قریب ہوتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ مفلوک الحال اور غریب طبقہ کے افراد ادھار لے کر اپنے رہن سہن اور لباس میں تکلّف سے کام لیتے ہیں اور خود کو امیروں کی سطح پر لانے میں کوشاں رہتے ہیں تاکہ دولت مند طبقہ انہیں تحقیر و تذلیل کی نگاہ سے نہ دیکھے، یہ بھی ایک قسم کی ریاکاری ہے اور امر مستحسن نہیں۔ اگر فقر کو فقر محمدی سمجھ کر اختیار کیا جائے تو اس سے بڑی دولت کوئی نہیں ہوسکتی۔ علّامہ اقبالؒ مرحوم نے اسی فقر کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

یعنی دولت و ثروت فقر غیور کے مقابلے میں کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ جو لوگ اربابِ کمال ہوتے ہیں، وہ غربت و افلاس میں اپنا نام پیدا کر لیتے ہیں۔ جس کا مقابلہ اربابِ دولت کسی طرح بھی نہیں کر سکتے۔ جو لوگ غربت میں رہتے ہوئے صاحبِ کمال ہوتے ہیں، وہ غربت کو دولت مندی پر ترجیح دیتے ہیں اور جو صاحبِ کمالات نہیں ہوتے، وہ غربت سے متنفّر اور دولت و جاہ کے شیدا ہوا کرتے ہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ایسے لوگ امیرانہ زندگی بھی بسر نہیں کر پاتے اور آئے دن خواری و ذلّت کا شکار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ مذکورہ بالا حقائق کے پیشِ نظر امیر طبقہ اگر سادگی اور فقیرانہ رہن سہن اختیار کرتا ہے تو وہ محض ریاکاری اور شہرت و تعریف کے لیے اور اگر غریب طبقہ حصولِ دولت و جاہ میں سرگرداں نظر

آ تا ہے تو صرف جاہ طلبی اور ریا کاری کی خاطر۔ الغرض انسان کی ریا کاری کا دائرہ بہت وسیع ہے اور وہ مرکز توجّہ بننے کے لیے آئے دن جدید سے جدید حربہ ہائے ریا ایجاد کرتا ہے تا کہ کسی طرح اس کی امتیازی حیثیت تسلیم کی جاسکے اور وہ قائم رہ سکے۔ بہر حال نیتوں کا حال اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ کون کس نیت سے کیا کرتا ہے؟ اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یہاں وہ امور بیان کیے گئے ہیں جن کا عام زندگی میں مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔

حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انما الاعمال بالنیات۔ ترجمہ: اعمال کا دارومدار نیّتوں پر ہے۔ خلاصۂ بحث یہ ہے کہ قیمتی اور اعلیٰ پوشاک زیب تن کرنے والا انسان چاہے امیر ترین طبقے سے تعلق رکھتا ہو یا متوسط اور غریب ترین طبقے سے، اگر وہ کمالات وفضائلِ انسانی سے محروم ہے، یعنی اس میں کوئی ہنر، کوئی خوبی اور کسی علم وفن کی صلاحیّت نہیں یا وہ صاحبِ تقویٰ وطہارت نہیں تو وہ بقول شاعر مرد نہیں کہلا سکتا۔ ایسا انسان قیمتی اور اعلیٰ کپڑا پہنے یا معمولی اور بوسیدہ، اس کی اپنی کوئی قیمت نہیں ہوسکتی۔

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے قیمتی بنے۔ جو شخص بہ اعتبارِ ذات وصفات قیمتی یا (مرد) کہلا سکتا ہے اس کے جسم سے مس کرنے والے معمولی لباس کی شان قاقم وسنجاب سے بھی بڑھ جائے گی اور اسے گدڑی میں لعل کہا جائے گا۔ وہ اس شعر کا مصداق بن جائے گا:

بہ ہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من اندازِ قدت را می شناسم

تُو جس رنگ کا کپڑا پہن، ادا شناس اور حقیقت آگاہ نگاہیں تیرے مقام ومرتبہ کو پہچان ہی لیتی ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو نامساعد حالات کی بنا پر اچھا کپڑا نہیں پہن سکتے اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے اچھا پہننے اور کھانے کی توفیق دی ہو، انہیں دیکھ بھی نہیں سکتے۔ ایسے لوگ چونکہ خود استطاعتِ خوش پوشی نہیں رکھتے، اس لیے وہ اکثر یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ اچھا کپڑا پہننے سے گدھا انسان تو نہیں بن جاتا، وغیرہ وغیرہ۔ اس قسم کے معاشی مفلوج ایسی باتیں حسد وعناد کی وجہ سے کرتے ہیں اگر ان کو خداوندِ عالم اتنی استطاعت دے دیتا تو پھر ایسی باتیں ہرگز نہ کرتے۔ ذہنی افلاس کا شکار ایسے افراد کو ان حرکات سے باز رہنا چاہیے، کیونکہ وہ

درحقیقت خدا سے لڑ رہے ہوتے ہیں اور پھر خود شدید احساس کمتری میں مبتلا ہوتے ہیں۔
بقولِ حافظ شیرازیؒ:

بہ دُرد و صاف ترا حکم نیست دم در کش
کہ ہر چہ ساقیِ ما ریخت عینِ الطاف است

تجھے تلچھٹ اور صاف شراب کے سلسلے میں اظہارِ رائے کا حق نہیں۔ خاموش ہو جا، اس لیے کہ ساقیِ ازل نے جس کے ظرف میں جیسی بھی شراب ڈال دی وہ عینِ عدل اور لطف محض ہے۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو انسان جس قوم کی مشابہت اختیار کرے گا، اسے اسی قوم سے شمار کیا جائے گا۔ اس ارشاد کی رُو سے جس نے کفار اور دیگر بے دین اقوام عالم کی مشابہت کو اپنایا، وہ ان ہی میں سے متصور ہوگا اور جس نے صالحین اُمّت اور خود حضورؐ کی سنتِ طیبہ سے تشابہ کیا تو اس کا شمار اچھوں میں ہوگا۔ اچھے لوگوں کے تشابہ کو اپنانا فی نفسہٖ اچھا کام ہے، مگر لباس کی حد تک تشابہ سے زیادہ ان کی صفات و کمالات میں تشابہ کا حصول زیادہ نفع بخش ہوتا ہے مثلاً: اگر ایک ان پڑھ یا متوسط علم کا انسان جیّد علما و فقہا کا لباس پہن لے اور خود کو جُبّہ و دستار سے آراستہ و پیراستہ کر لے تو اسے اس مشابہت ظاہری کا فائدہ تو کسی حد تک حاصل ہوسکتا ہے۔ مگر وہ علم و فضل جو خود اس جُبّہ و دستار کو فضیلت و امتیاز سے ہم کنار کرتا ہے، اس اَن پڑھ میں کہاں سے آئے گا۔ مطلب یہ کہ جو لباس پہنو، پہلے اس کے لیے اہلیت بھی فراہم کرو صرف جُبّہ و دستار کے پہن لینے سے کوئی غزالی دوراں اور رازی زماں تو نہیں بن جاتا۔ کم از کم پہلے وہ علوم و مراتب حاصل کر لو پھر اگر جُبّہ و دستار بھی پہن لو گے تو تمھیں ان کا مستحق بھی سمجھا جائے گا۔ اگر کسی کے علم و استعداد کا وزن صرف ایک پاؤ ہو اور اس کے سر پر دس سیر کی دستار رکھی ہوئی ہو تو بقولِ بیدلؒ:

یک نخود کلہ و دہ من دستار
ایں کم و بیش چہ معنی دارد

یعنی ایک چنے کے دانے جتنی کھوپڑی اور اس پر دس سیر وزن کی دستار۔ آخر اس کمی

بیشی کا کیا مطلب ہے؟ اور شیخ سعدیؒ نے **گلستان** میں فرمایا:

یک من علمِ را دہ من عقل باید

اگر کسی کے علم کا وزن ایک سیر ہے تو اس کے استعمال کے لیے دس سیر عقل چاہیے۔

بہر حال مقصد یہ ہے کہ جو لوگ صالحین اور علما سے تشبیہ کو سوءِ ادب سمجھتے ہیں، وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پاک کی تکذیب کرتے ہیں۔ اگر اچھے لوگوں کی مشابہت نہ کی جائے تو کیا یہود و نصاریٰ اور دوسرے بدکار اور بازاری لوگوں کی مشابہت اختیار کر لی جائے۔ ایسے لوگ بھی درحقیقت انتہائی تنگ نظر، بخیل اور بے علم ہوتے ہیں۔ نہ تو وہ خود کچھ بن سکتے ہیں اور نہ کسی کو کسی اچھے روپ میں دیکھنا برداشت کر سکتے ہیں۔

آج کل جس طرح علما وفقہا کی علمی حیثیت و مرتبہ رُو بہ زوال ہے۔ اسی طرح ان کے لباس و اطوار میں بھی عناصرِ انحطاط کارفرما نظر آتے ہیں۔ نہ وہ دستارِ فضیلت کہیں نظر آتی ہے اور نہ وہ جُبّہ، اب تو ٹوپی اور کوٹ نے ان کی جگہ لے لی ہے اور ماشاء اللہ بعض اہل علم تو بار دستار و کلاہ سے اتنے خائف ہو گئے ہیں کہ انہوں نے برہنگی سر کو گوارا کر لیا ہے۔ اگر ان کی نزاکت کا یہی حال رہا تو ڈر ہے کہ وہ کسی دن اپنے سر کو بھی بارِ دوش تصور نہ کرنے لگیں۔ ایسے جدید قسم کے مفکّرین اسلام و قائدین انقلاب دستار والوں پر اعتراض کرنے اور بعض اوقات ان کا مذاق اڑانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ مگر ان کو شاید یہ معلوم نہیں کہ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ساری عمر اپنے سرِ اقدس پر جس چیز کو اعزاز بخشا، وہ دستار ہی تھی۔ آپؐ ہمیشہ سفید پگڑی باندھتے تھے۔ البتہ فتحِ مکّہ کے دن سیاہ دستار کو اپنے سرِ اقدس کے قرب و معیّت سے نوازا۔ آپؐ نے ہمیشہ کھلی آستینوں والا کرتہ پہنا اور تہبند استعمال فرمایا۔

اکبرؔ الٰہ آبادی مرحوم و مغفور اسلامی شعار، روایات سلف اور تہذیبی اقدار کے ترک کرنے کے سلسلے میں مسلمان قوم کے حال پر یوں کفِ افسوس ملتے ہیں:

مار و کژدم رہ گئے ، کیڑے مکوڑے رہ گئے
صورتیں تو ہیں مگر انسان تھوڑے رہ گئے

خضر عنقا بن گئے ، موذی بنے ہیں سدِّ راہ
اونٹ رخصت ہوگئے ، پولو کے گھوڑے رہ گئے

بعض جاہل اور کم نظر لوگ صالحینِ امت اور علمائے دین سے تشبیہ کو سوءِ ادب قرار دیتے ہیں یہ محض ان کی جہالت اور غلط فہمی ہے۔ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جو شخص نیک لوگوں کی مشابہت کرتا ہے، چاہے وہ لباس میں ہو یا کسی اور بات میں یہ صریح گستاخی اور بے ادبی ہے۔کہاں ایک عام آدمی اور کہاں برگزیدگان خدا۔ان کی یہ بات بادی النّظر میں تو دل کو لگتی ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ کتنے عاجز، منکسر المزاج اور اولیاء اللہ کا ادب کرنے والے ہیں۔مگر جب ان کے اس مفروضے کا تجزیہ سیرت طیبہ کو سامنے رکھ کر کیا جائے تو ایسے غیر شرعی اور فضول قسم کے انکسار کا نہ تو کوئی ثبوت ملتا ہے اور نہ ہی اس پر عمل پیرا ہونے سے کسی قسم کے اجر وثواب کی توقّع کی جاسکتی ہے۔مندرجہ ذیل تجزیہ کو پڑھیے اور خدارا انصاف کیجئے۔

اس ساری کائنات میں اللہ کی ذات جلیلہ کے بعد سب سے زیادہ اگر کوئی قابل احترام وادب ہستی ہے تو وہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پاک ہے۔جس طرح ربّ العزت اپنی ذات وصفات میں بے مثل و بے نظیر ہے،اسی طرح سرکار دو عالمؐ اپنی ذات وصفات میں ممتنع النّظیر ہیں۔گویا:

نہ تھا ، نہ ہے ، نہ کوئی ان سا ہوسکے گا کبھی
وہ اپنی ذات میں بے مثل ہیں خدا کی طرح

آپؐ کی حیاتِ طیّبہ وطاہرہ امّت مسلمہ کے لیے سنت کا درجہ رکھتی ہے۔سنت کی دو اقسام ہیں،سنت قولی اور سنت فعلی یعنی آپؐ نے جو کچھ فرمایا، یا کہا اس پر عمل کرنا سنت نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی اتبّاع کے زُمرے میں آتا ہے تمام مسالکِ فقہ اور سلاسلِ طریقت اس بات پر متفق ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کسی سنت پر جس نے عمل کیا یا جو عمل کرتا ہے وہ ایک سچا مسلمان ہے۔اور یاد رہے کہ سنت پر عمل کرنا حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات وصفات سے تشبہ حاصل کرنا ہوتا ہے چاہے وہ تشبہ لباس میں ہو، کھانے پینے میں ہو، کردار میں ہو یا زندگی کے کسی بھی پہلو میں۔اگر حضور اقدسؐ کے کسی قول و

فعل سے تشبہ کرنا بے ادبی اور گستاخی نہیں، بلکہ کارِثواب اور ذریعۂ نجات ہے تو صحابۂ کرام، اولیائے عظام اور علمائے صالحین سے تشبہ کو کیوں کر بے ادبی کے زمرے میں شامل کیا جا سکتا ہے؟ کیا نعوذ باللہ ان کا مقام آپؐ سے زیادہ ہے؟ یہ سب تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے تو ثابت یہ ہوگا کہ آقا کی مشابہت اختیار کرنا تو کوئی بے ادبی نہیں البتہ ان کے غلاموں کی مشابہت اختیار کرنا گستاخی اور بے ادبی ہے اور اولیا اور علمائے امت پر اسی لیے اہل السنّت والجماعت کی اصطلاح بولی جاتی ہے کہ یہ طبقہ زندگی کے ہر شعبے میں حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ پر عمل پیرا رہتا ہے۔ اولیا و علما کہاں اور محبوبِ خداؐ کی ذاتِ گرامی کہاں۔ اگر وہ رسولِؐ خدا کی مشابہت (سنت) پر عمل کرنے سے گناہ گار نہیں ہوتے تو ان کی مشابہت سے کون گناہ گار ہو سکتا ہے اولیا و علما کوئی مافوق البشر مخلوق تو نہیں ہوتے، ہمارے جیسے انسان ہی ہیں۔ چونکہ ان کی حیاتِ قرآنی تعلیمات اور سنت نبویؐ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہوتی ہے، اس لیے وہ مدارجِ عالیہ پر فائز نظر آتے ہیں، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ براہِ راست اپنے نبی آخرالزماں محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ کو اپنائیں۔ صلحا و علما کی سنت کے ہم مکلّف نہیں بلکہ علما و اولیا جس ذاتِ گرامی کی سنت کے رہینِ منت ہیں ہم سب کو اپنی حیاتِ مستعار میں اسی ذاتِ مقدس کی سنت کو بہ ہر پہلو اختیار کرنا چاہیے پھر کوئی یہ نہ کہہ سکے گا کہ تم حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے کسی قول وفعل میں کیوں مشابہت کر رہے ہو۔ اگر ایسا کہے گا تو کافر ہو جائے گا، یعنی وہ بہ ظاہر تو اس لیے کہہ رہا ہے کہ حضورؐ سے مشابہت اختیار کرنا انتہائی بے ادبی ہے۔ مگر حقیقت میں وہ امت کو حضورؐ کی سنت (مشابہت) پر عمل پیرا ہونے سے روک رہا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ جب سنتِ مصطفویہ علی صاحبہا التحیۃ والتسلیم پر عمل کر کے بہ اعتبارِ قول وفعل آپؐ سے تشبہ حاصل کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں، بلکہ کارِ ثواب اور عینِ علامت ایمان ہے تو اولیا و علمائے امت کے کسی قول وفعل سے تشبہ اختیار کرنے میں کیا قباحت ہو سکتی ہے۔ جب کہ ان کے کسی قول وفعل کو سنت نبویہؐ کا درجہ حاصل نہیں دراصل ایسی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو اولیا و علما سے عقیدت کے سلسلے میں غلو سے کام لینے کے عادی

ہوتے ہیں۔ اور ان کو مافوق البشر شخصیات تصور کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی اندھی عقیدت سے بچائے جو قرآن وسنت کی تعلیمات کے منافی ہو۔

چونکہ موضوع لباس کا ہے اس لیے یہ حدیث پھر نقل کی جاتی ہے ارشاد ہوا: من تشبه بقوم فهو منهم دنیا میں جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی اسے قیامت کے دن اسی قوم سے شمار کیا جائے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ اگر انبیا، صحابہؓ، اولیا وعلمائے صالحین کی مشابہت کو اختیار کیا گیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس مشابہت کے صدقے نگاہِ رحمت وعفو سے نوازے گا۔ اگر کفار اور غیر اسلامی تہذیبوں کی مشابہت کو اپنایا گیا تو حشر کے روز ایسا کرنے والے کا نہ صرف یہ کہ حشر برا ہوگا، بلکہ اس کا حشر بھی ان ہی کے ساتھ کیا جائے گا۔ محولہ بالا حدیث پاک کی تشریح کے ضمن میں مشہور محدث اور فنِ جرح و تعدیل کے امام ملا علی قاری (م 1014ھ) اپنی شہرۂ آفاق تصنیف **مرقاۃ شرح مشکوٰۃ** کے کتاب اللباس میں بہ سلسلۂ تشبہ ایک واقعہ یوں نقل فرماتے ہیں:

وقد حكى حكاية غريبة ولطيفة عجيبة وهى انه لما اغرق الله سبحانه فرعون واٰله لم يغرق سخرته الذى كان يحاكى سيدنا موسىٰ عليه السلام فى لبسهٖ و كلامهٖ و مقالاتهٖ فيضحك فرعون و قومه من حركاتهٖ و سكناته فتضرع موسى الى ربهٖ يا رب هذا كان يوذينى اكثر من بقية آل فرعون فقال رب تعالىٰ ما اغرقناه فانه كان لابساً مثل لباسك والحبيب لا يعذب من كان علىٰ صورة الحبيب۔

ترجمہ: ایک عجیب وغریب اور پرلطف حکایت یوں بیان کی گئی اور وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے متبعین کو غرق کیا تو اس ساری قوم میں سے اس ایک مسخرے کو ڈوبنے سے بچا لیا جو لباس، گفتگو اور دیگر معاملات میں مزاح کی نیت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نقل اتارا کرتا تھا۔ اور اپنی حرکات وسکنات سے فرعون اور اس کی قوم کو ہنسایا کرتا تھا۔ اس کو ڈوبنے سے محفوظ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ ایزدی میں التجا کی بارالٰہا! یہ کم بخت تو اس فرعون سے کہیں زیادہ مجھے ایذا دیتا تھا اور تو نے اسے بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا: کہ ہم نے اس مسخرے کو صرف اس لیے غرق نہیں کیا کہ وہ تیرے جیسا لباس پہنتا تھا۔ ایک دوست اس شخص کو کبھی عذاب نہیں دیتا جو اس کے دوست سے مشابہت رکھتا ہو۔

گویا جو انسان کسی انسان سے محبت کا دعوٰی کرتا ہے، اگر وہ کسی میں اپنے محبوب کی شباہت کو دیکھ لے تو اس شباہت کا پاس اسے کرنا پڑے گا۔ چاہے جس میں بھی شباہت یار پائی جائے وہ کیسا ہی گھٹیا انسان کیوں نہ ہو۔ کیونکہ احترامِ شباہت کا ہے، صاحبِ شباہت کا نہیں۔ مجنوں الفتِ لیلیٰ کا مدعی تو ہو، مگر شباہتِ لیلیٰ کا کچھ بھی پاس نہ کرے تو اسے مجنوں کہلانے کا کوئی حق نہیں، مجنوں تو وہ ہے جو لیلیٰ کی نسبت سے لفظِ لیل سے بھی محبت کرے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا:

کس ز مجنوں سوال قرآں کرد
گفت اسرٰی بعبدہٖ لیلیٰ

کسی نے مجنوں سے قرآنِ مجید کے بارے میں سوال کیا مجنوں نے کہا کہ سارے قرآن کی آیات سر آنکھوں پر، مگر سبحان الذی اسرٰی بعبدہٖ لیلاً کی آیت کا مقام کچھ اور ہی ہے، کیونکہ اس آیت مبارکہ میں لیلاً کا لفظ استعمال ہوا، اس لیے مجنوں کا اس آیت سے جنون کی حد تک محبت رکھنا قدرتی امر تھا۔

ملا علی قاریؒ یہ واقعہ لکھنے کے بعد اپنے الفاظ میں نتیجہ نکالتے ہوئے فرماتے ہیں:

فانظر من کان متشبها با هل الحق علی قصد الباطل حصل له نجاة صورية و ربما اوت الی النجاة المعنويه فكيف بمن يتشبه بانبيائه واوليائه علی قصد التشريف والتعظيم و غرض علی وجه التكريم۔

ترجمہ: پس غور کرو کہ جو شخص بری نیت سے مقبولانِ خدا کی مشابہت اختیار کرتا ہے، اسے ظاہری نجات تو مل جاتی ہے، اور ہوسکتا ہے کہ حقیقی نجات بھی مل جائے۔ پس اس آدمی کے متعلق تیرا کیا خیال ہے جو اللہ تعالیٰ کے انبیا اور اولیا و صالحین کی مشابہت کو تبرک اور شرف اندوزی کی نیت اور ارادے سے اختیار کرتا ہے اور جس کے نزدیک نیک لوگوں سے مشابہت کی غرض و غایت صرف ان کی عزت و تکریم ہو۔ گویا وہ اس طرح صالحین سے محبت اور اپنے

قلبی لگاؤ کا اظہار کرتا اور کہتا ہے:

احـــب الـــصّـــالـــحیـــن و لســـت مـــنھـــم

لـــعـــل الـــلـــه یـــرزقـــنـــی صـــلا حـــا

میں خود تو نیک بندوں میں سے نہیں ہوں البتہ ان سے محبت ضرور رکھتا ہوں۔ شاید اسی لگاؤ کے صدقے اللہ تعالیٰ مجھے بھی صلاحیت سے نواز دے۔ بہر حال اربابِ فضل و کمال جس رنگ اور جس لباس میں ہوں۔ ان کی قدر و قیمت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، بلکہ جو لباس وہ پہن لیں، اس کی قیمت دو چند ہو جایا کرتی ہے۔

بزیورہا بیارایند وقتے خوبرویاں را

تو سیمیں تن چناں خوبی کہ زیور ہا بیارائی

حسینوں کو تو زیور پہنا کر آراستہ کیا جاتا ہے مگر تو ایسا سیم تن محبوب ہے کہ زیور تیرے جسم کا لمس پا کر حسین سے حسین تر نظر آنے لگتے ہیں۔ گویا حسن خداداد مشاطگی کا محتاج نہیں۔

ترجمۂ منظوم از راقم الحروف:

حسینوں کے بدن کی وجہ آرائش تو ہیں زیور

مگر آرائش زیور کا باعث ہے بدن تیرا

حضرت سرمدؒ شہید کو اورنگ زیب نے دربار میں بلایا اور ان سے ان کی برہنگی کا شکوہ کیا کہ آپ جیسے عالی مرتبہ انسان کو سرِ عام بہ حالت برہنگی نہیں رہنا چاہیے۔ یہ سن کر سرمدؔ مسکرائے اور فی البدیہہ یہ رباعی سرِ دربار پڑھ دی:

آنکس کہ ترا عزِّ جہانبانی داد

مارا ہمہ اسباب پریشانی داد

پوشاند لباس ہر کرا عیبے دید

بے عیباں را لباسِ عریانی داد

جس ذاتِ مطلق نے تجھے فرماں روائی اور شہنشاہی کی عزت و منزلت سے نوازا ہے، اسی

ذات نے ہمیں پریشانی اور بدحالی کے اسباب سے دوچار کیا ہے۔اس نے جس کسی میں کوئی عیب دیکھا،اسے لباس دے دیا۔تا کہ اس کا عیب لباس میں چھپ جائے۔اور جو بے عیب تھے، انہیں لباس کی قید سے آزاد کردیا۔اوران کی عریانی ہی کوان کے لباس کا مرتبہ دے دیا۔اسی مضمون کو سرمدؒ کے معاصر میرزا بیدلؒ قدس سرہ نے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا:

تنم ز بند لباسِ تکلف آزاد است
برہنگی بہ برم خلعتِ خدا داد است

میرا جسم پُرتکلف لباس کی قید سے آزاد ہے، اس لیے کہ میرے جسم پر برہنگی ایک خداداد خلعت و پوشاک ہے۔ مذکورہ اشعار کے اہتمامِ نقل سے مقصد و مدعا یہ ہے کہ جولوگ صرف لباس کے تکلفات میں ہلکان ہوتے رہتے ہیں اوراس کے حقیقی مفہوم یعنی علم وتقویٰ اور دیگر فضائل وکمالات کے التزام سے نا آشنا رہتے ہیں، وہ دینی اوراسلامی اصطلاح میں جاہل اور بے خبر لوگ ہیں۔ اگر مذکورہ اشعار کے صرف ظاہر پر نظر ڈالی جائے تو شاید کوئی معترضِ فطرت یہ کہہ دے کہ ایسے اشعار تو فحاشی وعریانی کی دعوت دیتے ہیں، ایسا ہرگز نہیں۔ اگر آپ ان اشعار کی روح کو سمجھنے کی کوشش کریں گے تو تمام اعتراضات ختم ہو جائیں گے۔ خالقِ کائنات ستّارُالعیوب اور غفّارالذّنوب ہے۔ اگر وہ پردہ پوشی نہ کرے تو لباس کسی حد تک ستّارُ الجسم تو ہوسکتا ہے، مگر ستّارُالعیوب نہیں ہوسکتا۔ اسی سلسلے میں اپنی ایک رباعی پیش کرتا ہوں:

از بے بصری ہوس پرستیم ہمہ
خود را بفریب عقل بستیم ہمہ
گر چادرِ ناموس کشند از بر ما
شرمندہ شویم ز آنچہ ہستیم ہمہ

ہم سب نابینائی کے باعث ہوس پرست بنے ہوئے ہیں اور خود کو عقل مندی کے فریب سے وابستہ کیے ہوئے ہیں۔ حقیقت تو کچھ یوں ہے کہ ستّارُالعیوب نے عزت و ناموس کی جو چادر ہم سب پر ڈالی ہوئی ہے، اگر وہ اسے ذرا ہم پر سے کھینچ لے تو ہم اپنی حقیقی صورتِ حال کو

دیکھ کر شرمندگی سے ڈوب مریں۔ ماحول کو مرعوب کرنے اور اپنی دولت وثروت کی نمائش کی خاطر جو شخص بھی لباس میں تکلف سے کام لیتا ہے وہ ریاکار اور تصنّع پسند انسان اس وقتی نمود و نمائش سے اہل نظر کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ اس لیے کہ آج کل انسان بہت بیدار ہو چکا ہے۔ اور اسے حقیقی صورتِ حال تک رسائی میں زیادہ دیر نہیں لگتی ہر بالغ نظر یہ سمجھ سکتا ہے کہ صاحبِ لباس، لباس سے زیادہ قیمتی یا لباس کی قیمت صاحبِ لباس سے زیادہ ہے۔ خدا ہمیں ظاہر سے باطن اور صورت سے زیادہ معنیٰ کی طرف راغب ہونے اور لباسِ علم وتقویٰ زیب تن کرنے کی توفیق دے، آمین!

اذا المرء لم یلبس ثیابا من التقیٰ

تقلب عریانا و ان کان کاسیا

کوئی آدمی جب تک لباسِ تقویٰ زیب تن نہ کرلے وہ ننگا پھرتا ہے۔ اگرچہ اس نے کپڑے پہنے ہوئے کیوں نہ ہوں۔

وخیر لباس المرء طاعة ربه

ولا خیر فیمن کان لله عاصیا

سب سے بہترین لباس اطاعتِ خداوندی ہے اور جو انسان خدا کی نافرمانی کرتا ہے، اس میں خیر کی کوئی رمق نہیں۔

(15)

بحث ومناظرہ

بحث ومناظرہ کے ضمن میں میرزا عبدالقادر بیدلؒ کا ایک ہی زمین میں ایسا دوغزلہ موجود ہے، جس کا ہر شعر اپنے اندر ایک جہانِ معنیٰ لیے ہوئے ہے اور مزید لطف کی بات یہ ہے کہ لفظِ بحث ہی اس کی ردیف ہے اور پھر بحث کے ہر پہلو سے بحث کی گئی ہے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بے مغزی و داری بمن سوختہ جاں بحث
اے پنبہ! مکن ہرزہ بہ آتش نَفَساں بحث

ترجمہ:

اے بحث کرنے والے! تو علم و دانش سے محرومی کے باوجود مجھ سوختہ جاں سے بحث کر رہا ہے۔ اے روئی کے گالے بہتر یہی ہے کہ تو ان سے بحث میں فضول نہ الجھ جن کی سانسوں سے شعلے نکل رہے ہیں۔

چھیڑ اچھی نہیں ہم سوختہ سامانوں سے

مطلب یہ کہ ہم پہلے ہی سے جلے بھنے بیٹھے ہیں اور بھڑک اٹھنے کے جواز کی تاک میں ہیں۔

نہ چھیڑ اے نکہت بادِ بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

اے مخاطب! تو روئی کی طرح بے مغز ہے۔ اگر تجھ میں کچھ مغز ہوتا تو شاید تجھے راکھ کا ڈھیر بننے میں کچھ وقت ضرور لگتا۔ اس لیے کہ ٹھوس چیز کے جلنے میں نسبتاً کچھ دیر لگتی ہے۔ مگر اے مخاطب! تُو تو روئی کا گالا ہے اور جب روئی آگ کو خود دعوتِ جو ہر آزمائی دے تو انجام ظاہر ہے:

گر بے خردے ساز کند ہرزہ سرائی
بگذار کہ چوں شعلہ بمیرد بہ ہماں بحث

اگر کسی جاہل نے فضول قسم کی بک بک شروع کر ہی لی تو اُسے چھوڑ دے اور کچھ مت کہہ۔ اس لیے کہ وہ کچھ ہی دیر میں اپنی اس بحث کے ہاتھوں شعلے کی طرح خاموش ہو جائے گا۔ کیونکہ شعلے کی ہر لپیٹ درحقیقت اس کی اپنی ہی ذات کے لیے پیغامِ مرگ ہوا کرتی ہے۔

مقصد یہ کہ جب کبھی بے عقل لوگوں کی یاوہ گوئی سنے بغیر کوئی چارہ نظر نہ آئے تو اہل علم و دانش کو کمالِ متانت سے کام لیتے ہوئے انہیں ان کی حالت پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اور ان کی

خرافات کو سنتے رہنا چاہیے آخر وہ کب تک بولتے رہیں گے۔ قرآنِ کریم نے سنجیدہ قسم کے اہل علم کو ''عبادالرحمٰن'' کے لقب سے نوازتے ہوئے، ان کی صفات کو اس طرح بیان فرمایا ہے:

وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض هونا و اذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلما ترجمہ: اور خدا کے بندے تو وہ ہیں، جو زمین پر آہستگی ومتانت سے چلتے ہیں اور جب جاہل انہیں مخاطب کرتے ہیں تو وہ (جواباً) صرف سلام کہنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ (یہ سلامِ متارکت ہوتا ہے)

اس سورۃ میں کچھ آیات آگے ارشاد ہوتا ہے: والذین لا یشهدون الزور واذا مروا باللغو مروا کراما اور وہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب ان کو بے ہودہ مقامات سے گزرنے کا اتفاق ہوتا ہے، تو وہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ گزر جایا کرتے ہیں۔ یہاں عبادالرحمٰن سے مراد پوری نوع انسانیت نہیں بلکہ صرف وہی لوگ مراد ہیں جو تہذیب و اخلاق اور شائستگی و دانش کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوتے ہوئے قرآنِ مجید کے اس زریں اصول پر عمل پیرا رہتے ہیں۔

زیر و بمِ ایں انجمن آفاتِ خروش است

ہر دم زدن اینجا دمِ تیغ است و فساں بحث

اس انجمن حیات کے ہر زیر و بم (باریک اور موٹی آواز) سے آفات وحوادث کا ایک شور اٹھ رہا ہے۔ یہاں انسان کی ہر سانس تلوار کی دھار کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور بحث اس کے لیے فساں (ریتی) کا کام دیتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کسی بھی بات کو خواہ وہ معمولی ہو یا اہم بے التفاتی یا خاموشی اختیار کر لینے سے ٹالا جا سکتا ہے۔ اگر ہر بات پر انسان عملِ جراحی سے کام لینا شروع کر دے تو مسکراہٹوں، رواداریوں اور رعنائیوں جیسی اعلیٰ اقدار کا حامل معاشرہ گستاخیوں، زبان درازیوں اور بدتمیزیوں کا جہنم زار بن جائے۔ جن لوگوں کو قسّام ازل نے بلند انسانی اقدار، علوم وفنون اور بے پناہ فطری صلاحیتوں سے نوازا ہو، ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ کمالِ تحمل و بردباری سے کام لیتے ہوئے

اپنے تو اپنے بیگانوں اور بدخواہوں کی بداخلاقیوں اور ان کے زہر آلود الفاظ کو بھی نہایت خندہ پیشانی اور وسیع القلبی سے برداشت کیا کریں۔ایسا کرنے سے ایک طرف تو ان کی اپنی وجاہت میں اضافہ ہوگا اور دوسری طرف اس لطیف حربہ سے (دوست ہو یا دشمن) بے موت مارا جائے گا۔

قرآنی تعلیمات اور پھر خود محبوب دو عالمیاں صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ اور آپ کی سیرتِ طیبہ اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت اور ایک نا قابل تردید سند ہے۔صاحبِ لولاکؐ کی سیرت پاک کی ورق گردانی سے جو حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ جو لوگ آپ کے راستے میں کانٹے بچھاتے، گالیاں دیتے اور بدتمیزی سے پیش آیا کرتے تھے، وہ غیر نہیں تھے۔ بلکہ آپؐ کے اپنے ہی شہر اور پھر اپنے ہی قریب ترین خونی رشتوں کے قرابت دار تھے۔مگر آپؐ کی اس ادائے اخلاق اور رحمت وحوصلہ مندی کی اس شانِ معراج پر میرا سب کچھ قربان کہ آپؐ نے ہر قسم کی رحمانی نصرت وتائید، معجزانہ اختیارات اور اپنی تمام تر روحانی ونورانی قوتوں کے باوجود اپنی ساری حیات مبارکہ اور خصوصاً مکّی دور جن اخلاقی رفعتوں اور عظمتوں کے ساتھ مثالی اور دل نواز قسم کی بردباری وعفو کی فضاؤں میں گزارا، وہ آپؐ کی اپنی ذاتِ گرامی کی طرح فقید المثال اور ممتنع النظیر ہے۔آخر اخلاق وصفات کی ان بلندیوں پر دیکھ کر کوئی شیدا یہ کہنے پر مجبور ہو گیا:

دمیکہ پیکر خوب تو آفرید خدا
گہے بسوئے تو گہ سوئے خویش دید خدا

جس گھڑی خالقِ کائنات نے آپ کے اس خوب صورت پیکر نور کو تخلیق فرمایا تو تخلیقی عمل کی تکمیل پر کمالِ تعجب وحیرت سے کبھی خود کو دیکھا اور کبھی آپ کو۔

پہنچی ہے جو ترتیب ادا تک تری تصویر
پندار مصوّر نے قلم توڑ دیا ہے

مگر افسوس اُسوۂ نبیؐ پر عمل کرنا ہم نے ترک کر دیا ہے۔

خواریست بہر کج منش از راست رواں بجث
بر خاک فتد تیر چو گیرد بہ کماں بجث

راست باز اہل علم کا ٹیڑھی چال والے جہال سے بحث کرنا موجبِ رسوائی ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جب بھی تیر و کماں کی آپس میں ٹھن جاتی ہے تو راست بازی کی بنا پر تیر آخر مٹی ہی پر گرا کرتا ہے۔

مقصد یہ کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو علم و تہذیب کی تمکنت و روایت کا پاس نہیں کرتے۔ میدانِ علم و ادب کے ایسے شترانِ بے مہار اور کج منش دانشوروں سے علم و ادب کے راست باز اور شائستہ طبقے کو بحث و مباحثہ سے احتراز کرنا چاہیے۔ انہیں راست بازی سے کام لینا ہے اور روایت کا احترام کرنا ہے، جب کہ مخالف نے صرف نیچا دکھانے کے لیے آداب و شائستگی کے تمام بند توڑ دیئے ہیں۔

در ترکِ تأمل الم شور و شرے نیست
بلبل نہ نماید بہ چمن فصلِ خزاں بحث

بے اعتنائی برتنے اور غور و فکر نہ کرنے سے شور و فساد کے خطرات ٹل جاتے ہیں۔ موسم خزاں میں باغ سے اُلجھنا شیوۂ بلبل نہیں۔

بلبلاں را در چمن ہر برگ گل دست دعا است

عنادل کے لیے چمن کے پھول کی ہر پتی ہاتھ اُٹھا کر دعا گو ہے۔ لہٰذا دورِ خزاں میں گلستان کی بے برگی سے بحث و تکرار بلبل کی شان کے منافی ہے۔ یہاں تک کہ اس لیے حرف شکوہ بھی زبان پر لانا زیبا نہیں۔

وفا کے دامن کو شکوہ سنجی سے اپنی کیوں تار تار کر دوں
جفائیں سہنے میں لطف پھر کیا جو ان کو میں شرمسار کر دوں

دراصل اس تمثیل سے یہ حقیقت ثابت کرنا مقصود ہے کہ جن اربابِ علم و فضل کا پایۂ علمی خواص و عوام میں مسلّمہ اور مصدّقہ ہو، انہیں کم مایہ دون صفت لوگوں کے منہ کبھی نہیں لگنا چاہیے۔ بلکہ ایسے ویسے لوگوں کے اقوال و افعال سے اخذ کردہ نتائج و تاثرات کو اپنی حوصلہ مندیوں اور بے التفاتیوں کی بے کراں وسعتوں اور کشادہ فضاؤں کی جانب دھکیل دینا

چاہیے۔

جمعیت گوہر نکشد زحمتِ امواج
بیدلؔ بہ خموشاں نکند اہل زباں بحث

موتی کی مربوط و مجتمع شان موجوں کی زحمت کشاکش (کھینچا تانی) سے متاثر نہیں ہوتی۔ بیدلؔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ زبان چلانے والے خاموشی اختیار کر لینے والوں سے بحث میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

مندرجہ بالا شعر لفظی و معنوی ہر دو لحاظ سے کمالِ فن کا نمونہ ہے۔ اس کی تمام خوبیوں کے تفصیلی ذکر کے لیے کئی دفتر درکار ہوں گے۔ اس لیے یہاں بالاختصار اور صرف چند ایک بصیرت افروز اور فکر انگیز حقائق کے بیان ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ زیرِ نظر موضوع کی تفصیل میں جانے سے پہلے قارئین کے لیے ان دو ناموں کی نشاندہی ضروری سمجھتا ہوں جنہیں آئندہ سطور میں ایک علامت کے طور پر استعمال کیا جائے گا اور وہ ہیں۔ **قطرہ اور گوہر۔**

(الف): قطرہ سے میری مراد ہر وہ انسان ہوگا جو ابنائے روزگار میں عامیانہ سی زندگی گزار رہا ہو اور اس میں ایسے خواص و صفات موجود نہ ہوں جو اسے دوسرے ہم جنسوں سے منفرد اور ممتاز کر رہے ہوں اور صفات سے بھی میری مراد صرف فطری استعداد و صلاحیت، علم و فنون اور روحانی قوتیں ہوں گی۔ صرف دنیوی جاہ و منصب اور مال و دولت نہیں۔

(ب): گوہر سے میرا مقصود اور میرے مشار' الیہ صرف وہ لوگ ہوں گے جو فطری طور پر غیر معمولی صلاحیتوں اور ذہنی قوتوں کے مالک ہوتے ہیں اور جو کمالات و فضائل کے حصول کی خاطر سالہا سال طرح طرح کی ریاضت، محنت اور مشقت برداشت کرتے ہیں اور نام و نسب کے حوالوں کے بجائے خود اپنی ذات و صفات کے سہارے غزالیؒ، رازیؒ، رومیؒ اور اقبالؒ کی صورت کائنات علم و فن میں جلوہ گر ہوتے ہیں پھر اپنی تمام روحانی اور علمی قوتوں کو بروئے کار لا کر قوم کی اصلاح کا اہم فریضہ انجام دیتے ہیں اور بالخصوص عقائد و افکار کے اعتبار سے معاشرے کے گم کردہ راہ افراد کا قبلہ بھی درست کرتے ہیں۔

اگر مذکورہ بالا ہر دو علامتوں کا مفہوم آپ ذہن نشین کر لیں گے تو قطرہ و گوہر کے ضمن

میں آنے والی تشریحات اور ان سے مستنبط ہونے والے نتائج و معارف کو بآسانی سمجھا جا سکے گا۔ اب ہر دو علامتوں کو ذہن میں رکھ کر تشریح کو بغور پڑھتے ہیں۔

جیسا کہ سب جانتے ہیں، گوہر پہلے عام پانی کا ایک معمولی قطرہ ہوتا ہے۔ اس میں اور اس کے ہم جنس دوسرے قطروں میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہوتا۔ اگر یہ قطرہ پاک پانی کا جزو ہو تو اس کا استعمال جائز و حلال ہوتا ہے اور اگر یہی قطرہ پانی کے بجائے شراب میں شامل ہو جائے تو حرام ہو جاتا ہے۔ غرض یہ اس کی اپنی کوئی انفرادیت اور اپنا کوئی اختصاص نہیں۔ قرآنِ مجید میں اسی قطرہ آب کے سلسلے میں یہ وضاحت اور یہ تعریف کئی مقامات پر ملتی ہے۔ مثلاً: ایک جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے: الم يك نطفة من منى يمنى کیا وہ (یعنی انسان) منی کا ایک ایسا قطرہ نہ تھا، جو رحم میں ڈال دیا جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ قطرۂ آب منی کی صورت میں تبدیل ہو کر دائرۂ طہارت سے خارج ہو گیا۔ لیکن دوسری طرف عملِ تخلیق میں شریک ہو کر مختلف انسانی اشکال و صور میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ پھر جب کبھی اسی قطرے کے منتشر اجزائے وجود کو بخارات کی شکل میں سطحِ آب سے اٹھ کر آغوشِ سحاب میں جمعیت و یکجائی میسر آجاتی ہے تو اسے ایک اور صبر آزما مرحلے کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ یہ:

نہیں معلوم کس سانچے میں ڈھالیں
ابھی تو صرف پگھلایا گیا ہوں

اس کے دل میں یہ اندیشہ بار بار چٹکیاں لیتا رہتا ہے کہ خدا جانے جہاں مجھے گرایا جائے گا اس مقام کی نوعیت و مرتبہ کیسا ہوگا۔ الغرض زمین، پہاڑ، صحرا اور دنیا کے دوسرے تمام پاک و ناپاک مقامات میں کسی ایک نہ ایک نا معلوم مقام پر گرنے اور جذب ہونے کا مستقل اندیشہ اسے ہر دم لاحق رہتا ہے۔ ایک طرف سمندر کی پہنائیوں میں پھیلے ہوئے صدف (سیپ) اس قطرہ کے لیے چشم براہ ہو کر بقولِ بیدلؔ یہ کہہ رہے ہوتے ہیں:

ز جیبِ ہر مژہ آغوش می چکد اینجا
بیا کہ جائے تو در چشم دوستاں خالیست

ہماری ہر پلک کی جیب سے یہاں ایک آغوش ٹپک رہی ہے اے دوست! آ جا کہ

تیرے چاہنے والوں کی آنکھوں میں تیرے لیے جگہ خالی ہے دوسری طرف رندانِ بلا نوش بادلوں کی خدمت میں یوں عرض پرداز نظر آتے ہیں:

تاک [1] را سر سبز دار اے ابرِ نیساں [2] در بہار
قطرہ تا مَے می تواند شد چرا گوہر شود

اے ابرِ نیساں تو انگور کی بیل کو موسمِ بہار میں زیادہ سے زیادہ سرسبز اور ہرا بھرا رکھا کر۔ اس لیے کہ قطرہ جب تک شراب بن سکتا ہے، تو اسے موتی کیوں بننے دیا جائے۔ قطرہ اسی ذہنی کشمکش میں مبتلا ہوتا ہے، ادھر قدرت کی طرف سے بادل کو سمندر پر برس جانے کا حکم مل جاتا ہے۔ اگرچہ مشیّتِ الٰہی کے مطابق اس بادل کے تمام قطرے سمندر ہی میں گرتے ہیں اور اس عملِ اُفتاد میں سب برابر کے شریک ہوتے ہیں اور ان کی اکثریت سمندر کی نذر ہو کر اپنا تشخص کھو بیٹھی ہے، مگر وہ قطرہ جس کا مقدر گوہر بننا ہوتا ہے، اسے آغوشِ صدف کی تربیت گاہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اب صدف نہ تو اسے اپنی تربیت گاہ میں کہیں باہر قدم رکھنے دیتی ہے اور نہ اپنے ہم جنس بھائیوں سے ملنے کی اجازت دیتی ہے، بلکہ اسے اپنی تنگ و تاریک خلوت سرا میں ضبطِ نفس، محاسبۂ ذات، احساسِ خودی، خلوت گزینی اور دوسرے اسرار و رموز کی تعلیم دیتی ہے۔

یہ سلسلہ ایک زمانہ تک جاری رہتا ہے یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد قطرہ اپنے اندر غیر معمولی قسم کا تغیر و تبدّل محسوس کرنے لگتا ہے اور آہستہ آہستہ اس کی سیلانیت، پختگی، سکون اور جمعیت کے مراحل و منازل طے کرنے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک دن وہی پانی کا عام سا قطرہ گوہرِ تابدار کی صورت میں اپنے مشفق و مربی کے خواب کی تعبیر بن کر اس کے سامنے آ جاتا ہے۔ آپ نے غور فرمایا کہ اگر پانی کے عام سے قطرے کے مقدر میں گوہر بننا لکھا ہوتا ہے تو

[1] انگور کی بیل

[2] یہ فارسی زبان کا لفظ ہے اور اسم مذکر ہے، رومیوں کے ساتویں مہینے کی بارش کا نام آفتاب کے برج حمل میں رہنے کا زمانہ۔ سریانی زبان میں موسم بہار کے تین مہینوں میں سے دوسرا مہینہ ہے۔ ہندی میں بیساکھ اور انگریزی میں اپریل سے تحقیق کرلیں۔ ایشیائی لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس مہینہ کی بوند سے سیپی میں موتی، کیلے میں کافور، بانس میں بن سلوچن، گائے میں گؤلوچن، سانپ میں زہر مہرہ اور ہاتھی میں گج موتی پیدا ہوتا ہے (بحوالہ فرہنگ آصفیہ ج 4 مطبوعہ لاہور)

قدرت اسے تعلیم و تربیت کے کیسے کیسے صبر آزما مراحل سے گزارتی ہے۔ اور قطرہ سے گوہر تک کے سفر میں اسے زندگی کے کیسے کیسے تلخ حقائق اور مصائب کی تجربہ گاہوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالبؔ نے حقائق کے اسی ذہنی پس منظر میں یہ شعر کہا تھا:

دام ہر موج میں ہے حلقہ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

غالبؔ کی جگت استادی اپنی جگہ ایک ایسی مسلّمہ حقیقت ہے جس سے کسی بھی صاحبِ فن کو انکار نہیں ہوسکتا۔ میں نے بھی غالبؔ کے اتباع میں اسی زمین میں ایک غزل کہی تھی۔ موازنہ اور مقابلہ ہرگز مقصود نہیں، کیونکہ ایسا کرنا میرے نزدیک اساتذۂ سلف کے حق میں سُوءِ ادب کے مترادف ہے۔ بہرحال اس غزل کا ایک شعر صاحبِ ذوق قارئین کی ضیافتِ طبع کے لیے پیش کررہا ہوں:

آسماں سے کوئی پوچھے یہ تنک تاب ہلال
کن مراحل سے گزرتا ہے قمر ہونے تک

اب دنیا بھر کے وہ سارے قطرے جو مذکورہ بالا دُشوار مراحل سے نہیں گزرے، وہ گوہر بن جانے والے قطرے کی قدر و قیمت کا مقابلہ کس طرح کرسکتے ہیں۔ انہیں اس کی قدر و منزلت کا پاس کرنا چاہیے اور گوہر شناسی کی مخصوص حیثیت و فضیلت سے محروم نہیں رہنا چاہیے جس طرح گوہر بننا ایک عظیم نعمت خداوندی ہے اسی طرح جوہر شناسی بھی غیر معمولی صلاحیت کا نام ہے۔

حضرت مولانا جلال الدّین رومی قدس سرہ العزیز کی مثنوی کے اس شعر نغز میں اسی جوہر شناسی کی طرف اشارہ ہے:

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہ ہر دستے نباید داد دست

چونکہ بہت سے ابلیس فطرت لوگ انسانی لبادہ اوڑھ کر پھر رہے ہیں، اس لیے کسی پیرو مرشد کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے پہلے اچھی طرح اس کی جانچ پرکھ کر لینی چاہیے تاکہ کل

پشیمانی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔اس شعر میں اس عظیم حقیقت کو الم نشرح کیا گیا ہے کہ اگر شیخِ کامل کو گوہر تابدار کا مقام حاصل ہے تو اس کے مرید کو کم از کم گوہر شناس تو ضرور ہونا چاہیے تا کہ اصلی و نقلی گوہر اور حقیقی و مصنوعی پھول کے درمیان فرق وامتیاز کر سکے۔

میرزا عبدالقادر بیدلؒ کے مندرجہ بالا شعر کی تشریح کے ضمن میں یہ ساری تفصیل پس منظر کے طور پر اس لیے بیان کی گئی ہے کہ ان علامات کو سامنے رکھتے ہوئے جاہل و عالم اور عوام وخواص میں جو بُعد المشرقین ہے، اس کی بھرپور توضیح ہو سکے۔اس شعر کے مطالعہ سے یہ حقیقت ابھر کر سامنے آجاتی ہے کہ موجوں کی اچھل کود کھینچا تانی اور ہاتھا پائی گوہر کی حیثیت کو کسی طور متاثر نہیں کرسکتی ان کی یہ تمام سرگرمیاں پانی کی سطح تک محدود ہوتی ہیں۔گوہر سمندر کی گہرائیوں میں محفوظ ہوتا ہے۔اس سے یہ نکتہ بھی پیدا ہوا کہ مخصوص صلاحیت کے افراد خلوت گزینی، کم آمیزی اور خاموشی کو محفل آرائی، ہر وقت کے میل جول اور غیر ضروری بحث وتمحیص پر ہمیشہ ترجیح دیا کرتے ہیں۔

کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت
جتنا جس کا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

از عاجزیِ من جگر خصم کباب است
با آب کند آتش سوزندہ چساں بحث

میرے رویہ عجز و بردباری اور نرمی گفتار سے دشمن کا جگر اور بھی جل اٹھتا ہے۔ظاہر ہے بھڑکتے ہوئے شعلے پانی کی خنک مزاجی اور نرمیِ فطرت کے ساتھ کہاں الجھ سکتے یا بحث کر سکتے ہیں۔ اور اگر کبھی شامتِ اعمال سے بے نیازِ انجام ہو کر گستاخی کرتے ہوئے اپنی گردنِ دعویٰ بلند کرنے کی کوشش کریں بھی تو پانی انہیں ایسی فطری مار دے گا کہ وہ دم بھر میں خاموش ہو جائیں گے۔

آدابِ گفتگو سے ناآشنا لوگ، جب شعلوں کی طرح یک دم بھڑک اٹھتے ہیں تو اربابِ فضل وکمال نہایت ٹھنڈے دل سے کام لیتے ہوئے پانی کی خنکی ونرمی کے لب ولہجہ میں ایسا جواب مرحمت فرماتے ہیں کہ وہ مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ چونکہ اکثر و

بیشتر چرب زبان اور یاوہ گولوگوں کا اہل علم سے بحث چھیڑنے کا مقصد صرف یہی ہوتا ہے کہ وہ ذی علم سامعین میں اپنے مخاطب کو اپنے جیسا عام آدمی، ایک بذلہ سنج، یاوہ گو اور زباں دراز ثابت کرسکیں۔ اس لیے اہل فضل وکمال کو چاہیے کہ وہ ایسے نازک مقامات سے آبرو مندانہ اور صحیح وسلامت طریقہ سے گزر جانے کی خاطر ہر قسم کی حکمت عملی، ہنگامی انتظام اور مؤثر تدابیر اختیار کرنے کے لیے ہر وقت مستعدر ہیں اور ایسے آبرو باختہ لوگوں کی صحبت سے احتراز واجتناب کریں۔

اہل را صحبت نا اہل زیاں ہا دارد
آب در کوزۂ ناپختہ گل آلود شود

یعنی اگر اہل علم حضرات جاہل اور بدعقیدہ لوگوں کی صحبت اختیار کریں گے تو ایک نہ ایک دن انہیں شدید اور ناقابل تلافی نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اگر صاف وشفاف پانی کچھ دیر کے لیے مٹی کے کچے برتن میں ڈال دیا جائے تو نہ صرف اس کا رنگ بدل جاتا ہے، بلکہ آہستہ آہستہ اس کی بُو اور ذائقہ بھی متاثر ہونے لگتا ہے۔

اگر اس وقت پانی سے یہ سوال کیا جائے تو کچھ دیر پہلے ایسا میلا اور گدلا نہیں تھا۔ اب یہ سب کچھ کیا اور کیسے ہوگیا؟ تو پانی جواباً سعدؔی شیرازیؒ کا یہ شعر کچھ تصرف کے ساتھ یوں سناتا اور شرم سے اور بھی پانی پانی ہوتا محسوس ہوگا۔

خصالِ ہم نشیں درِ من اثر کرد
وگرنہ من ہماں آبم کہ ہستم

یعنی جس برتن کو میں نے اپنے جیسا صاف باطن دوست سمجھ کر اس کی صحبت ومعیت اختیار کی تھی، وہ دراصل ایسا نہیں تھا، یہ اس کے خبثِ باطن اور شمائل وخصائل کا اثر ہے، ورنہ میں تو وہی صاف وشفاف پانی ہوں، جو پہلے تھا۔

از مدرسہ دم نا زدہ بگریز وگرنہ
برخاست رگ گردن و آمد بمیاں بحث

کسی قسم کے مبلغ علم کا دم مارے بغیر مدرسہ سے چپ چاپ بھاگ جا۔ وگرنہ ابھی گردن کی

رگیں پھولیں اور بحث چھڑی۔

لفظ بحث عربی لغت میں کھودنے، کریدنے اور تفتیش کرنے کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے بحث فی الارض زمین کھودنا۔ اور اس سے یہ مثل ہے کہ: کالباحث عن حتفه بلفظه یعنی وہ اپنی ہلاکت و بربادی کا سامان خود پیدا کرتا ہے۔ قرآنِ مجید میں یہ لفظ اپنے حقیقی یعنی لغوی معنی میں یوں استعمال ہوا ہے: فبعث الله غرابا یبحث فی الارض لیریه کیف یواری سوءَ ة اخیه ترجمہ: پھر اللہ نے ایک کوا بھیجا، جو زمین کریدنے لگا تا کہ اس کو دکھائے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی نعش کو چھپائے اور علم صرف کے اعتبار سے یہ ثلاثی مجرد کا باب ہے۔

بحث۔ یبحث۔ بحثا بروزن فعل۔ یفعل۔ فعلا یعنی فتح یفتح کسی بات کی تفتیش و تحقیق میں فی نفسہٖ کوئی قباحت نہیں۔ لیکن جب اسے اپنی انا کا مسئلہ بنالیا جائے تو پھر لفظ بحث اپنے لغوی معنی سے ہٹ کر جنگ و جدل کا اصطلاحی مفہوم دینے لگتا ہے اور بدقسمتی سے آج کل یہ لفظ لغوی معنی میں بہت کم اور اصطلاحی معنی میں زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: جب کوئی عمر میں بڑا آدمی کسی کم عمر کو معقول طور پر مطمئن کرنے سے عاجز و قاصر رہ جائے تو اعتراف عجز کے بجائے یہ کہہ کر خاموش کرنے کی کوششِ بے جا کرتا ہے کہ ''میں تم سے رشتے اور عمر کے اعتبار سے بڑا ہوں۔ تمہیں مجھ سے بحث کرتے ہوئے شرم نہیں آتی''

چونکہ اس دور میں یہ لفظ اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہونے سے محروم ہو چکا ہے اسی لیے تو بیدلؔ نے مدرسہ، کالج، یونیورسٹی یا کسی بھی تعلیمی ادارے کی طرف خاص طور پر اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر تجھ میں حصولِ علم کی لگن اور شوق ہے تو علم نجی طور پر بھی حاصل کیا جا سکتا ہے یہ ضروری تو نہیں کہ جو لوگ روایتی تعلیمی اداروں کے سند یافتہ نہیں ہوتے وہ عالم یا تعلیم یافتہ نہیں کہلا سکتے۔ میرے خیال میں تو اپنے طور پر علم حاصل کرنے والے حضرات مستند اہل علم سے کسی طرح کم نہیں ہوتے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ امیر زادوں کے دل میں حصولِ علم کا شوق تو ہوتا نہیں، وہ تو صرف خانہ پری کے لیے درسگاہوں میں جاتے ہیں تا کہ والدین کے علاوہ اپنے اردگرد کے لوگوں کو بھی یہ تاثر دے سکیں کہ وہ مال و جاہ سے حاصل شدہ اسباب

آسائش پر قانع نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ دولتِ علم کو حاصل کرنے کے لیے بھی مسلسل جدّ وجہد کر رہے ہیں۔

مگر جب ایسے امیر گھرانوں کے صاحب زادے نقل، رشوت یا سفارش سے اپنا تعلیمی سفر بظاہر مکمل کر لیتے ہیں تو ان کا معیارِ تعلیم شرم ناک حد تک پست ہوتا ہے۔ عربی، فارسی، الفاظ کی املا اور تلفظ کی صحت تو درکنار، وہ صحت کے ساتھ سلیس اردو زبان میں بھی اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر قادر نہیں ہوتے۔ البتہ ان تعلیمی اداروں سے وہ لوگ ضرور فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو غربت و افلاس کا شکار ہونے کی وجہ سے حصول علم کے لیے کوشاں رہتے ہیں تاکہ مستند ہونے کے بعد وہ سرکاری عہدوں پر فائز ہو کر اپنی تنگ دستی و نکبت کو دور کر سکیں۔ ان لوگوں کو بھی صرف ملازمت کے مطلوبہ معیار تعلیم کے بنیادی تقاضوں کو پورا کرنے کی حد تک ہی تعلیم یافتہ کہا جا سکتا ہے۔ درحقیقت عالم وہ ہوتے ہیں جو دنیوی جاہ و منصب کے حصول کے بجائے اپنے طبعی ذوق کی تسکین کے لیے علم حاصل کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو قدرت غیر معمولی عزت وشہرت، علمی انفرادیت و مقبولیت کی صورت میں صلۂ علم عطا کرتی ہے۔

بیدلؒ کہتے ہیں کہ اے علم کے طالب! تو جس مقصد کے لیے یہاں آیا ہے اس کا حصول یہاں ممکن نہیں۔ یہاں تو ہر شخص اپنا علمی تفوق ثابت کرنے کے لیے رگیں پھلا پھلا کر زور زور سے بحث و مناظرہ میں مصروف نظر آتا ہے۔ لہٰذا تو اپنی جان بچا کر کسی اور طرف کا رخ کر لے۔ چونکہ خود بیدلؒ کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا تھا اس لیے انہوں نے اہتماماً اس تلخ حقیقت کا ذکر کر دیا۔

(16)

استعداد

تا استعدادِ ہوش ساماں نشود
از جہد کسے صاحبِ عرفاں نشود
صد سال اگر حلقہ زند بر در چشم
اندازِ نظر نصیب مژگاں نشود

ترجمہ:

جب تک فطری استعداد عقل وہوش کا سامان مہیا نہ کرے، تو کوئی انسان محض کوشش ومحنت سے صاحب عرفان نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ اگر پلکیں سوسال تک بھی آنکھ کے دروازے پر حلقہ زن اور معتکف رہیں تو بھی وہ اپنے اندر اندازِ نظر، یعنی کسی شے کو دیکھ سکنے کا جوہر پیدا نہیں کرسکتیں۔

تشریح:

استعداد عربی زبان کا لفظ ہے اوراس کے معنی طاقت مادہ اور سامان کے ہوتے ہیں۔قدرت اپنی ہر مخلوق کواس کے تخلیقی عمل کے وقت ہر وہ ضروری اور بنیادی استعداد ازخود ودیعت فرمادیتی ہے، جواس کی نوعیت وجنس کے رجحانات اوراس کے مقاصدِ تخلیق کو بھرپور طور پر اجاگر کرنے میں کلیدی کردار کی حامل ہو۔ جمادات سے لے کر نباتات اور حیوانات سے انسان تک کوحسبِ مرتبہ وضرورت اس فطری نعمت کا مستحق قرار دیا گیا اوراس کے ساتھ اس کی مقدارِ استعداد کا تعین اوراس کے دائرۂ کار واختیار کو بھی ایک خاص حد تک محدود کردیا گیا۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں اس حقیقت کوان الفاظ میں بیان فرمایا گیا۔ارشاد ہوا:

ان کل شیء خلقنه بقدر (بے شک ہم نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے ایک اندازے

سے)۔اس آیت مبارکہ میں کل کا لفظ ساری کائنات اور تمام موجودات پر محیط ہے، یعنی جو چیز بھی کتمِ عدم سے نکل کر منصۂ شہود پر آئی، آتی ہے یا آئے گی، اس کے امیال وعواطف اور کسب واستعداد کی ایک حد مقرر ہے، جس سے وہ کبھی جرأتِ تجاوز نہیں کرسکتی۔

چنانچہ ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے: والقمر قدرنه منازل حتى عاد كالعرجون القديم۔ لاالشمس ينبغى لها ان تدرك القمر ولاالیل سابق النهار و كل فى فلك يسبحون۔ ترجمہ: اور (ذرا) چاند کو دیکھو۔ ہم نے مقرر کر دی ہیں اس کے لیے منزلیں۔ آخرکار ہو جاتا ہے کھجور کی بوسیدہ شاخ کی مانند۔ نہ سورج کی یہ مجال کہ (پیچھے سے) چاند کو آ پکڑے اور نہ رات کی یہ طاقت ہے کہ دن سے آگے نکل جائے اور سب (سیارے اپنے اپنے) فلک میں تیر رہے ہیں۔

سورج کو جو غیر معمولی استعداد کا مالک بنایا گیا اور جس خصوصی فریضۂ منصبی کی ادائیگی پر اسے مامور کیا گیا، دوسرے تمام اجرامِ فلکی میں نہ تو وہ خاص استعداد رکھی گئی اور نہ ہی وہ سورج کے دائرۂ کار میں شریک کیے گئے۔ چاند تو سورج سے روشنی مستعار لے کر اپنے وجود کے آنگن کو منور و تاب ناک بناتا ہے۔ چنانچہ علم منطق میں مناطقہ اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ نور القمر مستفاد من نور الشمس۔ چاند کا نور سورج کے نور سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کی مزید وضاحت یوں کی گئی ہے:

فانا نجزم به بعد ملاحظة اختلاف اشكال القمر باختلاف او ضاعه من الشمس قربا و بُعداً ترجمہ: اس لیے کہ ہمیں سورج کے قریب اور بعید ہونے کی صورت میں چاند کی شکلوں کے مختلف ہونے سے اس بات کا یقین ہے کہ چاند کا نور سورج سے مستفاد ہے۔ منطق کی کتابوں میں اس کی تفصیل حدسیات کے ضمن میں موجود ہے۔

الحدس هو انتقال الذهن من المبادى الى المطلوب دفعةً۔ جیسے نور **القمر مستفاد من نور الشمس۔** حدسیات منطقی اصطلاح میں ایسے قضایا کو کہتے ہیں جن میں مبادی سے مطالب کی طرف یا مطالب سے مبادی کی جانب ذہن فوراً منتقل ہو جاتا ہو اور ان سے برہان مرکب ہوتا ہو۔ اس لیے حدسیات از قبیل بدیہیّات ہیں۔ مذکورہ بالا

تصریحات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ چاند کی انجمن حیات کی ساری رونقیں، دل آویزیاں، دل کشیاں اوراس کی ہمہ قسمی ہنگامہ آرائیاں سورج کی رہین منت ہیں۔ یہ صورت حال دیکھ کر بیدلؒ کا ایک ایسا شعر یاد آ گیا، جس کا مصداق صرف چاند ہی ہوسکتا ہے:

سادگیِ جنس چو آئینہ دکانے داریم
زینت ما بہ متاعِ دگراں می باشد

ہم آئینے کی طرح اپنی دکان پر صرف سادگی وصفائی کی جنس رکھتے ہیں۔ ہماری رونق و زینت کا سبب تو صرف آنے والے دوستوں کا وجود ہے۔ یاد رہے کہ یہاں سادگی سے مراد صفائی اور ہر قسم کی آلائش سے پاک ہونا ہے۔ ایسا ورق یا ایسی لوح جس پر کوئی نشان یا دھبہ نہ ہو، اسے فارسی والے ورقِ سادہ اور لوحِ سادہ کہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ آئینے کے پاس سادگی و صفائی کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ جس طرح قیمتی اشیا کا آئینے کے روبرو رہنے تک ہی آئینے کا گھر بارونق رہ سکتا ہے، اسی طرح ہمارے گھر کی رونقیں بھی دوست احباب کے وجود کی رہینِ منت ہوتی ہیں۔ جب وہ چلے جاتے ہیں تو ہماری حالت آئینے اوراس کی سادگی کی سی ہو جاتی ہے۔ چاند کی دکان کا حال بھی بالکل آئینے کی دکان جیسا ہے۔ جوں جوں مہر عالم تاب اس کے سامنے آتا جاتا ہے اس کی دکانِ وجود بارونق، تاب ناک اور نور ساماں ہوتی چلی جاتی ہے اور پھر چاند جوں جوں خورشید تاباں کے دائرۂ التفات سے خارج ہوتا جاتا ہے تو اپنے مقدر کی سابقہ تاریکیوں میں ڈوبتا چلا جاتا ہے۔

جو بات یہاں ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ ہم جنس ہونے کے باوجود ہر چیز کے مراتب استعداد جدا جدا ہیں۔ مثلاً: ہیرا بھی پتھر کی جنس ہے اور اس کا سلسلۂ نسب بھی معدنیات ہی سے ملتا ہے، مگر دونوں کے طبعی خواص اور فطری خصائص میں زمین وآسمان کا فرق بدستور موجود رہتا ہے۔ اس فرق کو بیدلؒ نے اپنے ایک شعر میں یوں واضح کیا ہے:

گر آبرو بُوَد از حادثات کاہش نیست
زیاں نمی رسد الماس را زِ سودن ہا

اگر کسی میں جوہر ذاتی موجود ہو، تو حادثاتِ زمانہ اس کے وجود پر نہ تو اثر انداز ہو سکتے ہیں اور نہ اسے ذرّہ بھر گھٹا سکتے ہیں۔ اس دعوٰی کی دلیل یہ ہے کہ ہیرے کو رگڑنے سے اس کی ذات میں کسی قسم کی کوئی کمی اور گھاٹا واقع نہیں ہوتا۔ وہ خود نہیں گھٹتا البتہ جب سامنے کی چوٹ آ جائے، تو وہ اپنے مدِ مقابل کے وجود کو آغوشِ عدم کی نذر ضرور کر دیتا ہے۔ یہ خاصیت اور یہ استعداد صرف ہیرے کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے اس لیے اگر دوسرے پتھروں کو اس کا ہم جنس قیاس کرتے ہوئے رگڑنا اور توڑنا شروع کر دیا جائے، یا وہ سلوک کیا جائے جو آج کل ہیروں سے کیا جاتا ہے تو وہ بے چارے کچھ ہی دیر میں اپنے وجود سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

کارِ پاکان را قیاس از خود مگیر
گرچہ آید در نوشتن شیر و شِیر

اگرچہ مرجان سمندر سے نکلتا ہے، لعل و زمرد اور ہیرے کا نوعی نسب ایک ہے اور بنیادی طور پر یہ سب آغوشِ معدن کے پروردہ ہیں، مگر جن لوگوں کا جوہر شناسی کی دنیا سے تعلق ہے اور جو ان کے خواص، ان کی قیمتوں کے باہمی تفاوت اور ان کی حقیقی پہچان کے سلسلے میں درس گاہ جوہر شناسی کے سند یافتہ ہیں، ایسے مستند لوگ ہی بتا سکتے ہیں کہ کس پتھر کی کیا قیمت اور کس کا کیا مقام ہے؟ اصلی ہیرے کے علامات و آثار کیا ہوتے ہیں اور اصل کا روپ دھارنے والے نقلی ہیروں کے طریقہ ہائے شناخت کیا کیا ہو سکتے ہیں؟ جس میں اچھے بُرے کی تمیز کی استعداد ہی نہ ہو، وہ زندگی کی ہنگامہ آرائیوں سے نہ تو کچھ سیکھ سکتا ہے اور نہ ہی شمّہ برابر محظوظ ہو سکتا ہے۔ حضرت بیدلؒ نے یہ حقیقت ثابت کرنے کے لیے کیا انوکھا طرزِ استدلال اختیار کیا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

بے تمیزاں ہمہ جا قابل بیرون در اند
برکنار است ز ہنگامۂ اعضا ناخن

جن میں کسی قسم کی تمیز کی صلاحیت نہیں ہوتی، وہ ہر جگہ دروازے کے باہر ہی رہنے کے قابل ہوتے ہیں، جس طرح ناخن جسم کے تمام اعضا کے ہنگامۂ احساس سے الگ تھلگ اور محروم حس ہوتا ہے۔ مقصد یہ کہ جس طرح دوسرے اعضا اپنے اپنے فرائضِ منصبی کو طبعی طور پر محسوس کرتے ہیں، ناخن میں اس قسم کے احساس کی چونکہ استعداد ہی نہیں رکھی گئی، اس لیے وہ ہنگامۂ

اعضا میں رہتے ہوئے بھی دولت احساس وتمیز سے محروم ہوتا ہے۔ یہ تو شعر کا وہ مفہوم ہے جو شاعر نے بیان کیا، دوسرا مفہوم جو سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ بے حس اور بے تمیز افراد معاشرہ انسانی حیات کی ہنگامہ آرائیوں سے چونکہ بالکل بے تعلّق ہوتے ہیں۔اس لیے انہیں گھر میں جگہ نہیں دی جاتی، بلکہ انہیں دروازے سے باہر نکال دیا جاتا ہے جس طرح ناخن بے حسی کی وجہ سے خانۂ جسم کی حدود سے باہر ہوتے ہیں۔حقیقت بھی یہی ہے کہ ناخن ہمیشہ وادیِ جسم کی سرحد پر ہی ہوتے ہیں۔میں نے اسی قسم کا مضمون اپنی ایک فارسی رباعی میں باندھا تھا،اسے بھی دیکھ لیجیے:

بد نیست اثر پذیر صحبت زِ نکو
ایں عقدہ تواں گشود از ناخن و مو
ہر چند دو جزو بدن حسّاسند
امّا اثر حس نہ پذیرند ازو

مطلب یہ کہ وہ انسان جو فطری طور پر منفی سوچ اور تخریبی اندازِ فکر کا مالک ہو، وہ کسی نیک فطرت اور مثبت سوچ رکھنے والے کے فیضان صحبت سے کسی قسم کا اثر وفیض حاصل نہیں کرسکتا۔

اگر ہم اس نکتے کو ذرا تفصیل سے سمجھنا چاہیں تو بال اور ناخن کی مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔ ہر چند کہ یہ دونوں یعنی بال اور ناخن ایک حسّاس بدن کا جزو ہوتے ہیں۔لیکن اس قرب ومعیت کے باوجود احساس کا اثر جسم سے حاصل نہیں کر سکتے اور بدستور بے حس رہتے ہیں۔اس کی دلیل یہ ہے کہ جب ناخن یا بالوں کو کاٹا جاتا ہے تو کسی قسم کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی، اگر ان میں احساس کی کچھ رمق بھی ہوتی تو ناخن اتارتے اور بال کاٹتے وقت ضرور تکلیف محسوس کی جاتی مگر ایسا نہیں ہوتا۔اس سے ثابت ہوا کہ جس کی قسمت میں بے حسی ہوتی ہے وہ حساس چیز کی معیّت وقرب کے باوصف اپنی فطری حالت یعنی بے حسی پر قائم رہتا ہے بقولِ بیدلؒ:

چوں سایہ چند بہر خاک جبہہ سودن ہا
کہ زنگ بخت نگردد کم از زدودن ہا

کب تک سائے کی طرح ہر دروازے پر اپنا ماتھا رگڑو گے، بخت کا زنگ تو کھرچنے سے

کبھی کم نہیں ہوتا۔سائے کے مقدر میں سیاہی لکھی جا چکی ہے۔ دیوارِ کعبہ کے سائے کے تقدس میں کسی مسلمان کو بھی کلام نہیں ،لیکن نہ تو اس کی سیاہی ڈھل سکتی ہے اور نہ اسے کوئی اور نام دیا جا سکتا ہے، وہ بہر حال سیاہی ہی کہلائے گی۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ نسبتیں حقائق اشیا بدلے بغیر ان کی قدر و منزلت کو بڑھا دیتی ہیں۔ دیوارِ کعبہ سے نسبت ہو جانے پر سایہ اپنی تاریکی کے باوجود دنیا بھر کے اہل ایمان کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن گیا اور اس کی تقدیس مسلمہ ہوگئی۔اسی طرح جس چیز کو حُسنِ بتاں سے نسبت ہو جائے وہ بھی ذوقِ جمال رکھنے والے اداشناس اہل درد کی نگاہوں میں کچھ سے کچھ بن کر پر کشش ہو جایا کرتی ہے۔

کسی کی زلف میں آئی تو حُسن کہلائی
وہ تیرگی جو مرے نامۂ سیاہ میں تھی

حضرتِ بیدلؔ ایک اور مقام پر استعداد کے فقدان کو تحقیق و تجسُّس میں ناکامی کی علت ٹھہراتے ہوئے یوں رقم طراز ہوتے ہیں:

موج و کف مشکل کہ گردد محرمِ قعرِ محیط
عالمے بیتابِ تحقیق است و استعداد نیست

موج اور جھاگ کے لیے سمندر کی گہرائیوں کے اسرار کو پا لینا ناممکن سی بات ہے۔ ایک دنیا وادیٔ تحقیق میں سرگرداں نظر آتی ہے جب کہ وہ مطلوبہ تحقیق کی استعداد ہی نہیں رکھتی۔

یہاں تحقیق سے مراد وہ اصطلاحی تحقیق نہیں جو ہمارے ہاں عام طور پر دیکھنے میں آتی ہے۔ اگر کچھ دیر کے لیے لفظِ تحقیق کو مروجہ معنوں میں لیا جائے اور اس کا اطلاق معاشرتی مسائل اور روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات پر کیا جائے تو میرے خیال میں محقق اعظم کے لقب کے مستحق صرف تھانوں کے ایس۔ ایچ۔او، عدالتوں کے مجسٹریٹ اور عدلیہ کے جج صاحبان ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ ان کی تحقیق کا طریقۂ کار بھی عجیب وغریب قسم کا ہوتا ہے۔اگر چہ کسی حد تک ان کی کاوشوں کو بھی تحقیق کے وسیع تر معانی کے دائرے میں داخل کیا جا سکتا ہے، مگر اس قسم کی تحقیقات کی سطح ان تحقیقات کے مراتب سے بہت ہی کم اور نیچی ہے، جن کی طرف بیدلؔ کے مندرجہ بالا شعر میں اشارہ

ملتا ہے۔ درحقیقت بیدلؒ جس تحقیق کا ذکر کر رہے ہیں، اس کا تعلق کائنات کے حقائق الاشیا اور اس کی مسلّمات میں غور و خوض کرنے سے ہے اور اس قسم کے غور و تدبر کی اہمیت کا تذکرہ قرآن کریم میں بکثرت ملتا ہے۔ بیدلؒ کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ حقائق کائنات کے ادراک و شعور کی استعداد نہیں رکھتے، ان کا حال سمندر کی موجوں اور سطح آب پر رونما ہونے والی جھاگ کا سا ہے کہ ان دونوں میں یہ استعداد ہی نہیں رکھی گئی کہ وہ سمندر کی گہرائیوں کے احوال سے آگاہی حاصل کر سکیں۔ اگر استعداد نہ ہو تو محض سر جھکا لینے سے کسی کو محقق نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ بیدلؒ ایک اور جگہ اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

طبع شہوت نسب از سیر گریباں عاریست
گردن خر سر تحقیق بہ آخر دارد

جس طبیعت کا نسب شہوات و خواہشاتِ نفسانیہ سے جا ملتا ہو، وہ گریبان کی دنیا کی سیر سے بالکل محروم ہوتا ہے، یعنی تفکر و تدبر سے اس کا کوئی رابطہ اور واسطہ نہیں ہوتا۔ اگر صرف سر جھکا لینے سے تحقیق و تدبر کا حق ادا ہو جاتا تو گدھا بھی اپنی گردن کھٹلے (کونڈے) میں جھکائے رکھتا ہے۔ کیا اس عمل سے کوئی صاحب عقل گدھے پر محقق کے لفظ کا اطلاق درست خیال کر سکتا ہے، قطعاً نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جب گدھے میں استعدادِ فکر ہی موجود نہیں تو اسے یا اس قسم کے اور گدھوں کو صرف سر جھکا لینے سے مصروف تحقیق کیوں کر سمجھا جا سکتا ہے؟

ہر چیز کی اپنی ایک استعداد ہے اور اس کی ایک حد مقرر ہے، جس سے وہ کبھی تجاوز نہیں کر سکتی۔ مثلاً: ان تین اشعار کو ملاحظہ فرمائیے، ان میں اس بات کو کیسے انوکھے دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

خامہ ہر چند دَوَدُ لیک بمعنیٰ نہ رسد
سعی کارے نہ کند چوں نہ بود استعداد

تحریر کے وقت قلم صفحۂ قرطاس پر خواہ کتنی ہی بھاگ دوڑ سے کام کیوں نہ لے الفاظ کے معانی تک اس کی رسائی ناممکن ہے۔ اس لیے کہ جب استعداد نہ ہو تو کسی قسم کی کوئی کوشش مفید و بارآور ثابت نہیں ہو سکتی۔ قدرت نے قلم کی قسمت میں صرف الفاظ ہی تک رسائی لکھی ہے۔ اب اگر وہ

عرفانِ معانی کے حصول کے لیے تگ ودو کرے تو یہ سعیِ لاحاصل ہوگی۔

نمی آید بہ کار اسباب ، استعداد می باید
پریدن کار بالش نیست گرچہ با پر و بال است

جب تک استعدادِ کار نہ ہو تو اسباب سے تمسک کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اڑنا پروں کی قوت بالیدگی کا کام نہیں ہے۔ اگر چہ وہ پروں کی ''جزو لاینفک'' ہوتی ہے۔ بلکہ پرواز ایک الگ استعداد کا نام ہے بالیدگی ونمو ایک الگ عمل ہے۔ اگر اس مفہوم کو ذرا اور پھیلایا جائے تو واضح ہوگا کہ قوت نمو میں صلاحیتِ پرواز کا نہ ہونا تو درکنار ہر پرندے کے پر از خود اڑنے کی اہلیت بھی نہیں رکھتے۔ چونکہ قدرت نے پرندے کے ضمیر میں استعداد پرواز رکھی ہوتی ہے، اس لیے جس وقت وہ اپنی استعداد کو بروئے کار لاتے ہوئے مصروف پرواز ہوتا ہے اس وقت پر ہی اسے اسباب کا کام دیتے ہیں۔ اس ضمن میں پر اور ان کی بالیدگی بھی اس پرندے کے ساتھ شریک پرواز ہوتی ہے۔

می رسد روزی بہر کس در خورِ ہمت ز غیب
کے بدامِ عنکبوت افتد شکارے جز مگس

ہر چیز کو اس کے حوصلہ و استعداد کے مطابق ہی غیب سے روزی ملتی ہے۔ مکڑی کے جالے میں مکھی کے علاوہ کوئی اور شکار نہیں پھنس سکتا۔ اس لیے کہ جالے کی کمزور تاریں اتنا ہی بوجھ اٹھا سکتی ہیں جتنی ان میں طاقت ہے۔ اگر وہاں مکھی کے بجائے کوئی وزنی پرندہ آ جائے تو دم بھر میں خانہ اور صاحب خانہ کی وہ مختصر سی دنیا تہس نہس ہو کر رہ جائے۔

مرے خیال میں دنیا اجڑ گئی میری
ترے خیال میں تنکوں کا آشیانہ تھا

اس ضمن میں مثنوی کے چند اشعار بھی پڑھ لیجیے، جن میں عارفِ رومیؒ نے بڑی نادر مثالوں کے ذریعے یہ حقیقت ذہن نشین کرانے کی سعی کی ہے:

بے ز استعداد بر کانے روی
بر یکے حبہ نگردی محتوی

حصولِ جواہرات کی استعداد نہ رکھتے ہوئے اگر تو جواہرات کی کان پر جائے گا جواہرات تو دور کی بات ہے، ایک دانۂ جوہر بھی ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس لیے کہ جواہرات کے لیے ایک تو معدن (کان) کی شناخت کا ملکہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ کان میں پتھر اور جواہرات ملے جلے ہوتے ہیں۔ گوہر برآری ایک مستقل فن ہے اور مخصوص شعور و استعداد رکھنے والوں ہی کا کام ہے۔

ہمچو عنینے کہ بکرے را خرد

گرچہ سیمیں تن بود کے بر خورد

بے استعداد آدمی نامرد کی مثل ہے، جو کسی باکرہ لونڈی کو خرید لے۔ اگرچہ وہ لونڈی سیم اندام ہی کیوں نہ ہو، مگر وہ نامرد اس سے مباشرت نہیں کرسکتا، اس لیے کہ وہ اس صلاحیت سے محروم ہے۔

چوں چراغے بے ز زیت و بے فتیل

نے کثیرستش ز نور و نے قلیل

ایک بے استعداد انسان کی مثال ایسے ہے جیسے ایک خالی چراغ جس میں نہ تیل ہو نہ بتی۔ تو اس میں نور نہیں ہوسکتا، نہ کم اور نہ زیادہ۔ اس لیے کہ اس میں ابھی تک استعدادِ نور پیدا نہیں ہوئی۔

در گلستان اندر آید اخشمے

کہ شود مغزش ز ریحاں خرّمے

یا اس کی مثال اس آدمی کی سی ہے جس کی قوتِ شامہ فاسد ہو، یعنی وہ سونگھنے کی قوت سے محروم ہو۔ وہ اگر باغ کی طرف آنکلے تو اس کا دماغ بوئے گل سے کیوں کر معطر اور محظوظ ہوسکتا ہے، کیونکہ اس میں سونگھنے کی استعداد ہی نہیں۔

ہمچو خوبے دلبرے مہمان غُر

بانگ چنگ و بربطے در پیش کرّ

جیسے ایک حسین دوشیزہ کسی نامرد کی مہمان ہوجائے، جس میں صلاحیت مصاحبت ہی نہیں، یا جیسے سارنگی اور بربط کی سریلی آواز کسی بہرے یا موسیقی کا شعور نہ رکھنے والے مورکھ کے آگے کیا معنیٰ

رکھتی ہے، کیونکہ وہ استعداد سے محروم ہے۔

ہمچو مرغِ خاک کآید در بحار
زاں چہ یابد جز ہلاک و جز خسار

اور جیسے خشکی کا پرندہ جو سمندر یا دریاؤں میں آ پڑے تو اس کو وہاں ہلاکت وضرر کے سوا اور کیا مل سکتا ہے؟ کیونکہ اس میں تیرنے کی استعداد ہی نہیں۔

آسیائے چرخ بر بے گندماں
مو سپیدی بخشد و ضعف میاں

آسمان کی چکی ان لوگوں کو جو استعداد (صلاحیت) کے گیہوں سے خالی ہوئے ہیں صرف بالوں کی سفیدی اور کمزوریِ کمر بخشتی ہے۔ یعنی عدم استعداد کی بنا پر وہ کوئی کمال وحُسن پیدا نہیں کر سکتے، حتیٰ کہ بڑھاپا آ جاتا ہے، بال سفید ہو جاتے ہیں اور کمر خم ہو جاتی ہے۔

لیک با ، بے گندماں ایں آسیا
ملک بخش آمد دہد کار و کیا

لیکن یہی آسمان کی چکی گیہوں یعنی استعداد والوں کو بادشاہی بخشنے اور عہدہ وعظمت عطا کرنے والی ہے۔ کیونکہ اہل استعداد طرح طرح کے کمالات حاصل کر لیتے ہیں۔

اول استعداد جنت بایدت
تا ز جنت زندگانی زایدت

پہلے تم میں بہشت جانے کی استعداد ہونی چاہیے، تاکہ جنت کی اس استعداد سے تمہاری ابدی حیات پیدا ہو سکے۔

طفلِ نَو را از شراب و از کباب
چہ حلاوت از قصور و از قباب

نومولود بچے کو شراب وکباب سے کیا لذت اور محلات اور گنبدوں سے اسے کیا دلچسپی۔ جب کہ اس میں ان اشیا کے پسند و ناپسند اور رد و قبول کی استعداد ہی نہیں پائی جاتی۔

استعداد کی اہمیت کو اجاگر اور واضح کرتے ہوئے مولائے روم آخر میں فرماتے ہیں:

حد ندارد ایں مثل کم جُو سخن
تو برو تحصیلِ استعداد کن

ان مثالوں کی تو کوئی حد نہیں۔ تم تمثیلات و نظائر کی تقریروں کے طالب نہ بنو، بلکہ جاؤ اور جو کام کرنا چاہتے ہو پہلے اس کے لیے استعداد پیدا کرو جو مقصود تقریر و تفسیر ہے۔

مذکورہ بالا تصریحات کو اگر ذہن میں رکھا جائے تو انسانی استعداد کے مختلف مراتب و مراحل اور ان کے باہمی تفاوت کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ انسان کے مراتب استعداد بھی الگ الگ ہوتے ہیں۔ کچھ لوگوں کی استعداد درجۂ حیوانیت سے متجاوز نہیں ہو پاتی اور وہ صرف حیات کی اساسی ضروریات تک ہی محدود رہتے ہیں، یہ انسانی استعداد کا سب سے کم مرتبہ ہے۔ ان سے اونچا طبقہ ان اصحاب کا ہے، جو ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے ساتھ ساتھ اپنی استعداد کے رجحانات اور تقاضوں کی مناسبت سے بعض علوم و فنون سیکھ لیتے ہیں۔ اس طرح ان کا شمار تعلیم یافتہ اور اربابِ فن میں ہوتا ہے، یہ استعداد کا درجہ اوسط ہے۔ آخری اور سب سے بلند طبقہ وہ ہے جن پر جامع الکمالات، نابغۂ روزگار اور فطین (Genius) کے القاب صادق آتے ہیں۔ قدرت نے انہیں استعداد کے اس نقطۂ عروج پر فائز کیا ہوتا ہے کہ اگر وہ اپنی استعداد کو بروئے کار لائیں اور ذرا توجہ سے کام لیں تو کائنات کا کوئی علم اور کوئی فن ان کے دائرۂ گرفت سے باہر نہیں جانے پاتا۔ بلکہ جس موضوع کو ان کے آئینۂ استعداد کے روبرو پیش کیا جاتا ہے وہ نہ صرف یہ کہ اس پر برجستہ محو گفتگو ہو جاتے ہیں، بلکہ اس موضوع پر ایسے عالمانہ، محققانہ اور ناقابل تردید عقلی و نقلی دلائل کا ایک دریا بہاتے نظر آتے ہیں اور اپنے جوہر استعداد سے ایسی ایسی نادرہ زائیاں کرتے دکھائی دیتے ہیں کہ آیت و حملہا الانسان میں پوشیدہ حقیقت کبریٰ ذہن پر منکشف ہو جاتی ہے۔ ان کے زیر بحث موضوع کا جو صحیح تجزیہ اور حتمی نتیجہ برآمد ہوتا ہے، اس کے قبول کرنے میں سلیم الطبع، انصاف پسند، معقول اور ذی ہوش سامعین کبھی بھی تاخیر سے کام نہیں لیا کرتے۔

مذکورہ بالا صفاتِ عالیہ، خصائص اور استعداد کے مالک غزالیؒ، رازیؒ، رومیؒ اور امیر خسروؒ

جیسے ذہن کے لوگ ہی ہو سکتے ہیں، اور ایسے حضرات صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور جس خطۂ ارض کو ان کی قیام گاہ کا شرف مل جاتا ہے، وہ قیامت تک نہ صرف یہ کہ اپنے اس اعزاز پر فخر کرتا ہے، بلکہ دنیا اس خطہ کے باشندوں کو بھی اس نابغۂ روزگار سے قربت کے باعث بہ چشم احترام دیکھتی ہے۔

بر زمینیکہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

داریت قوما فی هواك وهم عدى
ولاجل عين الف عين تكرم

تیری محبت کے سبب مجھے اس قوم کے ساتھ بھی حسن سلوک اور مروت سے پیش آنا پڑا جو میرے دشمن تھے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ایک آنکھ کی خاطر ہزار آنکھوں کی عزت کرنا پڑتی ہے۔

بہ یوسف می تواں بخشید جرمِ کاروانے را

❁❁❁

(17)

چشم پوشی

تغافل از بد و نیک اعتبار اہل حیا ست
کہ سرخ روئِ چشم آوَرَد غنودن ہا

ترجمہ:

ہر نیک و بد سے بے اعتنائی اہل حیا کا طرۂ امتیاز ہے کہ آنکھ کی سرخی غنودگی پر منتج ہوتی ہے۔

تشریح:

یوں تو بیدلؒ کا ہر شعر اپنے اندر ایک جہانِ معنی لیے ہوئے ہوتا ہے، مگر جس عمدگی، خوش اسلوبی اور پُرکاری سے اس شعر میں اپنے نقطۂ نظر کو واضح کرتے ہوئے درسِ اخلاق دیا گیا ہے اور

دعوٰی و دلیل کے علاوہ جن تشبیہات، لفظی رعایات اور شعری تلازمات کا لحاظ رکھا گیا ہے، ان کی داد نہ دینا بڑی کورذوقی اور ناانصافی ہوگی۔

بیدلؒ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ انسانی معاشرے کے جو نیک سیرت اور بلند کردار افراد اپنے دوسرے ہم جنسوں کے اعمالِ نیک و بد کے سلسلے میں تغافل اور تسامح سے کام لیتے ہیں دراصل وہی افراد شرم و حیا کے مقامِ بلند پر فائز ہوتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ ان کو دین و دنیا میں سرخرو کرنا چاہتا ہے تو اہل دنیا کے اچھے برے اعمال کے لیے ان کے دل میں ذوقِ تسامح پیدا کر دیتا ہے۔ جب وہ ہر نیک و بد سے تغافل برتنا شروع کر دیتے ہیں، تو بہ ظاہر ان پر آثارِ غفلت نظر آتے ہیں، لیکن ان کی چشم باطن سرخروئی دارین کے مشاہدے میں مستغرق ہوتی ہے۔ جو لوگ اپنے گریبان میں جھانکنے کے عادی ہوتے ہیں انہیں دنیا کے نیک و بد کی طرف نگاہِ تنقید اٹھانے کی فرصت ہی کب ہوتی ہے؟ البتہ جو کم نظر خود احتسابی سے کتراتے ہیں اور اپنے اعمال و افکار کا تنقیدی جائزہ لینے کے حق میں نہیں ہوتے وہی لوگ دوسروں پر کیچڑ اچھالنے، ان کے حالات کی جاسوسی کرنے اور ان پر طرح طرح کی الزام تراشیاں کرنے کے مذموم فعل میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اسلام میں احتسابِ نفس کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور قرآن و حدیث میں اس کے متعلق واضح احکام موجود ہیں۔ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور معروف مشائخ عظام کا ہمیشہ یہ معمول رہا ہے۔ صحابۂ کرام کی سوانح میں محاسبۂ ذات یا خود احتسابی کی حیرت انگیز مثالیں سامنے آتی ہیں اور امر واقع بھی یہی ہے۔ محاسبۂ نفس دارین کی کامیابیوں کا باعث ہوتا ہے، خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی۔

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

ارشادِ باری ہے: یاایھا الذین امنوا اتقوا الله ولتنظر نفس ما قدمت لغد واتقوا الله ان الله خبیر بما تعملون ترجمہ: اے ایمان والو! ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کیا آگے بھیجا ہے کل کے لیے اور ڈرتے رہا کرو اللہ تعالیٰ سے، بے شک اللہ تعالیٰ خوب آگاہ ہے جو تم کرتے رہتے ہو۔

امام غزالیؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''**احیاء العلوم**'' میں اور حضرت مجد د الف ثانیؒ نے ''**مکتوبات**'' میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس عمل کی اہمیت بیان کی ہے اور مثالوں سے اس کا طریقہ سمجھایا ہے۔

کسی کے عیب جانتے ہوئے اس کا اظہار نہ کرنا تسامح یعنی چشم پوشی کہلاتا ہے اور یہ بلاشبہ اربابِ ہمم کی صفاتِ عالیہ میں سے ایک بلند وصف ہے اور اولیائے کاملین کا شعارِ خاص ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اس وصف کا مالک درحقیقت خداوندِ عالم ہے۔ کیونکہ اسی کو ستّارُ العیوب کہا جاتا ہے اور اس کا یہی وصف نادان، شرمسار و خطا کار بندوں کا آخری سہارا ہے۔ اگر وہ چشم پوشی اور اپنی شان ستاری وغفاری سے کام نہ لے اور مخلوق کے جسم سے چادرِ ناموس کھینچ لے تو بڑے بڑے لوگوں کے بھرم کھل کر رہ جائیں۔ چونکہ وہ خالقِ برحق اور کریمِ مطلق ہے اس لیے اپنی ہی بنائی ہوئی شے کو ذلت و رسوائی کے گڑھے میں نہیں دھکیلتا اور اپنے مصنوع کو تماشا نہیں بننے دیتا۔

یقیں ہے محشر میں ہو تباہی مگر جو تو چاہے یا الٰہی
سمٹ کے سب میری روسیاہی نشانِ سجدہ بنے جبیں کا

بلکہ اپنی مخلوق کی سیاہ کاریوں اور ان کے جرائم کو اپنی ردائے ستاری سے ڈھانپے رکھتا ہے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ چشم پوشی رب العزت کی شان ہے اور عفو و درگزر اس کا شیوہ۔

میری لغزشوں پہ نہ کر نظر تو رحیم ہے تو کریم ہے
مری خو خطا، تری خو عطا، نہ یہ مجھ میں کم نہ وہ تجھ میں کم

مگر حلیم الفطرت اور کریم النفس انسانوں ہی کا یہ معمول ہوسکتا ہے کہ

یک صواب بہ بینند و صد خطا بخشند

کا مصداق ہوتے ہیں۔ اوچھے، کم ظرف اور بازاری لوگوں کے بس کی بات نہیں۔ چشم پوشی کے سلسلے میں رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ سے بے شمار شواہد بطورِ سند پیش کیے جاسکتے ہیں۔ اس کی اہمیت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ضرور ملاحظہ فرمایئے:

حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: من رای عورة فسترها کان

کمن احی مؤددۃ ۔ ترجمہ: جو شخص کسی کا عیب دیکھ کر پردہ پوشی کرے وہ اس شخص کی طرح ہو گا جس نے قبر میں دفن شدہ مردہ عورت کو زندہ کیا۔

چونکہ رسالت مآب علیہ السلام اللہ کی تمام صفات تجلیات کے مظہرِ اتم ہیں۔ اس لیے اللہ کے بعد ان سے بڑھ کر کوئی رؤف ورحیم اور خطا پوش نہیں ہوسکتا اور اسی بنا پر آنحضرتؐ کو ان القاب سے نوازا گیا ہے۔ اولیائے کرام اور خاصانِ خدا ان ہی اخلاقِ کریمانہ کی بدولت مرتبۂ قرب ومعیت پر فائز ہوتے ہیں۔

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین محبوبِ الٰہی زری زر بخش قدس سرہٗ کے متعلق مستند روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ چند عقیدت مند بہ صورتِ جماعت آفتابِ محبوبیت کی جھلک دیکھنے کو آرہے تھے کہ راستے میں ایک حجت باز قسم کے مولوی صاحب سے ملاقات ہو گئی۔ مولوی صاحب نے منزلِ مقصود کے بارے میں استفسار کیا تو جواب ملا کہ ہم لوگ حضرت سلطان المشائخ محبوبِ الٰہی کے چہرۂ اقدس کا احرامِ زیارت باندھے ہوئے ہیں۔ مولانا فرمانے لگے چلو ہم بھی چلتے ہیں، دیکھیں تو وہاں کیا ہے۔ کسی نے کہا کہ میں نذر میں یہ چیز پیش کروں گا، کسی نے کہا میں فلاں چیز پیش کروں گا، مولوی صاحب نے فرمایا ارے بھائی! جہاں اتنے لوگ مختلف قسم کے نذرانے پیش کررہے ہوں وہاں نذرانہ وصول کرنے والے کو کیا خبر کہ کس نے کیا اور کتنا نذرانہ دیا۔ یہ کہا اور زمین سے چٹکی بھر مٹی اٹھا کر ایک پُڑیا میں باندھ لی اور زائرین کے ہم سفر ہو گئے۔ جب بارگاہِ محبوبی میں شرفِ باریابی حاصل ہوا تو سب نے اپنی توفیق اور اپنے ذوقِ عقیدت کے مطابق نذرانہ پیش کیا۔ سلطان المشائخ خاموش رہے اور قبول فرماتے گئے۔ یہاں تک کہ مولوی صاحب نے بھی نذرانۂ خاک بحضور محبوبِ پاکؒ پیش کر دیا۔ کچھ دیر بعد جب نذر بردارِ خاص (اقبال) آپ کے سامنے سے پیش کردہ نذریں اٹھانے لگے تو آپ نے فرمایا کہ اس پُڑیا کو یہیں میرے پاس رہنے دو، یہ تو مولوی صاحب کی عنایت خاص ہے کہ وہ میرے لیے اتنی دُور سے آنکھ کا سرمہ لائے ہیں۔ یہ سن کر مولوی صاحب چونکے اور کانپنے لگے۔ حضرت سلطان المشائخ نے مولوی صاحب کی اس شرم ناک حرکت کو صیغۂ راز میں رہنے دیا تو مولوی صاحب فرطِ ندامت سے زمین بوس ہو گئے، معافی

مانگی اور حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ اگر اس دور کا کوئی جعلی پیر ہوتا تو اس کے چیلے مولوی صاحب کا جو حشر کرتے وہ دیدنی ہوتا۔ سلطان المشائخ کی اس دل ربا یانہ چشم پوشی نے چشم زدن میں مولوی صاحب کے دل کی دنیا بدل کر رکھ دی۔ اگر یہی مضحکہ خیز سلوک آج کل کے کسی مولوی یا کسی دنیا دار سے کیا جائے تو کرنے والے کی شامت آجائے اور نہ معلوم جذبۂ انتقام کب تک بھڑکتا رہے۔

اس روایت کے نقل کرنے سے مدعا یہ ہے کہ اولیائے کرام اور مقبولانِ بارگاہِ ذُوالجلال ہمیشہ چشم پوشی سے کام لیا کرتے ہیں۔ اگر کوئی عاقبت نااندیش، گستاخ حدودِادب اور دائرۂ اخلاق سے نکلنا شروع کر دے تو میرے خیال میں سبق آموزی کی خاطر ایسے مواقع پر ہنگامی تدابیر کو ضرور بروئے کار لانا چاہیے، بہر حال یہ میری ذاتی رائے ہے۔ ایک اور شعر میں میرزا بیدلؔ خاصانِ خدا کی فطری خصوصیات کا تجزیہ یوں کرتے ہیں:

بر جوہر حیا نہ پسندند انفعال
صد عیب را بیک مژہ بستن ہنر کنند

وہ اپنے جوہر حیا کے لیے شرمندگی کو پسند نہیں کرتے، بلکہ اپنی ایک پلک بند کرنے سے سیکڑوں عیوب کو ہنر میں تبدیل کر دیا کرتے ہیں۔ مصرعِ ثانی میں یک مژہ کی ترکیب کو صد عیب کی مناسبت و رعایت سے استعمال کیا گیا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ تنہا ایک پلک تو بند نہیں کی جا سکتی۔ ان تراکیب کے استعمال سے مقصود یہ ہے کہ وہ ایک پلک کو بند کر کے سیکڑوں عیوب چھپا دیتے ہیں اگر فرداً فرداً پلک کے ایک ایک بال کو بند کرتے جائیں تو لاکھوں افراد کے کروڑوں عیوب چھپا سکتے ہیں۔ اس مبالغہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے ایسے نیک بندے جس کثرت سے چشم پوشی کے عمل کو جاری رکھتے ہیں، اس کا حساب وشمار ممکن نہیں۔ میرزا صائبؔ تبریزی نے بھی چشم پوشی کے سلسلے میں خوب بات کہی ہے، فرماتے ہیں:

بہ بند چشم خود از عیبِ مردماں صائبؔ
ترا کہ نیست میسر برہنہ پوشیدن

اے صائبؔ! لوگوں کی عیب جوئی اور ان کے مناظر عیب دیکھنے سے اپنی آنکھیں بند کر لے، اگر تو کسی برہنہ جسم کو کپڑے نہیں دے سکتا، مطلب یہ کہ اگر کوئی شخص کسی برہنہ جسم کو کپڑا پہنانے کی استطاعت و توفیق نہیں رکھتا تو اسے چاہیے کہ وہ کم از کم کچھ دیر کے لیے اپنی آنکھیں ہی بند کر لے۔ بالکل یہی مضمون میرزا بیدلؒ کے ایک شعر میں بھی بیان ہوا ہے مگر انہوں نے اپنے انفرادی اسلوب میں اس حقیقت کو پیش کیا ہے، فرماتے ہیں:

دلِ بے نوا بہ کجا برد ، غمِ تنگ دستی و مفلسی

مژہ برہم آورم از حیا کہ برہنہ اے بہ قبا رسد

خلقِ خدا کی تنگ دستی و افلاس کے غم کو میرا دلِ بے نوا کہاں لے جائے؟ جب مجھ سے اور کچھ نہیں ہو پاتا تو میں شرم و حیا سے اپنی پلکیں بند کرلیا کرتا ہوں تا کہ ایسا کرنے سے کسی ننگے جسم کو قبا مل جائے۔

بات تقریباً وہی ہے جو صائبؔ نے کہی مگر جس کرب آمیز لہجے میں بیدلؒ نے انسان کی تنگ دستی اور اس کے افلاس کا ماتم کیا ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے۔ آپ نے غور فرمایا کہ بیدلؒ جیسے گدازِ قلب کے مالک، خدا ترس و پاک باز اور نیک سیرت لوگ افلاس کے ماروں اور ننگے جسموں میں کس شانِ فیاضی سے چشم زدن میں کتنی پوشاکیں پہنا دینے کا اہتمام کرتے ہیں۔ کیا یہ خیال کبھی اربابِ دولت کو بھی دامن گیر ہوا؟ شاعرِ بے نوا چوں کہ صاحبِ دولت و ثروت نہیں، اس لیے اس نے برہنہ جسموں کو اپنی بساط کے مطابق پوشاک پہنا دینے کا آسان طریقہ ایجاد کرلیا۔ کاش کہ برہنہ جسموں کی عریانی و رسوائی کا ایسا ہی احساس کبھی شاہانِ وقت اور صاحبانِ قدرت کو بھی ہو جائے۔

شاعر نے یہ بھی سمجھا دیا کہ اگر ارباب دولت اور کالے دھن کے مالک کسی برہنہ جسم کو پوشاک فراہم کرنے کی توفیق نہیں رکھتے تو کم از کم شاعر کے اس سستے اور زود اثر نسخے ہی پر عمل کرلیا کریں۔ شاید آنکھ بند کرنے اور کھولنے کی اس مشقِ مسلسل سے ان کی آنکھ میں کسی دن شرم و حیا کی کوئی لہر دوڑنے لگ جائے۔

۞۞۞

(18)

یادِ ماضی

به عافیت نیم ایمن ز کلفتے که کشیدم
چو آں غریق که آرند بر کرانش و لرزد

ترجمہ:

میں عافیت و امن پا کر بھی حیات ماضی کے مصائب و شدائد نہیں بھولا۔ بلکہ میری مثال تو اس غریق جیسی ہے، جسے کنارے پر لایا جائے اور وہ کانپ رہا ہو۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ قدرت نے مجھے گذشتہ زندگی میں جن تلخیوں اور صبر آزما مراحل سے گزارا، میں انہیں عالمِ عافیت و امن میں آ کر بھی نہیں بھول سکا، بلکہ جب کبھی ایّامِ رفتہ کا تصور لوح ذہن پر ابھرتا ہے تو اس کی دہشت میری دنیائے سکون وطمانیت میں ایک غیر معمولی ہلچل بپا کر دیتی ہے اور پہروں میرے وجود پر کپکپی طاری رہتی ہے، بالکل اسی طرح جس طرح کسی ڈوبنے والے کو کنارے پر لایا جائے تو اس کا پورا جسم غرقابی کے اثرات سے صورتِ سیماب کانپ رہا ہوتا ہے حالانکہ اس کا ڈرنا اور کانپنا بے سبب ہے کہ اب تو وہ قعرِ دریا سے نکل کر ساحل کی آغوش امن میں آ چکا ہوتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہوتا، بلکہ اس کا وجود دہشت و اثرات غرقابی سے جسمانی کپکپاہٹ، اعصابی اضمحلال اور ذہنی سراسیمگی میں دیر تک مبتلا نظر آتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میرا حال بھی بالکل یہی ہے۔ جب ایام گذشتہ کی تلخیاں اپنوں، بیگانوں، عزیزوں اور قریب ترین رشتہ داروں کا سلوک یاد آتا ہے تو کچھ دیر کے لیے موجودہ آرام و آسائش کا احساس مجھے خیر باد کہہ جاتا ہے اور میں ایک گونہ ذہنی کرب و اضطراب سے دوچار ہو جاتا ہوں۔

یہ صورت حال ایک نا قابلِ تردید حقیقت ہے، جس کا مشاہدہ عام زندگی میں کیا جا سکتا ہے کہ بچپن کے نقوش لوحِ ذہن سے تا دمِ مرگ زائل نہیں ہوتے۔ عزیز و اقارب، بچے سے جس قسم کا سلوک کرتے ہیں، اس کے اثرات ہمیشہ کے لیے اس کے حافظے میں محفوظ ہو جاتے ہیں اور وہ اچھے برے سلوک کے اثرات کو عمر بھر محسوس کرتا رہتا ہے۔ وقت تو گزر ہی جاتا ہے، مگر خویش نما بیگانوں کی کرم فرمائیاں ایسی نہیں ہوتیں، جنھیں بآسانی بھلایا جا سکے۔ اشکؔ رام پوری مرحوم نے اسی سلسلے میں چند شعر کہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

آئی بھی اور گزر بھی گئی رنج کی گھڑی
لیکن سلوک یاد احبا کے رہ گئے
اک وہ کہ خود بلائے گئے بزم ناز میں
اک ہم کہ اپنے آپ کو سمجھا کے رہ گئے
اب اس کا کیا علاج کہ اے مرگ ناگہاں!
ارمان دل میں اس ستم آرا کے رہ گئے
مل جل کے سب نے خاک میں مجھ کو ملا دیا
احسان مجھ غریب پہ دنیا کے رہ گئے

حضرت امام زین العابدینؑ سے کسی نے پوچھا اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ کو کبھی ہنستے یا مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ جس نے منظر کربلا کا مشاہدہ بہت قریب سے کیا ہو وہ کبھی ہنسنے یا مسکرانے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ معلوم ہوا کہ حضرت امام قدس سرہ کے تبسّم آفریں تصورات پر واقعۂ کربلا کی بھیانک یادیں ہمیشہ اثر انداز رہیں جو بشریت کا تقاضا تھا۔ جو لوگ حُبِّ آلِ زہراؑ میں سچے ہوں، ان کی ذہنی اور قلبی کیفیات بھی اسی قسم کی ہوتی ہیں۔

عام ذہن کے لوگ چھوٹے موٹے واقعات اور انسانوں کے اچھے برے سلوک کو زیادہ دیر تک ذہن میں محفوظ نہیں رکھتے، جب کہ حسّاس طبع افراد کا دل و دماغ انہیں ہمیشہ تازہ اور یاد رکھتا ہے اور وقت کے ساتھ احباب کے بدلتے ہوئے رویوں کا بہ نظرِ غائر جائزہ لیتا

رہتا ہے۔ کبھی عہدِ طفولیت اور کبھی جوانی میں کسی لگائے گئے داغ کو یاد کر کے وقت گزارتا رہتا ہے۔ بقولِ مولانا غنیمتؔ کنجاہی قدس سرہ:

بہ داغِ یاد ہائے رفتہ دل دارد تماشائے
بود طاؤس را سیرِ چمن بر گشت دیدن ہا

یعنی گذشتہ یادوں کے داغوں کو دیکھ کر دل نظارہ اندوزی کرتا ہے کیونکہ طاؤس کا اپنے پھیلے ہوئے پروں پر نظر دوڑانا اور پروں کے داغوں کا دیکھنا سیر چمن کے مترادف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح طاؤس کو جب کبھی سیر چمن کی خواہش ہوتی ہے تو وہ کہیں اور جانے کی بجائے اپنے پر پھیلا لیتا ہے اور مُڑ کر اپنے ماضی کے داغوں کا تماشا کر لیا کرتا ہے اور اسے سیر چمن تصور کر لیتا ہے۔ اسی طرح جب تفکرات زمانہ میری طبیعت پر کیفیّت انقباض پیدا کرتے ہیں تو جی بہلانے کی خاطر ماضی کی یادوں سے رابطہ قائم کر لیتا ہوں تا کہ کسی صورت وقت گزر جائے۔ بعض لوگ مندرجہ بالا انداز کو اپنا کر وقت گزارنے کے عادی ہوتے ہیں اور بعض یادرفتہ کو عذاب خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ اس دور کا ایک شاعر کہتا ہے:

یاد ماضی عذاب ہے یا رب!
چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

یا کچھ لوگ مندرجہ ذیل رباعی کے مضمون پر عمل پیرا نظر آتے ہیں:

مے خوردن من نہ از برائے طرب است
نہ بہرِ ریا و ترکِ دین و ادب است
خواہم کہ بہ بے خودی بر آرم نفسے
مے خوردن و مست بودنم زیں سبب است

میں عیّاشی کے لیے شراب نہیں پیتا اور نہ ریا کاری اور دین وادب کی توہین کی خاطر پیتا ہوں، بلکہ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ خود فراموشی کے کچھ لمحات مجھے میسر آ جائیں۔ میرا شراب پینا اور مست رہنا صرف اسی غرض سے ہے۔

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اک گونہ بے خودی مجھے دن رات چاہیے

بہر حال اسے ترغیبِ مے نوشی تصور نہیں کرنا چاہیے، بلکہ شاعر نے ان اشعار میں بے خودی کی اہمیّت کو اجاگر کرنے کے لیے جو دلیلِ جواز پیش کی ہے، اسے دیکھنا چاہیے۔ ان سب باتوں سے افضل یہ ہے کہ انسان اللہ کا ذکر، اس کی عبادت اور قرآن و حدیث کا مطالعہ کرے۔ اس سے نہ صرف وقت اچھا گزرے گا بلکہ اجر وثواب بھی ملے گا، کیونکہ طمانیت قلب کے لیے ربُّ العزّت نے یہی نسخہ ارشاد فرمایا ہے: الا بذكر الله تطمئن القلوب اللہ کے ذکر سے ہی سکون قلب کی دولت عطا ہوتی ہے۔

نہ دولت سے نہ دنیا سے نہ گھر آباد کرنے سے
تسلّی دل کو ہوتی ہے خدا کو یاد کرنے سے

(۱۹)

مطالعۂ دل

ز نقد و جنس خود آگہ نہ ای دریں بازار
اگر بہ فہمِ زیاں ہم رسیدہ ای ، سُود است

ترجمہ:

وجود کے اس بازار میں نہ تو اپنی قیمت سے واقف ہے اور نہ جنس سے، لہٰذا اگر تجھے اپنے نقصان کا علم بھی ہو جائے تو اسے تُو اپنے حق میں نفع ہی سمجھ۔

اس شعر میں بیدلؔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کائنات کو ایک بازار سمجھو، جس میں ہر طرح کی اشیا سجائی گئی ہیں۔ ان سب کی طرح تم بھی اپنے خالق اور صانع کے مصنوع ہو، جس طرح دوسری چیزوں میں خوبیاں رکھی گئیں، تم میں بھی بہت سی خوبیاں ہیں اور تم بھی ایک صانع کے شاہکار ہو۔ تم

نے دیگر مصنوعات میں تو خوبیاں دریافت کرلیں، لیکن اپنی ذات کی جانب کبھی زحمت توجّہ نہ کی۔
بیدلؒ یہی بات اپنے ایک اور شعر میں یوں کہتے ہیں:

ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیرِ سرو و سمن در آ
تو ز غنچہ کم نہ دمیدہ ای درِ دل کشا بہ چمن در آ

اسی طرح غزل کا یہ شعر:

پئے نافہ ہائے رمیدہ بو مپسند زحمتِ جستجو
بخیال حلقۂ زلف اُو گرہے خور و بہ ختن در آ

محولہ بالا اشعار میں انسان کو عرفان ذات کا درس دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ تُو سرو سمن کی سیر اور اُن کی دل کشی کو کب تک دیکھتا رہے گا؟ ذرا اپنے دروازۂ دل کو کھول اور اپنے اندر کے چمن کی سیر بھی کر۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه کے ارشاد میں بھی یہی درس دیا گیا ہے۔ صوفیائے کرام میں بالخصوص مولانا رومیؒ، سعدیؒ اور جامیؒ نے اسی مضمون کو اپنے مختلف اشعار میں نئے نئے تمثیلاتی انداز کے ساتھ پیش کیا ہے۔ چونکہ بیدلؒ خود ایک بلند پایہ صوفی بھی ہیں چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ اگر تُو اپنی قدر و قیمت سے آگاہ نہیں ہوسکا، تو کم از کم اتنا تو دیکھ کہ تجھے کون کون سی چیزیں نقصان دے رہی ہیں؟ پس اگر تو اپنے لیے نقصان دینے والی چیزوں سے ہی آگاہ ہو جائے تو اسے بھی اپنے حق میں نفع جان۔ عرفان کے معنٰی جاننے اور پہچاننے کے ہوتے ہیں اور اس کے بھی کئی درجات ہیں۔ سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان جان کر بھی یہ جانے کہ گویا وہ کچھ نہیں جانتا۔ جیسا کہ حضرت سیّدنا صدیق اکبرؓ کی طرف یہ قول منسوب ہے، جس میں آپؓ نے فرمایا: العجز عن الادراكِ ادراكٌ کہ سمجھ لینے سے عجز کا اظہار ہی سمجھ ہے۔ عرفان کے بارے میں کسی صوفی نے مندرجہ ذیل چار صورتیں بیان کی ہیں:

1۔ جاننا اور یہ بھی جاننا کہ میں جانتا ہوں، اچھی بات ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اس سے انسان میں کبر پیدا نہ ہو۔

2۔ نہ جاننا اور یہ بھی نہ جاننا کہ میں نہیں جانتا، ایسا شخص جہل مرکّب میں مبتلا ہے اور بہ اعتبار شعور درجۂ حیوانیت پر ہے۔

3۔ نہ جاننا اوراس کے باوجود یہ جاننا کہ میں جانتا ہوں، یہ خالصتاً جہالت خودفریبی اورغرور ہے، جو قابلِ نفرت و مذمّت ہے۔

4۔ جاننا اور جانتے ہوئے یہ بھی جاننا کہ گویا میں کچھ نہیں جانتا، یہ عارفین کا مقام،علم کی بلند ترین منزل اوراعترافِ عبدیت کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔جس پرصرف اللہ کے خاص بندے ہی فائز ہوتے ہیں۔اور یہ علم وعرفان کی آخری منزل ہے۔

راقم الحروف جب 1967ء میں حضرت بابوجی علیہ الرحمہ کے ساتھ ہرات(افغانستان) مولانا فخر الدین رازیؒ کی قبر پر حاضر ہوا تو اُن کے لوحِ مزار پر مندرجہ ذیل دوشعر کندہ تھے جو علم و عرفان کے بارے میں ذکر کردہ دو چار صورتوں میں سے آخری اور محمود ترین صورت کی طرف اشارہ کے لیے کافی ہیں کہ امام رازیؒ جیسی بحرالعلوم شخصیت اپنے بارے میں کہہ رہی ہے،شعر ملاحظہ ہوں:

ہر گز دلِ من ز علم محروم نہ شُد
کم ماند ز اَسرار کہ مفہوم نہ شُد
ہفتاد و دو سال درس دادیم و ہنوز
معلومم شُد کہ ہیچ معلوم نہ شُد

یعنی آپ فرماتے ہیں: کہ جہانِ علم کی سیر اور بحرِعرفان کی غوّاصی کے بعد جو آخری بات مجھے معلوم ہوئی وہ یہی ہے کہ مجھے تو کچھ بھی معلوم نہیں ہوا۔

علاّمہ اقبالؒ نے خودی سے یہی مفہوم مراد لیا ہے، نہ کہ کبرونخوت، البتہ صوفیائے سلف کے کلام میں یہی لفظ بمعنیِ نخوت وکبر بھی مستعمل ہوا ہے،جس کی وجہ سے بعض لوگوں نے علاّمہ اقبالؒ کے پیش کردہ فلسفۂ خودی پر اعتراض کیا کہ یہ لفظ تو کبرونخوت کے معنیٰ میں آتا ہے،جیسا کہ کسی صوفی نے اس سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا ہے:

خودی کفر است نفیِ خویش کن زود

ایسے حضرات پر واضح ہو کہ علاّمہؒ کی مراد انسان کو درسِ انا دینا نہیں، بلکہ اُسے عرفانِ ذات کی طرف دعوت فکر دینا ہے۔ میرزا بیدلؒ اپنے ایک اور شعر میں یہی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

در زندگی مطالعۂ دل غنیمت است
خواہی بخواں و خواہ مخواں ، ما نوشتہ ایم

آپ نے دیکھا کہ اس شعر میں انسان کے لیے مطالعۂ دل کو غنیمت کہا گیا ہے اور یہی فلسفہ علاّمہ مرحوم کا ہے۔ راقم الحروف نے بیدلؒ کے اس شعر کا منظوم ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

حیات میں ہے غنیمت مطالعہ دل کا
کوئی پڑھے نہ پڑھے ، ہم نے داستاں لکھ دی

۞۞۞

(20)

مظلوموں کو عدل وانصاف کے قیام کا لطیف اشارہ

مقامِ ظالم آخر بر ضعیفانست ارزانی
کہ چوں آتش ز پا افتد بخاکستر دہد جا را

ترجمہ:

کمزور لوگوں کو آخر کار ظلم کرنے والوں کی جگہ آسانی سے مل جاتی ہے، اس لیے کہ آگ کا بھڑکتا ہوا شعلہ جب سرد ہوتا ہے تو اپنی جگہ خاکستر کو دے دیتا ہے۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ ظالم جب تک مصروفِ ظلم رہتے ہیں، اُس وقت تک مظلوم اُن کے ظلم کا نہ تو مقابلہ کر سکتے ہیں اور نہ اُن کا جاہ واقتدار حاصل کر سکتے ہیں۔ آخر کار جب قدرت کی طرف سے اُن کا دورِ استبداد ختم ہو جاتا ہے تو اُنہی کمزور مظلوموں کو وہ سارے اسباب اور طاقتیں آسانی کے ساتھ مل جاتی ہیں، جن کے بل بوتے پر ظلم کرنے والے ظلم کرتے رہے تھے۔

میرزا بیدلؒ کے اس شعر میں ایک خاص بات جو مظلوموں کو دعوتِ فکر دیتی ہے، یہ ہے کہ

جب مظلوموں کو سارے اسبابِ قوّت واقتدار حاصل ہو جائیں تو انہیں انسانی معاشرہ میں انصاف اور عدل کی فضا قائم کرنا چاہیے، نہ یہ کہ وہ ظالموں جیسے وہی اسباب حاصل کر کے دوبارہ سلسلۂ ظلم شروع کر دیں، اس لیے شعر کے مصرعِ ثانی میں خاکستر کے ذکر سے یہی سمجھانا مقصود ہے کہ جس طرح خاکستر دوبارہ اُس شعلے کو نہیں اُٹھنے دیتی اسی طرح ظلم کو بھی دوبارہ سر اُٹھانے کا موقع نہیں دینا چاہیے۔ یہاں خاکستر کو علامت مظلومیت قرار دیا گیا ہے، لہٰذا مظلوموں کو چاہیے کہ وہ خاکستر کی طرح دوبارہ کسی شعلۂ ظلم کو بلند نہ ہونے دیں اور ظلم کے جو اسباب وعلل قدرت نے اب انہیں سونپے ہیں، اُن کو عدل وانصاف، اخوت اور مخلوقِ خدا کی نفع رسانی میں صرف کریں۔

(21)

متاعِ ظالم

ز غارتِ ضعفا مایہ می برد ظالم
ز پہلوئے خس و خاشاک شعلہ عیّاش است

ترجمہ:

کمزوروں، غریبوں اور ناتوانوں کو لوٹنے سے ظالم سرمایہ دار بنا کرتے ہیں۔ اس لیے کہ شعلہ کی گردن افرازی اور اس کی عیّاشی کا سارا دارومدار ناتواں تنکوں کی کمزوریوں اور ناطاقتیوں کے صرف ہونے پر ہوا کرتا ہے۔

تشریح:

آگ کا شعلہ جب اپنی گردن رعونت اٹھاتا ہے اور اس کی لپٹیں اس کی عیّاشیِ طبع کی غمازی کر رہی ہوتی ہیں تو بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے گویا وہ از خود قائم ہے۔ اور وہ کسی دوسری چیز کے سہارے وجود میں نہیں آیا، مگر جب ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ شعلے کی یہ

گردن افرازیاں، رعونت سامانیاں اور یہ ماحول سوزیاں چند کمزور تنکوں کی رہینِ منت ہیں۔ اگر کچھ دیر کے لیے تنکے شعلے کی عیّاشیوں کی بھینٹ چڑھنے سے انکار کردیتے تو ساری عمر شعلہ گردن تو کیا سر بھی نہ اٹھا سکتا۔ وہ تو چند تنکوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر اپنے وجود کو ثابت کرنے کا عادی ہے۔ اسے کیا خبر کہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا کس قدر مشکل کام ہوتا ہے۔ بیدلؔ یہ مثال بیان فرما کر معاشرے کے غریب، کمزور اور مفلوک الحال افراد کو بیدار اور باخبر کرنا چاہتے ہیں کہ اگر وہ متحد نہ ہوئے اور سرمایہ داروں، ظالموں اور ملک وملّت کا اِستیصال کرنے والوں کے مزاحم نہ ہوئے تو عمر بھر ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو آگ کا شعلہ کمزور تنکوں کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ امیر، جاگیردار، فیکٹریوں اور مِلّوں کے مالک، غریب مزدوروں سے، جو بہ ظاہر تنکوں کی حیثیّت رکھتے ہیں یہی سلوک کیا کرتے ہیں۔ ان کی عیّاشیوں کا دارومدار غریب عوام اور مزدور پیشہ افراد کے خون پسینہ پر ہوتا ہے۔ مندرجہ بالا شعر میں بیدلؔ نے ظالم، غاصب، خائن اور کالا دھندا کرنے والے ملک دشمن عناصر کو شعلہ سے تشبیہ دی اور غریب وسادہ عوام کو خس وخاشاک سے تشبیہ دی ہے۔ بیدلؔ کا مطلب یہ ہے کہ غریب عوام کو نذرِ آتش ہو کر ظالم شعلوں کی عیّاشیوں میں اضافے کا سبب بننے کے بجائے آنکھ کا تنکا بن جانا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ وہ تنکا جو شعلے کی لپیٹ میں چلا جائے، شعلے کی زندگی بڑھانے میں مدد کرتا ہے۔ اور جو تنکا کسی آنکھ میں پڑ جائے، وہ اس کی دنیائے نگاہ میں ایک قیامت بپا کردیتا ہے۔ مقصد یہ کہ آگ کا تنکا نہیں، آنکھ کا تنکا بننا چاہیے۔

آپ اس حقیقت سے یقیناً اتفاق کریں گے کہ جاگیرداروں اور وڈیروں کے وسیع وعریض ڈیرے اور بارگاہیں، صنعت کاروں کے فلک بوس پلازے، ذخیرہ اندوزوں اور سرمایہ داروں کی جنت نشاں کوٹھیاں اور سیم وزر کی یہ ریل پیل محض ان کی اپنی ذاتی جدّ وجہد کا نتیجہ نہیں، بلکہ جس طرح تزئین گلستان میں باغباں کا خون شامل ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ سب کچھ بھی غربت زدہ کسانوں، مزارعوں، مفلوک الحال مزدوروں اور محنت کشوں کی شبانہ روز محنت ومشقت کا ثمر ہوتا ہے۔

سرمایہ دارانہ نظامِ معیشت میں ہر جگہ اور ہر دور میں بے چارے عوام کے ساتھ یہی

صورتِ حال رہی ہے۔علاّ مہ مرحوم کا دل اس دور کی اسی کیفیت پر تڑپ تا تھا اور وہ کہہ اٹھے تھے :

اُٹھو مری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو
سلطانیِ جمہور کا آتا ہے زمانہ
جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

پوری دنیامیں اس نعرہ کی بازگشت کے باوجود انسانیت اب بھی بیشتر حصّوں میں سسکیاں لے رہی ہے۔لہٰذا اس نظام کی تمام خرابیوں اور قباحتوں کے ازالے کے لیے اسلام کے عادلانہ نظامِ معیشت کے نفاذ کی ضرورت ہے، جو اسلامی اخوت و مساوات کی فضا قائم کر کے طبقاتی آویزش و کشمکش کو ختم کر دیتا ہے۔اور یہ محض ہماری خوش فہمی نہیں، بلکہ خلافت راشدہ کا سنہری دَور اس کی بیّن شہادت ہے۔خدا کرے کہ قائدین قوم اس تاریخی حقیقت کے فیوض و برکات سے عوام کو مستفید کرنے کے لیے نظامِ مصطفیؐ کے مکمل نفاذ کے لیے اقدامات کر سکیں تا کہ حصول پاکستان کے اساسی مقاصد کی تکمیل ہو سکے۔آخر میں اپنا ایک قطعہ نذرِ قارئین ہے:

حیاتم قلزمِ صد پیچ و تاب است
چو موجم ہر نفس در اضطراب است
شود مسمار قصرِ آمریّت
کہ دل سر جوش عزمِ انقلاب است

۞۞۞

(22)

نبض دریا میں حقیقی علّت ہیجاں

نہ از موجِ نسیم است ایں قدرہا جوشِ بے تابی
تب شوق کسے در رقص آرد نبض دریا را

ترجمہ:

دریا کی اس قدر بے تابی جوش کا سبب ہواؤں کا چلنا نہیں، بلکہ کسی کے عشق کی گرمی دریا کی نبض کو رقص پر آمادہ کیے ہوئے ہے۔

تشریح:

شعرِ مذکورہ میں خالصتاً صوفیا کے لہجے میں بات کی گئی ہے کہ بہ ظاہر تو دریا اور سمندر کے پانی کا بہ صورتِ امواج رقص کرنا، ہواؤں کے خرام پر موقوف سمجھا جاتا ہے مگر ایک صوفی کی نگاہ میں دراصل کسی غیر مرئی (دکھائی نہ دینے والے) حُسن کی کشش سمندر اور دریا کی نبض میں ہیجانی کیفیّت پیدا کیے ہوئے ہوتی ہے، گویا دریا اور سمندر کی موجیں مضطرب ہو کر اگر ساحل کی طرف بھی آتی ہیں، تو دراصل کسی کو دیکھنے کے لیے یہ سارا سفر کرتی ہیں۔ بقولِ راقم:

کہاں ساحل پہ موجوں کا تبسّم
اُنھیں آتا ہے دریا دیکھنے کو

چونکہ کسی کے نظر آنے کا تصور ساحل سے وابستہ ہوتا ہے، لہٰذا پانی موجوں کی شکل اختیار کر کے ساحل کی طرف کچھ دیکھنے آتا ہے، اسی مضمون کو راقم الحروف نے اپنے ایک اور شعر میں یوں بیان کیا ہے۔ جسے سالِ نو ہجری کے ماہِ اول محرم الحرام میں رونما ہونے والے واقعۂ کربلا کے تناظر میں دیکھا جائے گا تو کچھ لطف مزید حاصل ہوگا۔ عرض کیا ہے:

ہے کون بر لب ساحل کہ پیشوائی کو
قدم اٹھائے بہ اندازِ موج دریا نے

میرزا بیدلؒ کے نزدیک دریاؤں کا شور، ہواؤں کا خرام اور ہر موجود کا اپنے اپنے انداز میں جذبۂ اظہار دراصل خالقِ کائنات کی وہ تسبیح ہے، جس کا ذکر قرآنِ مجید میں بہ ایں الفاظ موجود ہے کہ دنیا کا کوئی موجود ایسا نہیں، جو اس (اللہ) کی تسبیح نہ کر رہا ہو لیکن تم اُن کی تسبیح کی زبان کو سمجھ نہیں سکتے۔

(23)

مقبولانِ حق کی عظمت

اے ذاتِ مُقدّسِ تو جان عالم
جمعیّتِ تو حصن امان عالم
خوش باش کہ فضل ایزدی نہ پسندد
از کلفتِ باطنت زیانِ عالم

ترجمہ:

اے وہ ذات! کہ تیرا پاکیزہ وجود جہان کی جان ہے اور تیرا مطمئن رہنا جہان بھر کے لیے امن وسکون کا قلعہ ہے دعا ہے کہ تو سدا خوش رہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو یہ بات پسند نہیں کہ تیری طبیعت کی گرانی اور کسی قسم کے ذہنی بوجھ کے نتیجے میں دنیا کو نقصانات کی سزا بھگتنا پڑے۔

قارئین! بیدلؒ ایک بہت بڑے صوفی، عالم دین، علومِ تصوّف کے شہنشاہ، دنیائے مشاہدات کے تاجدار اور روحانیات وکرامات کی رُو سے مجمع البحرین کے مرتبہ پر فائز تھے۔ چنانچہ آپ کا کلام آپ کے مقاماتِ عالیہ کی خودنشاندہی کرتا ہے۔ بیدلؒ یہ بخوبی جانتے تھے کہ جب اللہ کے کسی مقبول بندے کے دل پر کسی قسم کا بوجھ آجاتا ہے تو اس کے اثرات پورے ماحول پر پڑتے ہیں

اور آہستہ آہستہ یہ اثرات پورے ملک اور پھر ساری دنیا پر محیط ہو جاتے ہیں۔ اس طرح ساری دنیا ان اثرات کی لپیٹ میں آجاتی ہے لہٰذا بیدلؒ انسانی معاشرہ کو خبردار کرنا چاہتے ہیں کہ کسی مقبولِ خدا کے دل پر کسی قسم کا بوجھ نہ آنے دیا جائے، تاکہ آپ پریشانی و بربادی سے بچ جائیں، اس لیے کہ مقبولِ بارگاہ کے بوجھ کو قادرِ مطلق پسند نہیں فرماتا اور اس کے نتیجے میں ماحول، پھر شہر، پھر سارے ملک اور دنیا کو پریشانیوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔ مولانا جلال الدین رومیؒ علیہ الرحمہ نے بھی اسی حقیقت کو اپنے ایک شعر میں یوں بیان فرمایا ہے:

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد
تا دلِ صاحبدلے ناید بدرد

اللہ تعالیٰ اس وقت تک کسی قوم کو رسوا نہیں کرتا، جب تک کسی مقبول خدا کا دل نہیں دکھتا۔ چنانچہ ایک حدیث قدسی میں مقبولانِ حق کی عظمت کو یوں بیان فرمایا گیا: اولیائی تحت قبائی لا یعرفهم سوائی ترجمہ: کہ میرے اولیا میری قبا کے نیچے ہیں انہیں میرے سوا کوئی نہیں جانتا۔

قارئین! بیدلؒ اس رباعی میں مقبولانِ بارگاہ سے خوش رہنے کی گزارش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے اللہ کے مقبول انسان! تو ہمیشہ خوش رہ، اس لیے کہ تیرے مطمئن رہنے میں جہاں بھر کا اطمینان مضمر ہے۔ انسانی معاشرہ اپنی مالی، معاشی اور ذہنی پریشانیوں کا سبب ملکی حالات اور دیگر وجوہات کو قرار دیتا ہے لیکن بیدلؒ کے نزدیک ان ساری پریشانیوں اور بدحالیوں کا سبب اللہ تعالیٰ کے کسی مقبول بندے کے دل پر پڑنے والا بوجھ ہے۔ لہٰذا ماحول کا بہ نظر غائر مطالعہ کر کے دیکھنا چاہیے کہ اس میں اللہ کا مقبول بندہ کون ہے اور ہر مفلس و نادار انسان کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آنا چاہیے۔ ہوسکتا ہے وہی غریب و مسکین مقبولِ خدا ہو، جسے دنیا والے ٹھوکر مار کر گزر جاتے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا:

خاکساران جہاں را بہ حقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

ایسے لوگوں میں اللہ کے درویش بھی ہوتے ہیں، اگر چہ بہ ظاہر ان کی کوئی شان وشوکت نہیں ہوتی، پھٹے پرانے لباس میں ملبوس خاک نشین ہوتے ہیں مگر اللہ کے نزدیک وہ درجۂ مقبولیت پر فائز ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی زبان سے اگر بَد دُعائیہ کلمہ نکل جائے تو وہ تیر بہدف ہوتا ہے لہٰذا اس گروہ کی جلالت شان سے ڈرنا چاہیے۔ راقم الحروف نے اپنی ایک رباعی میں ایسے ہی مقبولانِ خدا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

ممکن ہے جی اٹھے قضا کا مارا
شاید بچ جائے اژدہا کا مارا
مت الجھئے اللہ کے درویشوں سے
اٹھتا نہیں ان کی بد دعا کا مارا

❁❁❁

(24)

ترغیبِ عجز وانکسار

مکش سر ز پستی کہ آوازِ آب
بہ قدرِ تنزّل ترقّی کند

ترجمہ:

پست ہونے سے مت کترا کہ پانی جس قدر گہرائی میں گرتا ہے، اس کی آواز اتنی ہی بلند ہوا کرتی ہے۔

مفہوم:

اس شعر میں پانی کی مثال دے کر انسان کو عجز وانکسار اپنانے کی دعوت دی گئی کہ وہ جس قدر انکسار سے کام لے گا اللہ تعالیٰ اسے اتنا ہی بلند مرتبہ عطا فرمائے گا۔ مگر ضروری ہے

کہ اس کا انکسار محض اللہ کے لیے ہو۔خود نمائی، ریا کاری، تعریف کرانے اور دنیوی مقاصد کے حصول کی خاطر نہ ہو۔ چنانچہ ایک حدیث میں حضورؐ نے فرمایا: من تواضع للّٰہ رفعہ اللّٰہ کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی ذات کو پیشِ نظر رکھ کر کسی سے اظہار انکسار کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے مرتبے کو بلند فرما دیتا ہے۔گویا اعمال میں نیّت کا خلوص اور لِلّٰہیّت ضروری ہے، ورنہ انسان اجر وثواب سے محروم رہ جاتا ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو نمائشی اعمال ناپسند ہیں الذین ھم یرآء ون کی نصّ اس پر گواہ ہے۔

(25)

فلسفۂ احترامِ انسانیّت

تعظیمِ ناتواناں دشواریِ ندارد
بر عضوہا گراں نیست ، بالا نشینیِ مُو

ترجمہ:

کمزوروں کی عزّت کرنے میں کوئی دشواری نہیں ؛ کیونکہ بدن کے اعضا پر بالوں کا ہونا انہیں گراں نہیں گزرتا۔

مفہوم:

مفہوم شعر یہ ہے کہ ناتواں لوگوں کی تعظیم طاقت وروں کا شعار ہونا چاہیے، یعنی اربابِ حیثیت اور صاحبانِ قدرت معاشرے کے کمزوروں کو عزّت دیتے ہوئے اگر اپنے ساتھ یا اپنے سے ذرا بلندی پر بٹھا دیں تو یہ عمل ان کے اخلاقِ عالیہ کے سامنے مشکل نہیں۔تم دیکھتے نہیں کہ بال جو بہ اعتبارِ تخلیق کمزور سی چیز ہے مگر بدن کے اعضا کے اوپر موجود ہوتا ہے اور اس کی یہ بالا نشینی اعضائے بدن پر ہرگز گراں نہیں گزرتی، اسی طرح معاشرے کے وہ افراد جنہیں اللہ تعالیٰ نے عزّت، طاقت اور صلاحیّت سے نوازا ہے، انہیں چاہیے کہ وہ انسانی معاشرے میں سانس لینے والے نادار اور کمزور

لوگوں کی عزّت کریں اور انہیں اپنے سر آنکھوں پر جگہ دیں۔ اس طرح ان کی عزّت میں بھی اضافہ ہو گا اور کمزوروں کا احساس درماندگی بھی کم ہو گا، نیز اسلامی معاشرہ بھی آبرومندانہ انداز سے روز افزوں ترقی کرتا جائے گا۔ میرزا بیدلؔ کے اس فلسفۂ احترام انسانیت کی تائید میں قرآنِ مجید، احادیث نبویہ اور اکابرِ امّت کے اقوال و افعال کو بہ طورِ مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ معاملہ تفصیل طلب ہے اس لیے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اقبالؔ نے بھی یہی کہا تھا کہ احترامِ آدمی ہی حقیقی آدمیّت ہے:

باخبر شو از مقامِ آدمی
آدمیّت احترامِ آدمی

۞۞۞

(26)

ضبطِ نفس

در عالمیکہ ضبط نفس راہبر شود
بے مرگ بندہ را بخدا می تواں رساند

ترجمہ:

وہ جہاں جس میں ضبطِ نفس راہبر بن جائے، وہاں تو موت کے بغیر بھی بندے کو اللہ تک پہنچایا جا سکتا ہے۔

تشریح:

اس شعر میں بیدلؔ نے ضبطِ نفس کی ترکیب میں تصوّف کی ایک مخصوص اصطلاح کا ذکر کیا ہے جسے پاس انفاس کے الفاظ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ ضبطِ نفس اور پاسِ انفاس کا تقریباً مفہوم ایک ہی ہے، یعنی اپنی ہر سانس پر کڑی نظر رکھنا اور اُسے ذکرِ الٰہی میں صرف کرتے ہوئے ضائع ہونے

سے بچانا۔صوفیائے کرام کے ہاں اس عمل کوایک خاص مقام حاصل ہے۔ چونکہ ذکرِ الٰہی کا تعلق زبان سے بھی ہےاورزبان اُس کے ذکر کی مظہر ہے پھر یہ کہ زبان سے الفاظ ادا ہوتے ہیں اورالفاظ کی ادائیگی کے لیے سانس کا ہونا ضروری ہے، اس لیے صوفیا سانس کے سلسلۂ آمدورفت کا بہت پاس رکھتے ہیں تا کہ اُن کا کوئی سانس ضائع نہ ہونے پائے اوراُس میں ہوائے نفس کی کوئی چیز اندر داخل نہ ہوسکےاورنہ باہر سے متاثّر ہوکراُن کی زبان غیراللہ کا ذکر کر سکے۔ بقولِ شاعر:

خوشی کو آنے دیتی ہے نہ غم کو جانے دیتی ہے
درِ دل پر کسی کی یاد بیٹھی پاسباں ہو کر

گویاصوفیا کادل شعرمندرجہ بالا کے مفہوم کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

۞۞۞

(27)

اشک عاجزاں

بے ادب از سوزِ اشک عاجزاں نتواں گذشت
آبلہ در پا اگر بشکست صحرا آتش است

ترجمہ:

عاجزوں کے آنسوؤں کی گرمی کونظرانداز کر کےنہیں گزرنا چاہیےاس لیے کہ چھالا اگر پاؤں میں پھُوٹ جائےتو چلنے والے کے لیےصحرا آگ بن جاتا ہے۔

تشریح:

مندرجہ بالاشعرمیں بیدلؒ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ ضعیف وعاجزلوگوں کےاشکوں کو بہ نگاہِ احترام دیکھنا چاہیے، اپنی قوت وطاقت پر گھمنڈ کرتے ہوئے اُن کے بہتے آنسوؤں کو دیکھ کرگزرنہیں جانا چاہیے، ہوسکتا ہے کہ انسان اپنی طاقت اور بے نیازی کے سبب جن ضعیف چیزوں کو آج ٹھکرا کر بے

نیازانہ گزر رہا ہے، کل اُسی چیز کا سامنا کرنا پڑے۔ جس طرح ایک طاقت ور انسان سفر کے دوران پاؤں میں پڑنے والے چھالے کو مسل دیتا ہے، مگر کچھ وقت گزرنے کے بعد وہی چھالا اُس کے لیے سوہانِ روح ثابت ہو جاتا ہے۔ اگر جوتا پہن کر چلے جب بھی چمڑے کی سوزش قدم اُٹھانے میں مانع ہوتی ہے اور اگر ننگے پاؤں ریت پر چلنا چاہے تو گرم ذرّات پھُوٹے ہوئے چھالے میں ایسی غیر معمولی شدّت پیدا کر دیتے ہیں کہ مسافر کو ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ وہ آگ پر پیر رکھ رہا ہے۔ بیدلؔ نے اپنے اس خوب صورت اور پُر معنٰی شعر میں کمزور انسان کو آبلہ پا سے اور صحرا کو حیاتِ انسانی سے تشبیہ دے کر یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ طاقت ور لوگوں کو کمزوروں کے درد اور دُکھ کو نظر انداز کرتے ہوئے نہیں گزرنا چاہیے ورنہ ایک دن یہی کمزور طبقہ ایسی طاقت پیدا کرے گا کہ اُس کی طاقت ان کی بے طاقتی کے آگے عاجز ہو کر رہ جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید اور احادیث مبارکہ میں کمزوروں اور مفلسوں سے حُسنِ سلوک اور اُن سے ہر طرح کے تعاون و تناصر کا ذکر پایا جاتا ہے۔

۞۞۞

(28)

حضورِ تمکین

فقر و حضورِ تمکیں جاہ و ہزار خفّت

از بحرِ بے قراری از ساحل آرمیدن

تشریح:

بیدلؔ نے اس شعر میں مقام فقر کو حضورِ تمکین کا مفہوم دے کر بلندیِ معنٰی کی انتہا تک پہنچا دیا۔ بلاشبہ بیدلؔ کے نزدیک یہ فقر فقر محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، جس کے لیے حضور علیہ السلام نے الفقر فخری کے الفاظ فرمائے۔ بیدلؔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جہاں رنگ فقر ہو گا وہاں تمکین،

ٹھہراؤ اور بے نیازی ہوگی، اس کے برعکس جہاں جاہ وحشمت ہوگی وہاں ہزار قسم کی خفّتیں موجود ہوں گی۔ اس مسئلہ کو وہ سمندر اور ساحل کی مثال سے سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں، چونکہ سمندر میں جاہ و جلال، پانی اور دوسری بیش بہا اشیا کا سرمایہ موجود ہوتا ہے اس لیے ہر وقت کی بے قراری اُس کا مقدّر ہوتی ہے۔ اس کے برعکس چونکہ ساحل سمندر کی نسبت فقیر اور بے سروسامان ہوتا ہے، اس لیے اُس میں تمکین اور ٹھہراؤ ہوتا ہے، کسی قسم کی جُنبش نہیں ہوتی۔ دوسری بات یہ کہ وہ سمندر کے جاہ وجلال اور دولت مندی کے ہر وقت سامنے رہ کر بھی اپنی کم مائیگی اور بے سروسامانی کی پُر وقار خاموشی کی بدولت مقامِ تمکین پر فائز نظر آتا ہے۔ اس مثال سے اُن اربابِ حال کے مقام کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جن کا سینۂ بے کینہ جمالِ فقرِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آراستہ ہو، وہ بے سروسامانی کے عالم میں رہتے ہوئے بھی کس قدر پُرسکون قلب کے مالک ہوتے ہیں اور وہ اہلِ نشاط جن کو دنیوی اسباب ومتاع کی معراج تو ہاتھ لگ گئی مگر اُن کا ذہن رات دن سمندر میں پیدا ہونے والی ہیجانی کیفیّات سے دوچار رہتا ہے۔ کثرتِ اسباب کے سبب اُن کی نیندیں حرام ہوجاتی ہیں، جاہ وجلال اور شان وشوکت کے تلف ہوجانے کا غم اُنہیں موت سے ہر لحہ ڈراتا رہتا ہے اور اہلِ فقر کو لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون کی اُس سرمدی بشارت نے ایسا مست بنایا ہوتا ہے کہ نہ اُن کو کسی چیز کے تلف ہونے کا غم ہوتا ہے اور نہ کسی شے کے حصول کی آرزو ہوتی ہے، ایسے لوگ موت سے کیا ڈریں گے خود موت اُن سے ڈرتی ہے۔

میں بے نیازِ زیست تھا بڑھتا چلا گیا
ہر ہر قدم پہ موت کھڑی دیکھتی رہی

❁❁❁

(29)

جامِ قُرب

نہ پنداری ز جامِ قُرب زاہد نشّہ اے دارد
دلیلِ دُوریست ایں ہا کہ در یاد است معبودش

ترجمہ:

تُو یہ نہ خیال کر کہ زاہد کو قُرب کا جام پی لینے کے سبب نشّہ چڑھا ہوا ہے بلکہ اُس کا اپنے معبود کو یاد رکھنا اُس کے دور ہونے پر دلیل ہے۔

تشریح:

شعر کا مفہوم یہ ہے عبد و معبود اور محبّ و محبوب میں کمال اتّحاد کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ہر مرحلۂ یاد سے گزر کر مقامِ عینیّت پر فائز ہو جائے۔ یاد کرنا اور بھول جانا یہ سب اعتبارات ہیں، عینیّت کا مقام اس سے کہیں آگے اور بلند تر ہے۔ کیونکہ اگر کوئی کسی کو یاد کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اُسے بھول بھی سکتا ہے یا بھول بھی جایا کرتا ہے، اسی صورت میں تصورِ دوئی اور غیریت پایا جاتا ہے جو دو ذاتوں کے مابین ثابت کرتا ہے کہ دونوں الگ الگ ہیں اور یہ صورت فنائے تامّہ کے سراسر منافی ہے۔ میں نے کسی زمانہ میں ایک غزل کہی تھی بیدلؔ کا یہ شعر پڑھ کر مجھے اپنا وہ شعر یاد آ رہا ہے جس میں یہی مفہوم میں نے اپنے الفاظ میں ادا کیا تھا۔ وہ شعر یہ تھا:

جو کبھی قُربِ تام ہو جائے
یادِ جاناں حرام ہو جائے

کیونکہ قُرب تام کی صورت میں اتّحاد کا وہ نقطۂ کمال ہے کہ جہاں تمام اعتبارات بے معنی ہو جاتے ہیں۔ بقولِ مستان شاہ کابلی:

نہ موسیٰ گفتن و آنجا نہ فرعون
چہ جائے کفر ایماں ہم نہ گُنجد

اس شعر میں بتایا گیا کہ چونکہ کفر و ایمان کا تعلّق اعتبارات تخلیق سے ہے اس لیے عالمِ خلق میں تو ان کی نسبتیں درست ہوں گی، مگر مقامِ ہُو یت سے رابطہ ہونے کی صورت میں یہ تمام اعتبارات اُٹھ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اربابِ کمال اللہ تعالیٰ کی ذات کے عاشق ہوتے ہیں وہ اُس کی مخلوق سے جو سلوک روا رکھتے ہیں اُس میں کفر و ایماں کے بجائے اللہ کی محض مخلوق ہونے کا لحاظ رکھتے ہیں اور سب کی بھلائی چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں جہاں کفّار سے جہاد کا حکم ہے وہاں اُن سے اچھے برتاؤ کے حوالے سے حدود و قیود بھی متعیّن کر دی گئی ہیں۔

بیدلؒ کے محوّلہ شعر کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ انسان ذکر و فکر کی دنیا کو خیر باد کہہ کر قرآن و سنّت کی تعلیمات سے بے نیاز ہو جائے بلکہ بیدلؒ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جن اربابِ ذکر کے ذہن میں گھمنڈ پیدا ہو جاتا ہے کہ ہم ذاکرین کی صف اوّل کے لوگ ہیں اور باقی سب گھٹیا قسم کی مخلوق ہیں، جو ہمارے مرتبہ و مقام سے بہت کم تر ہیں، اس شعر میں بیدلؒ انہیں جھنجوڑنا چاہتے ہیں کہ اگر ایک زاہد مرتاض اس گھمنڈ میں مبتلا ہے کہ وہ سدا اپنے معبود کو یاد کرتا ہے تو ایسے شخص کو یہ بھی سوچنا چاہیے کہ یاد اُسے کیا جاتا ہے جو بھُلایا بھی جا سکتا ہو، اور جو بھُولے ہی نہیں اُس کی طرف یاد کے لفظ کی نسبت معمولی سی نظر آتی ہے۔ معلوم ہوا کہ ایسا گھمنڈی زاہد ابھی مقامِ عینیّت پر فائز نہیں ہوا اور نہ وہ اُسے یاد رکھنے کی رَٹ لگاتا۔ جوشؔ ملیح آبادی نے اس مفہوم کو بڑے حسین پیرائے میں یوں بیان کیا ہے:

وہ کرے یاد تمھیں جس نے بھُلایا ہو کبھی
نہ کبھی ہم نے بھُلایا نہ کبھی یاد کیا

❁❁❁

(30)

خاموشی اور گفتگو کا موقع و محل

شمعِ خامش وارہید از اشک و آہ و سوختن
بے زبان بُودن چہ مشکل ہا کہ آسانم نہ کرد

ترجمہ:

بجھی ہوئی شمع آنسو، آہ اور جلنے سے بچ گئی، میرے بے زبان ہونے نے کتنی مشکلیں تھیں جو مجھ پر آسان نہیں کر دیں۔

تشریح:

شمع جب روشن ہو تو پگھلی ہوئی موم کی صورت میں اس کے آنسو بھی گرتے ہیں، دُھوئیں کی شکل میں اس کی آہ بھی بلند ہوتی ہے اور پھر وہ جلتی بھی ہے لیکن اگر یہی شمع جو روشن ہونے کے باعث اتنی تکالیف جھیلتی ہے، خاموش ہو جائے یعنی بجھ جائے تو ان تمام زحمتوں سے بچ جاتی ہے۔ اس طرح جو شخص باتیں کرتا ہو وہ خاموش انسان کی طرح آفات سے محفوظ نہیں رہ سکتا، اگرچہ وہ اپنے کلام سے روشنی ہی پھیلا رہا ہو مگر اُسے ہر وقت ناقدین کی گرفت اور معترضین کی ہنگامہ آرائیوں کے لیے تیار رہنا پڑتا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ ضرورت کے مطابق گفتگو کرنی چاہیے۔ ضرورت سے زیادہ گفتگو جہاں انسان کو بے وقار بنا دیتی ہے، وہاں آفت تنقید میں بھی مبتلا کر دیتی ہے۔ اس لیے حدیث شریف میں فوائد خاموشی کے تحت من صمت نجی کے الفاظ ملتے ہیں کہ جو خاموش رہا نجات پا گیا۔ فوائد خاموشی میں کسی کو کلام نہیں لیکن اس کے باوجود موقع و محل کے مطابق عمل پیرا ہونا قرین دانائی ہے۔ اگر انسان خاموشی کے فوائد پڑھ کر اپنے منہ پر ایسی مُہرِ سکوت لگا دے کہ بولنے کے موقع پر بھی نہ بولے تو یہ اُس کی حماقت متصور ہو گی، اسی لیے سعدیؒ شیرازی نے گلستان میں کہا ہے:

دو چیز طیرهٔ عقل است دم فرو بستن
بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

یعنی دو چیزیں انسان کی حماقت کی دلیل ہیں بولنے کی جگہ چُپ رہنا اور چُپ رہنے کی جگہ بول پڑنا۔ گویا اصل دانشمندی خاموشی اور گفتگو کے محلِ استعمال کو سمجھنا ہے کہ کہاں چُپ رہنا اور کہاں کتنا بولنا ضروری ہے۔ علمائے کلام نے لکھا ہے کہ صاحبانِ علم و فضل کے لیے خاموشی زیور کا کام دیتی ہے اور بے علم لوگوں کے لیے اُن کی خاموشی اُن کی جہالت پر پردے کا کام کرتی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ جو زیادہ خاموش رہتا ہو، وہ عالم و فاضل انسان ہو، بلکہ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنی جہالت اور علمی کم مائیگی کو چھپانے کے لیے زیادہ خاموش رہتا ہو۔ بہرحال یہ طے ہے کہ جو بے علم انسان اپنی جہالت کو چھپانے کی خاطر زیادہ خاموش رہتا ہو وہ بے موقع و محل فضول تقریر جھاڑنے والے عالم سے زیادہ عقل مند ہوتا ہے کیونکہ زیادہ علم رکھنے والے پر زیادہ بولنا قطعاً ضروری نہیں، ہاں قوم کو تبلیغ کرنے کی خاطر خطاب کرنا چاہیے۔ اگر وہ کئی گھنٹوں پر بھی مشتمل ہو تو قبیح نہیں بشرطیکہ سامعین اُسے سننا چاہتے ہوں۔ ہمارے صوفیائے کرام اور علمائے سلف کے گھنٹوں پر مشتمل خطابات اسی حقیقت کے غماز ہیں جن کی اثر انگیزی کے تذکروں سے اوراقِ تاریخ بھرے پڑے ہیں۔ بالخصوص حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اثباتِ توحید اور ردِّ شرک پر مشتمل اُن مواعظِ حسنہ کو جو اُنہوں نے چالیس سال کے طویل عرصہ تک بغداد کے منبر پر ارشاد فرمائے، آپؒ یا آپؒ جیسے دیگر بے ریا اور پیکران اخلاص حضرات کے برسرِ منبر خطابات کو کوئی معقول انسان کثرتِ گفتار اور خلقِ خدا کی محض دماغ سوزی پر محمول نہیں کرسکتا کیونکہ اُن کا یہ عمل سُنت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عین مطابق تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی جمعہ کے دن برسرِ منبر خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے علاوہ ازیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور بھی کئی خطبات ارشاد فرمائے ہیں جن کی طوالت ظہر سے عصر اور عصر سے مغرب تک بھی محیط ہوئی۔ غزوات کے موقع پر بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشادات کتب حدیث وسیرت میں موجود ہیں۔ اس لیے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام خطبات اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ساری گفتگو اصلاحِ اُمّت اور ابلاغِ احکام کے حوالے سے ہوتی تھی۔ لہٰذا کوئی

غیر مسلم ناقد بھی اسے ضیاع اوقات اور فضول عمل نہیں کہہ سکتا۔ اس لیے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں مبلغین اپنے اپنے نکتہ ہائے نظر کو اپنے عوام تک بصورت خطبات پہنچانے کے حق میں ہیں۔ بیدلؔ کے شعر میں جس گفتگو سے روکا گیا ہے اور جس خاموشی کی تعریف کی گئی ان دونوں کا تعلق موقع ومحل اور ضرورت وقت سے ہے۔ اگر کسی جگہ گفتگو بے فائدہ محسوس ہو تو اُس سے خاموشی بہتر ہے اور جہاں خاموشی سے نقصان ہو رہا ہو وہاں حسبِ ضرورت گفتگو عین دانائی ہے۔

بغداد میں حضرت جنید بغدادیؒ کے معروف خلیفہ شبلیؒ کے خطابات کو بڑی شُہرت حاصل تھی۔ ہزاروں لوگ اُن کی اثر انگیز، علم وحکمت اور دانش سے بھری گفتگو کو سُننے کے لیے جمع ہو جایا کرتے تھے۔ ایک صوفی نما جاہل حضرت شبلیؒ کے ہزاروں سامعین پر مشتمل ان اجتماعات کو دیکھ کر اندر ہی اندر کڑھتا رہتا تھا کہ اُس کے پاس اتنے لوگ کیوں جمع نہیں ہوتے۔ ایک دن شبلیؒ بازار سے گزر رہے تھے تو اُس جاہل متصوّف نے اُن پر آوازہ کستے ہوئے کہا کہ بولنے سے چُپ رہنا بہتر ہے۔ حضرت شبلیؒ نے اُس کی یہ بات سُن کر وہیں جواب دیتے ہوئے کہا کہ تیرا چُپ رہنا تیرے بولنے سے بہتر ہے اس لیے کہ تیری گفتگو بے ہودہ اور تیری خاموشی بے وزن ہے جب کہ میرا بولنا میرے چُپ رہنے سے اس لیے بہتر ہے کہ میری خاموشی میری حوصلہ مندی پر مبنی ہے اور میرا بولنا سراپا علم ہے۔ (ملاحظہ ہو **کشف المحجوب از علی ہجویریؒ باب آدابهم فی الکلام والسکوت**)۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ خاموشی اور کلام کو حسبِ ضرورت اختیار کرنا چاہیے، بعض اوقات تو چرب زبانی اور تلخ کلامی کے جواب میں وہی انداز اختیار کرنا انسان کی مجبوری بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو زبان وبیان کے صحیح اور مثبت انداز میں استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

۞۞۞

(31)

عالی ظرف انسان رواداری نہیں چھوڑتے

ما بہ تعظیم از سرِ بُنیاد خود برخاستیم
شُعلہ ہم گر کرد با خاشاکِ ما اُفتادگی

ترجمہ:

اگر شُعلہ نے بھی ہمارے تنکوں کے ساتھ تواضع کا اظہار کیا تو ہم بھی اُس کی تعظیم کے لیے اپنی بُنیاد وجود پر کھڑے ہوں گے۔

تشریح:

نہایت پُر مغز اور مشکل شعر ہے اور بہ اعتبار مفہوم انتہائی وسعتوں کا حامل ہے۔ اس شعر میں بیدلؒ نے تعظیم، سرِ بُنیاد، برخاستن، شُعلہ خاشاک اور اُفتادگی کے الفاظ کے استعمال سے ایک نازک اور حسّاس اخلاقی پہلو کو واضح کیا ہے۔ دیکھیے آگ کا شُعلہ بہ ظاہر تنکوں کے ساتھ عاجزی اور تواضع کا سلوک کرتا ہے، یعنی اُس کے قدموں میں گر جاتا ہے اگر چہ اس تواضع سے خس و خاشاک کا احترام ہرگز مقصود نہیں ہوتا، تاہم بہ ظاہر تواضع کرتا ہوا ہی دکھائی دیتا ہے، تو تنکے جل اُٹھنے کے سبب اپنی جگہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں، اگر چہ اُن کا یہ قیام بھی اختیاری نہیں، اضطراری ہوتا ہے، لیکن بے جان سے بے جان تنکے کو جب آگ کا شعلہ اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے تو آگ کی تپش کی وجہ سے اُس میں قدرتی طور پر اکڑ سی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اپنی جگہ پر تھوڑا سا اُٹھ کر جل بجھتا ہے۔ میرزا صاحب اس مثال سے دشمنوں کے ساتھ اخلاق سے پیش آنے کا درس دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم لوگ تو وہ ہیں کہ اگر دشمن بھی ہمارے ساتھ تواضع سے پیش آئے خواہ وہ تواضع ہماری بربادی کا سبب ہی کیوں نہ بنے، ہم پھر بھی انسانی اخلاق کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور اپنا انجام جانتے ہوئے بھی تنکوں کی طرح اُس کی تعظیم کے لیے اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ میرزا بیدلؒ کی فکر

رسا نے شعلہ وخاشاک کے تعامل سے کیا اخلاقی مضمون اخذ کیا، حالانکہ بات صرف اتنی سی تھی کہ عالی ظرف انسان دشمن کی دشمنی کے باوجود ظاہری رواداری نہیں چھوڑتے یا انسان کو کسی صورت بھی پایۂ انسانیت سے گر کر بداخلاقی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ مگر میرزا صاحب نے شعلہ کے جلانے اور تنکوں کے جلنے کی مثال دے کر جس انداز سے اخلاقی اقدار کو قائم رکھنے کا درس دیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مرتبۂ کمال پر پہنچ جانے والی شخصیات تو سراپا تواضع اور عجز وانکسار کا پیکر بن جاتی ہیں۔ لیکن ان حسّاس اور نازک مثالوں سے حقائقِ کائنات کی حقّانیت کو وہی درّاک ذہن سمجھنے کے ساتھ محظوظ بھی ہو سکتے ہیں جن کو قدرت نے غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا ہو۔

فروتنی ست دلیل رسیدگان کمال
کہ چوں سوار بہ منزل رسد پیادہ شود

❁❁❁

(32)

عقیدۂ حقّہ اور مزعُوماتِ باطلہ

گرفتارِ رسُوم اندیشۂ آرام کم دارد
عقائد آنچہ دارد ، خدمتِ دیر و حرم دارد

ترجمہ:

جو شخص رسم و رواج کا اسیر ہو جائے، اُسے آرام بہت کم ملتا ہے، عقیدوں میں جو کچھ ہے، حرم و دیر کی خدمات ہی ہیں۔

مفہوم:

شعر کا مفہوم یہ کہ مذاہبِ عالم میں مروّجہ عقائد کا تعلّق صرف ذہن کی حد تک ہے کہ انسان خود کو بعض عقائد سے وابستہ کر لیتا ہے اور مذہبی تہواروں کے موقع پر اپنے اپنے مذاہب کی مخصوص

رسُوم ادا کرنے پر مطمئن ہو جاتا ہے۔ حالانکہ عقائد کے سلسلے میں اُسے پورے غور وفکر سے کام لیتے ہوئے یہ فیصلہ بھی کرنا چاہیے کہ جن عقائد کو وہ اپنائے ہوئے ہے وہ عقلاً بھی درست ہیں یا نہیں، اور جن رسُوم کی پابندی کو وہ اپنے اوپر ضروری سمجھتا ہے، اُس کی عقلی طور پر کیا حیثیت ہے۔ ایسا نہ ہو کہ چند مزعُومات باطلہ کو عقائد کا درجہ دے کر مطمئن ہو جائے۔ میرزا بیدلؔ نے دیر (بت خانہ) کے ساتھ حرم کا لفظ بھی استعمال کیا۔ مقصد یہ تھا کہ اصل عقیدہ تو اللہ کی توحید اور پیغمبروں کی رسالت کا مفہوم سمجھنا اور اُسے دل میں جگہ دینا ہے، نہ کہ صرف شعائرِ اسلام کی رسمی تعظیم بجالانا ہے اور اُن پر عمل کر لینا علامت ایمان ہے۔ نماز، روزہ، مناسک حج، زکوٰۃ اور دیگر عبادات کو اگر اخلاصِ نیّت کے ساتھ ادا نہ کیا جائے بلکہ اُن کی ادائیگی میں بھی ریا کاری یا دوسری کسی دنیوی منفعت کے حصول کا ارادہ ہو تو یہ سب کچھ محض رسم کے زمرے میں آئے گا، ایسا شخص ان فرائض کی ادائیگی کی رُوح کو قطعاً نہ پا سکے گا۔ ایسی ریا کارانہ عبادت اللہ تعالیٰ بھی رد فرما دیتا ہے۔

عقائد کے سلسلے میں بھی یہی صورت حال ہے چونکہ آفاقی عقیدہ تو صرف عقیدۂ توحید ہے اسے اساسی حیثیت حاصل ہے۔ پوری کائنات از خود تو پیدا تو نہیں ہوئی بلکہ کسی ذات قادر نے اسے تخلیق فرمایا۔ یہ وہ عقیدۂ حقّہ ہے کہ تمام مذاہب عالم اسے اگر بہ ظاہر تسلیم کرنے میں پس و پیش بھی کرتے ہوں مگر دل سے ذات وحدہٗ لاشریک کے وجود، اُس کی قدرت و اختیار اور اُس کی خلّاقی کو مانتے ہیں۔ لہٰذا عقائد ہوں یا عبادات، اگر انسان خلّاق عالم پر کُلّی ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ پیغمبروں کے ذریعے بھیجے ہوئے احکام کی خلوص دل سے پابندی اور فرائض کی ادائیگی اخلاص کے ساتھ کرتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ ایسا شخص حقیقت کو پا گیا، ورنہ عقائد بھی رسم و رواج کے ضمن میں آ جائیں گے اور مذہبی عبادات بھی۔ ہماری عبادتیں تو محض رضائے الٰہی کے لیے ہونی چاہییں نہ کہ جنت کا مستحق بننے اور عذاب دوزخ سے بچنے کی خاطر۔

عذاب دوزخ کے ڈر سے توبہ ، یہ بہر حُور و قُصور سجدے
یہ میری اُجرت طلب عبادت ، حقیقتاً بندگی نہیں ہے

❁❁❁

(33)

مومن کے تعلّق باللہ کو حالات نہیں بدل سکتے

ادب ز مردمک دیدہ می تواں آموخت
کہ ساکنند اگر ہوشیار اگر مستند

ترجمہ:

آنکھوں کی پتلیوں سے ادب سیکھا جا سکتا ہے کہ وہ ہوش اور بے ہوشی دونوں صورتوں میں اپنی جگہ ساکن رہتی ہیں۔

مفہوم:

بیدلؒ اس مثال سے سمجھانا چاہتے ہیں کہ زمانے کے تغیرات، نشیب و فراز اور شادی و غم مرد مومن کے مقامِ تمکین و سکون میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں کر سکتے، وہ بندہ جو ایمان و توکّل کی بلندیوں پر فائز ہو اور اپنے حقیقی مالک سے لَو لگائے ہوئے ہو، دنیا کی کوئی چیز نہ اُسے اپنے مقام بندگی سے ہٹا سکتی ہے نہ اُس کی بندگی میں سرِ مُو فرق پیدا کر سکتی ہے۔ عیش و عشرت کا زمانہ ہو یا تنگی و عسرت کا، خوشی کی کیفیت ہو یا غم کا ہجوم، نفع ہو یا نقصان، غرض جو کچھ بھی ہو اُسے کوئی کیفیت اور کوئی حال مقامِ ادب و استقلال سے گرا نہیں سکتا۔ جن لوگوں کی قلبی کیفیات تغیرات احوال سے بدلتی رہتی ہیں وہ حقیقتاً بندگی کے اعلیٰ مقام پر فائز نہیں ہوتے۔ تعلق باللہ کا رُتبہ انبیا و صدیقین کے بعد اولیاء اللہ کے ساتھ خاص ہے۔

تشریح:

بیدلؒ کے اس شعر کے مصداق پیرانِ پیر حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی ذاتِ گرامی بدرجۂ اتم ہے کہ آپ کو جب اپنے تجارتی جہاز کے ڈوبنے کی خبر ملی تو آپؒ نے کہا الحمد للہ اور جب کچھ دنوں

بعد اُس کی سلامتی کی خبر آئی تو بھی فرمایا الحمد للہ۔ دریافت کرنے پر ارشاد ہوا کہ میں نے الحمد للہ جہاز کے ڈوبنے یا بچ جانے پر نہیں کہا بلکہ اپنی اس قلبی کیفیت پر اللہ کی حمد وثنا کی ہے کہ دونوں حالتوں میں اللہ کے ساتھ میرے تعلّق عبدیت میں سرِ مُو فرق نہیں آیا بلکہ اپنے خالق و مالک سے جو رابطۂ قلبی مجھے حاصل تھا وہ بدستور برقرار رہا۔ جب ہم میرزا بیدلؒ کے محولہ بالا شعر کو پیرانِ پیرؒ جیسے اکابر اُمّت کے احوال کے تناظر میں دیکھتے ہیں تو بیدلؒ کی رفعتِ فکر کا اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے اشعار میں عبادِ صالحین کے کیسے کیسے مقاماتِ بلند کا کیسی مبنی بر حقائق مثالیں دے کر اظہار فرمایا۔

اللہ کریم ان پاکانِ اُمّت کی تعلیمات اور اندازِ تعلیم کو سمجھنے اور پھر اُس پر عمل پیرا ہونے کی توفیقِ ارزانی فرمائے۔ آمین۔

(34)

کوئی قوت مرورِ وقت کا تسلسل منقطع نہیں کرسکتی

رغبت جاہ چہ و نفرتِ اسباب کُدام
زیں ہوس ہا بگذر یا مگذر می گذرد

ترجمہ:

مرتبہ و جاہ کی ہوس کیا، اور اسباب دُنیا سے نفرت کیا؟ ان لالچوں سے گزر جا (یعنی چھوڑ دے) یا نہ چھوڑ، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وقت نے بہر صورت گزر ہی جانا ہے۔

مفہوم وتشریح:

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ انسانوں کا ایک گروہ مرتبہ وجاہ، اقتدار اور دولتِ دُنیا کی ہوس میں مبتلا رہتا ہے۔ اس کے برعکس ایک دوسرا طبقہ ان تمام چیزوں سے نفرت کرتا ہے اور اللہ کے دیے پر قانع

رہتا ہے۔ جس طرح ان دونوں کے طرزِ فکر اور اندازِ فکر میں بہت بڑا فرق ہے اسی طرح ان کے مراتب بھی یکساں نہیں ہوتے کل من علیھا فان کے مطابق ایک دن دنیا کے پُجاریوں نے بھی اسے چھوڑ دینا ہے اور جو زہد وتقویٰ اور اللہ تعالیٰ سے محبت کی بنا پر دنیا کو حقیر سمجھتے ہوئے اُس سے نفرت کا برتاؤ کرتے ہیں، انہوں نے بھی آخر اس دنیا کو خیر باد کہنا ہے۔ مقصد یہ کہ وقت نہیں رُک سکتا اور دنیا کی کوئی طاقت اس کے تسلسلِ مرور کو لمحہ بھر کے لیے بھی منقطع نہیں کر سکتی۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ جہاں کوئی لمحہ ایک شخص کے لیے سعادت اور مژدۂ مغفرت بن کر گزرتا ہے، وہاں وہی لمحہ کسی دوسرے کے لیے بدبختی اور عذابِ الٰہی کی وعید لے کر گزرتا ہے۔ اس لیے انسان کو وقت کی انتہائی قدر کرنا چاہیے اور اُسے یہ سوچنا چاہیے کہ اس کی حیاتِ مستعار کے گزرنے والے لمحات میں اُس کا ذہن دنیا کی ہوس میں اُلجھا ہوا ہے یا اپنے مالک وخالق کی یاد اور اس کی لگن میں محو ہے۔ اگر خود احتسابی کا یہ عمل جاری رہے اور انسان اپنی ذات کی کڑی نگرانی کرتا رہے تو وہ زندگی کے ان گزرنے والے لمحات سے بھرپور استفادہ کر سکتا ہے۔ اور خدانخواستہ اگر اس نے خود احتسابی کا عمل نہ کیا تو پھر پوری زندگی کے یہی لمحات حیوانوں اور اس کے درمیان قدرِ مشترک کی حیثیت حاصل کر لیں گے۔ جیسے حیوانات لمحاتِ حیات کی اہمیت سے بے خبر ہیں ویسے ہی وہ انسان نما جانور بھی وقت کی قدر شناسی سے محروم اور غافل۔ لہٰذا بقولِ علاّمہ سیمابؔ اکبر آبادی:

سمجھ حقیر نہ ان زندگی کے لمحوں کو
ارے! اِنھیں سے زمانے بنائے جاتے ہیں

(35)

دُنیا نہ گدا کی نہ شہنشاہ کی ہے

زالِ دُنیا چہ قدر فاحشۂ بے باک است
می شود جمع بہ ہر کس کہ درو امساک است

ترجمہ:

بوڑھی دنیا جو ایک بے باک فاحشہ عورت کی حیثیت رکھتی ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ یہ ہر اُس شخص کی ہوتی ہے جس میں قوت امساک زیادہ ہوتی ہے۔

تشریح:

شعر بالا میں دنیا کو ایک فاحشہ اور بے باک عورت سے تشبیہ دی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ جو شخص بُخل و امساک سے کام لے دولت اُس کے پاس جمع ہو جاتی ہے۔ امساک کے دو معنیٰ ہیں ایک معنیٰ روکنے کے ہیں اور دوسرے معنیٰ اصطلاحِ اطبا میں قوتِ مردمی کے ہیں۔ یعنی جو شخص انتہائی بخیل ہوگا، روپیا پیسا کو خرچ کرنے سے روکے گا مال و دولت اُس کے پاس جمع ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ جن کے پاس زیادہ دولت جمع ہے وہ ممسک ہیں۔ بیدلؔ نے اس شعر میں دنیا کو فاحشہ عورت قرار دے کر یہ بتانا چاہا کہ دنیا کسی کی نہیں، جو اسے خرچ کرنے سے روکے گا اُسی کی ہوگی یا جس میں جس قدر (قوتِ امساک) یعنی روکنے کی قوت زیادہ ہوگی زنِ فاحشہ کی طرح یہ اُسی کے گھر کی ہو کر رہ جائے گی۔ یہاں مجھے حضرت شیخ سعدیؒ کا ایک مصرع یاد آ رہا ہے:

عارفاں جمع نکردند و پریشانی نیست

یعنی عارف لوگوں نے دولت دنیا کو جمع نہیں کیا اس لیے وہ کسی قسم کی پریشانی سے بھی دوچار نہیں ہوئے۔ قرآنِ مجید میں الذی جمع مالا و عددہ کی آیت بھی جمع مال کی مذمّت کر رہی ہے۔ ایسا شخص جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے گریز کرتا ہے، شرعی مصارف کے حقوق ادا نہیں

کرتا ایسے شخص کی دولت مندی قابل ستائش نہیں بلکہ قابل مذمّت ہے۔ شعر میں دنیا کو فاحشہ عورت سے مثال دینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ فاحشہ عورت کی طرح ایک مرد کی ہوکر نہیں رہتی، بلکہ کبھی اس ہاتھ میں کبھی اُس ہاتھ میں۔ جو اپنے اپنے ہاتھ میں روک لے اور خرچ نہ کرے یہ وہاں سے کسی اور طرف جانے کا نام نہیں لیتی جس طرح زنِ فاحشہ امساک والے آدمی کی ہوکر رہ جاتی ہے۔

بیدلؔ کی اس نصیحت آموز مثال سے انسان کو دنیا کی حیثیت کا اندازہ کرلینا چاہیے کہ وہ جس کے لیے شب و روز بھاگ دوڑ کر رہا ہے وہ تو کسی کی بھی نہیں بلکہ جو اُسے بزور اپنے قبضے میں لے لے یہ اُسی کی ہوکر رہ جاتی ہے۔ بقولِ راقم الحروف:

میراث نہ مفلس کی نہ ذی جاہ کی ہے
جاگیر یہ غافل کی نہ آگاہ کی ہے
جو بھی اسے پنجۂ ہوس میں لے لے
دُنیا نہ گدا کی نہ شہنشاہ کی ہے

۞۞۞

(36)

انسانی چہرے ایک دوسرے کے آئینے ہوتے ہیں

زشتی مارا بہ طبع روشن اُفتاد است کار
ہر کجا آئینہ پردازیست زنگی شاد نیست

ترجمہ:

ہماری بدصورتی کو روشن طبیعت سے سابقہ پڑ گیا ہے، آئینہ جہاں بھی سامنے آجائے، سیاہ فام ناخوش ہوجاتا ہے۔

تشریح:

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ جب کسی روشن دماغ اور خوبیوں کے مالک انسان کے سامنے کوئی ایسا انسان آ جائے، جو کمالات وفضائل کے اعتبار سے خالی دامن ہو، تو اُس بے کمال کی طبیعت پر فوراً بوجھ پڑ جاتا ہے، کیونکہ اُسے اپنی کم مائیگی اور (زشتی) بے کمالی کی شرم دامن گیر ہونے لگتی ہے اور وہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ اب کسی وقت بھی اُس کا بھرم کھل جائے گا۔ اس لیے ایسا شخص کبھی کسی صاحبِ کمال انسان سے ملاقات کر کے خوش نہیں ہوتا، بلکہ سامنے بیٹھنے، بات کرنے اور اُس سے مانوس ہونے کے بجائے اُس سے جان چھڑاتا اور بھاگتا ہے، جیسے آئینہ اپنی صفائیِ باطن کے سبب بڑی دیانت کے ساتھ اپنے سامنے ہر آنے والے کا خندہ پیشانی سے استقبال کرتا ہے، اب جس آنے والے کا چہرہ آئینہ دیکھنے کے لائق ہو یعنی حسین وجمیل ہو، تو کچھ اور کام کرنے سے پہلے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتا اور خوش ہوتا ہے اور اُس کے دل میں آئینے کی عزت وتوقیر بھی بڑھ جاتی ہے کہ یہ کتنا قیمتی اور اعلیٰ آئینہ ہے کہ اس نے میرے چہرے کی تمام خوبیاں میرے سامنے کھول کر رکھ دیں۔ اس کے برعکس جب ایک سیاہ فام بدصورت انسان اُسی قیمتی اور اعلیٰ آئینے کے سامنے آ جائے اور ایک نظر اس میں جھانک کر اپنا چہرہ دیکھنے کی غلطی کر بیٹھے، تو آئینہ اپنی فطری صفائی اور حق نمائی کے تحت اُس کی اُسی بدصورتی کو اُس پر ظاہر کر دیتا ہے۔ نتیجتاً اُس بدصورت کے دل میں آئینے کے لیے نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ خوش ہونے کے بجائے پریشان وغمگین ہو جاتا ہے۔ حالانکہ اس بے وقوف کو یہ معلوم نہیں کہ اس میں بیچارے آئینے کا کیا قصور ہے؟ آئینے نے تو وہی چیز دکھائی ہے، جو اُس کے سامنے، جس حالت میں لائی جاتی ہے۔ بیدلؔ یہی بات سمجھانا چاہتے ہیں کہ اصل میں ہم لوگ اپنی بے کمالی کے سبب اربابِ کمال کا سامنا کرنے کی اہلیّت نہیں رکھتے، خود کو ناقص سمجھنے کے بجائے اربابِ کمالات میں عیب تلاش کرنے لگتے ہیں، اُن سے دُور بھاگتے ہیں اور دوسروں کو بھی دُور رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ بالکل اسی حقیقت کو میرزا صائبؔ تبریزی نے اپنے اس فارسی شعر میں بیان کیا ہے:

اے کہ خود را در دلِ ما زشت منظر دیدہ ای
روئے خود را چارہ کُن آئینۂ ما زرد نیست

یعنی اے وہ آنے والے کہ تو نے خود کو ہمارے آگے بے قدر و منزلت محسوس کیا، تو اپنے چہرے کا علاج کر اس لیے کہ ہمارا آئینہ صاف ہے، زرد رنگ نہیں، بلکہ تیرے اپنے چہرے کا رنگ زرد ہے، اس لیے تو نے ہمارے آئینے کے سامنے آ کر اپنے اُسی رنگ کو دیکھا جو لے کر آیا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر ہم نے تمہاری آؤ بھگت یا تعریف نہیں کی، جس کی تم ہم سے توقع رکھتے تھے، تو اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں، بلکہ ہم نے جو سلوک تمہارے ساتھ کیا تم اُسی کے لائق تھے، جیسا کہ آئینے کے سلوک سے واضح کیا گیا۔

(37)

اسباب سے تمسّک کے بعد توکّل علی اللہ

ز دانش بصد عُقدہ اُفتادہ کارت
جنوں گر کُنی ، ہیچ مشکل نماند

ترجمہ:

عقلِ ظاہر کے ہاتھوں تیرے کاموں میں سیکڑوں گرہیں پڑی ہوئی ہیں، اگر تُو جنوں سے کام لے، تو تیرے لیے کوئی مشکل، مشکل نہ رہے۔

تشریح:

میرزا بیدلؔ نے مصرعِ اُولیٰ میں جس عقل کا ذکر کیا ہے، اُس سے وہ عقلِ ظاہر بین ہے، جو محض اپنی قوتِ فیصلہ کے تحت نتائج دیکھنے کا زعم رکھتی ہو اور جو اس حقیقت سے غافل ہو کہ اسباب سے تمسک کے بعد نتائج کا ظہور مُسبّب الاسباب کی منشا کا محتاج ہوتا ہے۔ ایسی عقلِ فریب کار کا تابع ہمیشہ اُلجھنوں کا شکار رہتا ہے، نہ اُسے قلبی سکون ملتا ہے، نہ ذہنی اطمینان۔ مصرعِ ثانی میں جنون سے مُراد وہ کیفیّت ہے کہ انسان تمسک کے بعد اپنے معاملات اور اپنے وجود کو مالک الملک کے سپرد کر

دے کہ فیصلہ اُس کے ہاتھ میں ہے۔ چونکہ عقلِ ظاہر انسان کو ایسا کرنے سے روکتی ہے اور اسباب پر بھروسہ رکھنے کو کہتی ہے، اس لیے بیدلؔ کے نزدیک جو شخص ایسی حالت میں اسباب کے بجائے مسبّب الاسباب پر توکل کرتا ہے، تو اُسے دولتِ ایمان وایقان کی بدولت وہ جنون نصیب ہوجاتا ہے جس پر خردمندوں کی لاکھ دانائیاں قربان۔ علّامہ اقبالؔ کے مشہور شعر:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی

کے مصرعِ اُولیٰ میں عشق سے مراد وہی جنون ہے، جس کا میرزا صاحبؒ نے محولہ بالا شعر میں ذکر کیا ہے۔ اقبالؔ نے تو صاحبِ جنون ہونے کی خدا سے دُعا مانگی تھی۔ میرزا صاحبؒ کے شعر میں جنون سے مراد پاگل پن اور دیوانگی ہرگز نہیں، بلکہ مومن کی وہ کیفیتِ خودسپردگی ہے جو اسے درجۂ یقین پر فائز ہونے کے بعد اپنے خالق و مالک کی طرف سے بطورِ انعام عطا ہوا کرتی ہے، مراد ہے۔ قرآنِ کریم کی متعدّد آیات میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ مثلاً: فاذا عزمت فتوکل علی الله وغیرہ۔ انبیا علیہم السلام میں یہ کیفیت بدرجہ اتم موجود تھی اُن کے بعد اُن کے صحابہ و متبعین میں یہ دولت اُن کے فیضِ صحبت کے سبب منتقل ہوئی۔ پھر اُمّت کے صوفیائے کرام اور برگزیدگانِ حق کے حصّے میں آئی۔ توکل اور خودسپردگی کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں کہ انسان اسباب سے تمسک ہی نہ کرے اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے، یہ بھی غلط ہے، اس لیے کہ یہ عالمِ اسباب ہے قدرت نے ہر کام کو اسباب سے وابستہ کر رکھا ہے لہٰذا اسباب سے تمسک ضروری ہے، لیکن پھر اُس پر گھمنڈ کرنا اور نتائج کو اپنا تابع فرمان سمجھنا، انتہائی جہالت ہے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اسباب سے تمسک کے بعد نتائج کو اللہ تعالیٰ کی ذات پر چھوڑ دینا چاہیے۔

میرزا صاحبؒ نے ایک اور شعر میں بھی بے جنون ہونے سے منع کیا ہے:

با ہر کمال اندکے آشفتگی خوش است
ہر چند عقلِ کُل شدہ ای بے جنون مباش

۞۞۞

(38)

آدابِ نگاہ

دریں صحرا بہ آدابِ نگہ باید خرامیدن
کہ روئے نازنیناں می خراشد نقشِ پا ایں جا

ترجمہ:

اس صحرائے عالم میں آدابِ نگاہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے چلنا چاہیے، اس لیے کہ بے شمار حسینوں اور نازنینوں کے مٹی میں ملے ہوئے چہرے انسان کے نقشِ پا کو کھجلا کر اپنے برباد شُدہ وجود کا احساس دلاتے ہیں۔

تشریح:

جس طرح حسینوں کے مُصحفِ رُخ کے آدابِ زیارت کا پاس ان کی حیاتِ ظاہری میں ضروری ہوتا ہے، اسی طرح ان گُلہائے شگفتہ کے مرجھا جانے اور زیرِ خاک روپوش ہو جانے کے بعد بھی باوفا اور پاکباز عشّاق کا یہ فریضۂ منصبی ہونا چاہیے کہ وہ آدابِ نظارہ کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے ذرّاتِ خاک کی چمک کے آئینے میں مدفن جوانیوں اور موت کی دھول سے اٹے ہوئے چہروں کی زندۂ جاوید کہانیوں کی تصویر دیکھا کریں۔ جو لوگ حُسن کو صرف حیاتِ ظاہری کے رُوپ میں ہی دیکھنے کے قائل ہیں ان تنگ نظر اور کور چشموں کو حسن کی وسعتوں، پہنائیوں اور اس کی لامحدود تبدیلیوں کے مراحل و منازل کا عرفان کبھی نہیں ہوسکتا۔ حسن تو ایک عالمگیر صداقت ہے؛ ایک زندہ حقیقت ہے؛ عرصۂ جہاں کی صبح بہار ہے اور تصویرِ کائنات کا رنگ ہے؛ یہ کوئی فنا پذیر چیز نہیں؛ اشیائے کائنات کی جانب میلان قلب و نگاہ کا مقناطیس ہے۔ اس لیے حسن و محبت لازم و ملزوم ٹھہرے اور بقولِ مولانا حسرتؔ موہانی:

محبت خیر مطلق ہے بہر حال
وہ حق سے ہو کہ ہو حسنِ بتاں سے

اس دھرتی کی چھاتی پر قدم رکھنے والوں کو اس حقیقت کا ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ ان کے قدموں کے نیچے نہ معلوم کس نابغۂ روزگار، کس سلطان وقت اور کس یوسفِ زمانہ کا جسدِ عنصری آسودۂ خاک ہوگا۔

خاکے کہ بزیرِ پائے ہر حیوانیست
زلفے صنمے و عارض جانانیست
ہر خشت کہ بر کنگرۂ ایوانیست
انگشت وزیرے و سرِ سلطانیست

❁❁❁

(39)

زادِراہِ شمع

شمع ساں عمریست احرامِ گدازے بستہ ایم
نیست در پہلو بغیر از پہلوئے ما زادِ ما

ترجمہ:

ہم نے ایک مدت سے شمع کی طرح گداز (پگھلاہٹ) کا احرام باندھا ہوا ہے، ہمارے پہلو میں ہمارا زادِراہ ہمارا پہلو ہی ہے۔

تشریح:

شمع چونکہ اپنی زندگی کا سارا سفر خود گدازی کے عالم میں طے کرتی ہے، اس لیے شاعر نے خود آگہی اور معرفت ذات کے لیے اس تشبیہ کا انتخاب کیا۔ شمع جب جلتی ہے، تو عرفانِ ذات حاصل

کرنے کے لیے احرامِ گداز باندھ کر اپنی ذات سے اپنی ذات تک کا سفر شروع کرتی ہے۔ چونکہ مسافر کو سفر میں زادِ راہ کی ضرورت بھی ہوتی ہے، اس لیے شمع یہ زادِ سفر کسی دوسرے مقام سے فراہم نہیں کرتی، بلکہ اپنی ہستی اور وجود ہی کو صرف کرتی چلی جاتی ہے تا آنکہ معرفت کی آخری منزل پر پہنچ جاتی ہے، جو اس کے اپنے قدموں کے نیچے تھی

چوں شمع بود منزلِ ما زیرِ پائے ما
از پا شکستہ ایم و بمنزل رسیدہ ایم

ایک شمع کئی کام کرتی دکھائی دیتی ہے، پہلے اپنے ذہن میں تجسّس و خود آگہی کی آگ روشن کرتی ہے، پھر اپنی ذات سے اپنی ذات کا سفر جستجو شروع کرتی ہے اور اس سفر میں اس کا زادِ راہ اس کا اپنا وجود ہی ہوتا ہے، اسے کھاتی اور پگھلاتی جاتی ہے اور آخر کار اس شعر کا مصداق بن جاتی ہے:

جستجو کرتے ہی کرتے کھو گئے
اس کو جب پایا تو خود گم ہو گئے

یا:

آں را کہ خبر شد ، خبرش باز نیامد

جنھیں اپنی خبر ہو جاتی ہے، زمانے کو ان کی خبر نہیں ملتی۔

طالبانِ حقیقت کی حیات، شمع کی طرح احرامِ گداز اور احرامِ سفر میں گزرتی ہے۔ خود گدازی ہی ان کا زادِ سفر ہوتی ہے، ماحول کو منور کرتے اور خود کو پگھلاتے چلے جاتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ شمع آخر خاموش ہو جاتی ہے، جب کہ طالبانِ حق واصلِ بحق ہو کر دنیا والوں کو مقصدِ تخلیق اور آدابِ موت و حیات سکھا جاتے ہیں۔ وہ زبانِ حال سے کہتے ہیں کہ کل من علیها فان کے بموجب ہر چیز کو مٹ ہی جانا ہے

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید
ز جامِ دہر مئے کل من علیها فان

اگر اشرف المخلوقات انسان بھی حیوانات اور دیگر غیر مکلّف مخلوق کی طرح صرف مرجائے، تو پھر دونوں میں فرق کیا ہوا؟ اگر مٹنا ہے تو اپنے لیے یعنی اپنی ذات کے عرفان کے لیے مٹو۔ جب تمہیں یہ مٹنا نصیب ہو جائے گا، تو تمہیں تمہاری استعداد کے مطابق ذات حیّ و قیّوم کی معرفت حاصل ہو جائے گی اور جب یہ ہو گیا، تو پھر تمہیں کون مٹنے دے گا۔ فنا پذیر بشریت کے خاتمے کے بعد اب تمہارا واسطہ ذاتِ لایزال سے ہمیشہ کے لیے قائم ہو گیا کیونکہ تمہاری حیاتِ عارضی کو بقائے دوام نصیب ہو گئی۔ اب تم باقی کے ساتھ مل کر باقی رہو گے، کیونکہ جب قطرہ اپنی ذات کو سمندر کی پہنائیوں کی نذر کر دیتا ہے، تو پھر وہ قطرہ نہیں رہتا، سمندر کہلاتا ہے۔

سچ پوچھیے تو نام اسی کا ہے زندگی
ہم اصطلاحِ عشق میں مرنا کہیں جسے

یا:

پردۂ ہستیِ موہوم اٹھا دو پہلے
پھر جہاں چاہو وہاں یار کو دیکھا کرنا

یا بقولِ عارف کھڑی شریف:

قطرہ ونج پیا دریاوے فیر اوہ کون کہاوے
جس تے اپنا آپ گواوے آپ اوہو بن جاوے

❁ ❁ ❁

(40)

صحبت متکبّر، گھاٹے کا سودا

جز کاہشِ جاں نیست ز ہم صحبت سرکش
گریاں بود آں موم کہ با شعلہ ندیم است

ترجمہ:

سرکش اور رعونت پسند انسان کی صحبت میں بیٹھنے والے فرد کو ذہنی و جسمانی گھاٹے کے سوا کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وہ موم جو شعلہ کے ساتھ وقت گزارتی ہے، وہ ہمیشہ روتی رہتی ہے۔

مفہومِ شعر یہ ہے کہ سرکش اور متکبر انسان کی دوستی و رفاقت سے بچنا چاہیے۔ اس لیے کہ اس کی صحبت کے مضر اثرات انسان کے ذہن اور جسم و جان پر پڑتے ہیں، مگر کمزور ہونے کی وجہ سے وہ اس کی سرکشی کا جواب نہ دے سکنے کے سبب اندر ہی اندر کڑھتا اور گھلتا رہتا ہے۔ جس طرح موم بتی کا موم نرم ہونے کے باعث اور آگ کے شعلے کا مقابلہ اور تاب نہ لا سکنے کی بنا پر آنسوؤں کی طرح گر گر کر اپنے وجود کا خاتمہ کر دیتا ہے، اسی طرح جس شخص میں سرکشوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کی طاقت نہ ہو، اسے چاہیے کہ وہ ان کی صحبت اور قرب سے گریز کرے اور اپنی جان بچا کر رکھے۔

(41)

صحبت اہل نظر سے اجتناب کیوں؟

ہرزہ گرد از صحبت صاحب نظر دارد حیا
آب گردد دود ، چوں در چشم مردم جا کند

ترجمہ:

آوارگی پسند یا آوارہ مزاج انسان اہل نظر کی صحبت سے شرم محسوس کرتا ہے۔ دُھواں جب انسان کی آنکھ میں داخل ہو جائے تو فوراً پانی بن جاتا ہے۔

تشریح:

شعر میں کہا یہ گیا ہے کہ آوارہ گرد لوگ، صاحب نظر لوگوں کی مجلس اور قرب سے دراصل اس لیے دور رہتے ہیں کہ وہ خود کو ان کی ہم نشینی اور ان کے قرب کے لائق نہیں سمجھتے۔ اس لیے جب کبھی انہیں ایسے اربابِ بصیرت کا قرب اتفاقاً میسر آ جائے، تو وہ اپنی آوارگی اور ان کی عظمتوں کے احساس سے پانی پانی ہو جاتے ہیں۔ اس نفسیاتی فلسفے کو شاعر نے کس طرح ایک ایسی عمدہ مثال سے سمجھایا ہے، جو امرِ واقع ہے۔ دُھواں آوارہ سی چیز ہے انسانی آنکھ کے خلوت کدے میں گھسنے سے اسے کیا مطلب؟ لیکن جب کبھی اتفاق سے وہ آنکھ میں داخل ہو ہی جائے، تو فوراً پانی میں تبدیل ہو کر آنسوؤں کی صورت میں آنکھ سے بہنے لگتا ہے۔ اسی طرح آوارہ مزاج لوگ اگر اتفاقاً اچھے لوگوں کی محفل میں آ ہی بیٹھیں، تو شرم کے مارے پانی پانی ہو کر بیٹھا کرتے ہیں۔

قارئین! شرم کے مارے پانی پانی ہونا، اردو کا مشہور محاورہ ہے، جسے علاّمہ اقبالؒ نے بھی اپنے اس شعر میں استعمال کیا ہے:

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن!

(42)

اہمیت جنوں

با ہر کمال اندکے آشفتگی خوش است
ہر چند عقلِ کُل شدہ ای ، بے جنوں مباش

ترجمہ:

ہر کمال موجود ہونے کے باوجود انسان میں تھوڑا سا لا اُبالی پن بھی ہونا چاہیے، ہم نے مانا کہ تُو بزعمِ خویش بہ اعتبارِ دانش عقل کُل ٹھہرا ہے، مگر اس کے باوجود جنوں کا دامن نہ چھوڑ۔

تشریح:

بیدلؔ نے اس شعر میں اُن لوگوں کو مخاطب کیا ہے، جو بُری طرح یکسانیت کا شکار ہوتے ہیں اور اپنی طبیعت کی مخصوص ڈگر پر چلتے رہنے کو انتہائے کمال سمجھتے ہیں اور اُس سے ذرا ہٹنے کو اپنی ہتک خیال کرتے ہیں۔ ہر چند کہ دیگر موہوبی کمالات کا تحفّظ بھی انسان کے لیے اشد ضروری ہے، لیکن قدرت نے اس کی فطرت کو جس لا اُبالی پن اور خود مَنَشی کی دولت سے نوازا ہے، کبھی کبھار اُس کا اظہار بھی ہونا چاہیے۔ بقولِ علاّمہ اقبالؔ:

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

کیونکہ بعض اوقات جس قدر انسان کا ذوقِ جنوں کام کر دکھاتا ہے اور جو محیّر العقول کارنامہ چشم زدن میں سرانجام دے جاتا ہے، عقل اپنی تمام تر مدبّرانہ صلاحیّتوں اور تدبیراتی کاوشوں کے باوصف عرصۂ دراز تک ایسا کوئی قابل ذکر معرکہ سر نہیں کر پاتی، یہاں کسی شاعر نے کیا پتے کی بات کہی:

مقامِ ہوش پہ رک جائیں گے یہ فرزانے
عبور وادی حیرت کریں گے دیوانے

خود سپردگی اور انجام سے بے نیازی کی یہی کیفیت ، جسے آشفتگی کے لفظ سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے، ہمیں سیّدنا ابراہیمؑ کے آتشِ نمرود میں بے خوف وخطر کود جانے میں بھی ملتی ہے، اگرچہ آپ منصب نبوّت پر فائز ہونے کے اعتبار سے یقیناً عقلِ کُل تھے، مگر عقلِ ظاہر پھر بھی اسباب وعلل کا پاس کرتی اور آگ کو آگ کہتی رہی۔

مگر اُس موقع پر حضرت ابراہیمؑ کے ذوقِ خود سپردگی اور طبعی آشفتگی نے بڑھ کر اس معمّا کو آناً فاناً حل کر دکھایا۔ اگر آپ اُس وقت عقل کے ظاہری فیصلے پر عمل فرماتے ، تو پھر آگ میں ہرگز نہیں کود سکتے تھے۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آگ میں چھلانگ لگاتے وقت اُن کی عقل جاتی رہی تھی۔ نعوذ باللہ ایسا سوچنا بھی موجبِ کفر ہے۔ بات یہ ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عقل کو وحدت پرستی، توکّل، خود سپردگی اور باری تعالیٰ پر یقین کامل کے والہانہ پن نے وہ رنگ عشق چڑھا دیا کہ عقل، عقل ہوتے ہوئے بھی قالبِ عشق میں ڈھل کر رہ گئی، یا یوں کہیے کہ عقل نے عشق کا رُوپ دھار لیا، یا عقل نے وارفتگی کو اپنا لیا اور پھر اسی وارفتگی نے کمالِ تعقّل سے موصوف ہو کر حضرت ابراہیمؑ سے وہ کام کرایا، جو عشق، وارفتگی اور خود سپردگی کا بھی تقاضا تھا اور عقلِ کُل کا بھی۔ علاّمہ اقبالؒ نے اسی موقع کی مناسبت سے کہا تھا:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لبِ بام ابھی

اس شعر کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ جب آتش نمرود میں کودے تھے، تو اُس وقت اُن کی تعقّلاتی قوت کام کرنا چھوڑ گئی تھی۔ ایسا سوچنا ایک نبی کے حق میں عظیم گستاخی ہے، جو موجبِ کفر ہے البتہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے عمل سے دراصل یہ درس دیا کہ اگرچہ میں بہ اعتبارِ عقل، عقلِ کُل ہوں، لیکن آزمائش کی گھڑی میں عقل ظاہر کے بجائے آشفتگی اور والہانہ پن کو ترجیح دینے کا قائل ہوں اور یہی بات بیدلؒ نے اپنے شعر میں کہی ہے۔

❁ ❁ ❁

(43)

میرزا بیدلؒ کی اپنے مزار کے متعلق پیش گوئی

بعدِ مُردن از غبارم کیست تا یابد نشاں
نقشِ پائے موج ہم با موج می باشد رواں

ترجمہ:

میرے مرنے کے بعد کون ہے، جو میری قبر کا نشان ڈھونڈے، کیونکہ موج کے نقشِ قدم تو موج کے ساتھ ہی روانہ ہو جایا کرتے ہیں۔

تشریح:

آزاد طبع اور قلندر منش لوگ ہر قسم کے نام و نشان سے بے نیاز ہوتے ہیں، وہ اس سرائے دنیا میں مسافر چند روزہ کی حیثیت سے وقت گزارنے اور پھر خاموشی سے چلے جانے کو پسند کرتے ہیں۔ جس طرح موج مختصر سے وقت کے لیے سر اٹھاتی ہے، مگر جب دریا کے پانی کے ساتھ ہموار ہوتی ہے تو اُس کے نقش پا بھی اُس کے وجود کے ساتھ ہی مٹ جایا کرتے ہیں۔ اسی طرح یہ طبقۂ خواص باقی باللہ رہنا ہی پسند کرتا ہے۔ ہر طرح سے مٹ جانا اسے مرغوب ہوتا ہے۔ مولانا بیدمؒ شاہ وارثی نے اسی مضمون کو کس خوبی سے بیان کیا:

ترے کمالِ ستم کی یہ یادگار رہے
نہ ہم رہیں نہ ہمارا کہیں مزار رہے

میرے نزدیک میرزا بیدلؒ نے اپنے اس شعر میں اپنی زندگی ہی میں اپنے مزار کے نہ ملنے کی پیش گوئی کر دی تھی۔ دہلی میں آج جہاں اُن کی قبر بتائی جاتی ہے، یہ بھی یقینی نہیں، اسی باغ میں ضرور دفن ہوئے، مگر جگہ کے تعیّن میں اختلاف ہے۔ چنانچہ محترم ڈاکٹر عبدالغنی صاحب مرحوم نے اپنی تصنیف **روح بیدل** میں اسی موضوع پر خاصی تفصیلی بحث کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب مرحوم سے ایک ملاقات کے دوران جب میں نے مذکورہ بالا شعر کا ذکر کیا، تو وہ حیرت

زدہ ہوکر کرسی سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور مجھے فرمانے لگے کہ اگر آپ کچھ عرصہ پہلے مجھے میرزا بیدلؒ کا یہی شعر سنا دیتے، تو میں اُن کے مزار کی تحقیق کے سلسلے میں نقل کرتے ہوئے لکھتا کہ بیدلؒ کی قبر کا تعیّن مشکل ہے، کیونکہ وہ اپنے اس شعر میں در پردہ اپنی قبر کے نہ ملنے کی پیش گوئی کر گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میرزا غالبؔ عمر بھر بیدلؒ کی قبر کو تلاش کرتے رہے کیونکہ وہ بیدلؒ کے نہ صرف عشّاق میں سے تھے، بلکہ خود کو اُن کا فیض یافتہ شاگرد اور اُنہیں اپنا استادِ کامل سمجھتے تھے۔ یہاں میرزا بیدلؒ سے غالبؔ کی عقیدت اور اعترافِ عظمت کا اندازہ لگانے کے لیے ہم غالبؔ کے دو شعر نقل کرتے ہیں:

اسدؔ ہر جا سخن نے طرحِ باغِ تازہ ڈالی ہے
مجھے رنگِ بہارِ ایجادیِ بیدلؔ پسند آیا

یا یہ شعر:

مجھے راہ سخن میں خوفِ گمراہی نہیں غالبؔ
عصائے خضر صحرائے سخن ہے خامہ بیدلؔ کا

قارئین نے ان اشعار سے بیدلؒ سے غالب کی والہانہ عقیدت کا بخوبی اندازہ لگا لیا ہو گا۔ بہرحال ہم نے یہاں جو کچھ تحریر کیا وہ بیدلؒ کے محوّلہ شعر کی روشنی میں تھا، حضرت بیدلؒ کے کلام کی رفعتوں اور اُن کی شخصیت کو زیرِ تبصرہ لانا مقصود نہ تھا، کیونکہ

سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

اگر زندگی نے وفا کی اور فراغت نے ساتھ دیا تو ان شاء اللہ بیدلؒ کی شخصیت اور اُن کے حالاتِ زندگی پر بھی کچھ لکھیں گے۔ تاہم اُن کے بعض اشعار پر اپنی رفعت فکر کی کمند ڈالنا اور پھر اُسے آسان الفاظ میں عوام تک پہنچانا بھی کوئی کھیل نہیں۔ یہ لوگ نام و نشان سے بے نیاز ہوکر بھی مخلوقِ خدا کے دلوں میں زندہ ہوتے ہیں، کچھ اسی قسم کا خیال اس شعر میں ملتا ہے:

میں بعدِ مرگ بھی بزمِ وفا میں زندہ ہوں
تلاش کر مری محفل، مرا مزار نہ ڈھونڈ

❁❁❁

(44)

تائیدحق

ہم تو در ہر امر بہر خویش تائید حقی
ہر کجا باشی کسے غیر از خودت ہمراہ نیست

ترجمہ:

اے انسان! تو اپنے ہر معاملہ میں اپنے لیے خود تائید حق ہے، تو جہاں کہیں بھی ہو، تیرے ساتھ تیرے اپنے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

تشریح:

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ قدرت ہر انسان کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرتی رہتی ہے۔ قرآنِ کریم میں فالھمھا فجورھا و تقوھا کے مفہوم سے بھی یہی نکتہ سامنے آتا ہے۔ بیدلؔ کے نزدیک ہر انسان تنہا ہے اور کوئی دوسرا اس کے ساتھ نہیں۔ البتہ اس کے نفس کے اندر ایک ایسی قوت ضرور موجود ہے، جو اسے تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیتی بلکہ ہر مشکل وقت میں اسے حالات کا تجزیہ کر کے اپنا فیصلہ سناتی اور عمل کرنے کا مشورہ دیتی ہے۔ انسان اس کے فیصلے اور تجزیے کو مانے یا نہ مانے یہ اس کی اپنی مرضی، مگر ایک بار وہ اسے ہر پہلو سے پوری طرح آگاہ ضرور کرتی ہے۔ اس اعتبار سے انسان تنہا ہو کر بھی انجمن در آغوش ہوتا ہے۔ بقولِ شخصے:

اکیلے میں میلا ہوتا ہے

❁❁❁

(45)

جوازِ کم کوشی

زبس مطلوبِ ہر کس بے طلب آمادہ است ایں جا

اجابت انفعال از شوخیِ دستِ دعا دارد

ترجمہ:

اس دنیا میں ہر شخص کا مقصد اس فراوانی کے ساتھ موجود اور مہیا ہے کہ دعا کے لیے سائل کے اُٹھے ہوئے ہاتھوں کی اس شوخی سے اجابت کو شرم آتی ہے۔

میرزا بیدلؔ نے اس شعر میں اللہ تعالیٰ کی رحمتِ بے پایاں کا ذکر فرمایا ہے اور یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ خالقِ کائنات نے اپنی مخلوق کو جو جو صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، اُن کو بروئے کار لانے کے لیے جملہ اسباب بھی پیدا فرما دیے ہیں۔ لیکن انسان اپنی کم کوشی کے سبب ان سے تمسّک نہیں کرتا اور محنت و کاوش سے کسی چیز کو حاصل کرنے کے بجائے صرف دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا لینے پر اکتفا کرتا ہے۔ ایسی صورت میں قبولیت کو اس کی اس شوخی سے شرمندگی ہوتی ہے کہ ہاتھ اُٹھانے والے کے لیے مسبب الاسباب نے کیسے کیسے اسباب پیدا نہیں فرمائے؟ مگر انسان کو دیکھ کہ ان اسباب کی طرف مائل ہونے کے بجائے اس نے صرف ہاتھ اُٹھانے پر اکتفا کر لیا ہے۔ مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حصولِ مقاصد کے لیے تمام اسباب بھی پیدا فرما دیے ہیں۔ اس لیے انسان کو اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے جدّ و جہد کرنی چاہیے۔ صرف دعا پر اکتفا نہیں کرنا چاہیے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ اسی لیے دعا سے بھی بدظن ہو جاتے ہیں کہ نعوذ باللہ وہ تو ہماری سنتا ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اسے بذریعہ اسباب مقاصد کے حصول کے لیے تگ و دَو کرنا پڑتی ہے، جو قدرت نے ایک خاص

نظام کے تحت ان کی تخلیق فرمائی ہے، مگر وہ اس جدّ وجہد سے خود کو بچا کر صرف دعا کے ذریعے سے اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جب وہ دعا کے بعد بھی اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوتا، تو پھر عالمِ مایوسی میں اپنی اس کم کوشی کو عدمِ اجابت یا عدمِ تاثیرِ دُعا کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے۔

❁❁❁

(46)

کثیر الکلامی کی مذمّت

پیوستہ پُر آواز بود کاسۂ خالی

پُر گوئیِ ابلہ اَثر طبعِ سقیم است

ترجمہ ومفہوم:

خالی برتن ہمیشہ زیادہ بولتا ہے۔ بے وقوف انسان کا زیادہ بولنا اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی اس کی طبیعت بیمار ہے۔ بے وقوف اور کم عقل انسان زیادہ بولنے کو دانائی سمجھتا ہے۔ حالانکہ یہ اندازِ فکر اس کی جہالت اور حماقت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ خالی برتن کی مثال دے کر احمق انسان کے زیادہ بولنے کی قباحت کو سمجھایا گیا ہے۔

میرزا بیدلؒ کے اس شعر کی تشریح کرتے وقت مجھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے دو شعر یاد آ گئے، جو ایک مرتبہ **تفسیر روح البیان** کا مطالعہ کرتے ہوئے نظر سے گزرے تھے۔ وہ شعر تبرکاً یہاں مع ترجمہ نذرِ قارئین ہیں:

اذا کثر الھام فنبھونی

فان العمر ینقصة المنام

جب میں زیادہ سونے لگوں، تو مجھے چونکا دیا کرو، اس لیے کہ زیادہ سونے سے زندگی گھٹتی ہے۔

اذا کثـــــر الـــــکـــــلام فســـــکتـــــونـــــی

فـــــان الـــــدیـــــن یهـــــدمة الـــــکـــــلام

جب میں زیادہ باتیں کرنے لگوں، تو مجھے خاموش کرا دیا کرو، کیونکہ بہت بولنے سے انسان میں دینی طاقت اور علم کو نقصان پہنچتا ہے۔

(47)

اعترافِ احسان

تا غرّۂ کمال نہ سازد قناعتت

بیدلؔ! ز خلق منّت احساں قبول کن

ترجمہ:

تا کہ قناعت تجھے (قانع ہونے کے) کمال پر مغرور نہ کردے، اس لیے اے بیدلؒ تو مخلوق سے احسان اٹھانے کی نیکی کو قبول کرلیا کر۔

تشریح:

بیدلؒ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ قناعت فی نفسہٖ اعلیٰ انسانی صفت ہے، جس کی اہمیت احادیث نبویہ سے ثابت ہے اور جس کے اختیار کرنے کی ضرورت پر تمام اکابرِ امت نے زور دیا ہے، لیکن یہی قناعت اگر انسان میں گھمنڈ پیدا کرنے لگے کہ میں اللہ کے دیے پر راضی ہوں، کسی کا احسان نہیں اٹھاتا، اور اس کا یہ اندازِ فکر اس میں عارضۂ نخوت پیدا کردے، تو بطورِ علاج اس کے لیے ضروری ہے کہ مخلوقِ خدا کا احسان قبول کرے اور اس کا برملا اعتراف کرے، تا کہ اس کے سر میں پیدا ہونے والی رعونت ختم ہوجائے۔ اگر رعونت وتکبر کی بو نہ گئی تو جملہ اعمالِ صالحہ اور صفاتِ عالیہ کے عـنـد اللـہ

کالعدم ہوجانے کا اندیشہ ہے۔ کیونکہ ارشادِ باری ہے: انه لا یحب المستکبرین کہ اللہ تعالیٰ کبر و غرور کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ معلوم ہوا کہ جس چیز سے کبر و غرور پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، اس سے اجتناب ضروری ہے، چاہے وہ فی نفسہٖ عمدہ ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ قناعت کے سلسلے میں سطور بالا میں وضاحت کی گئی۔

(48)

حقیقت اشیا کی تعریفات

اسرارِ کما ھِیَ را ، تاویل نمی باشد
سر را سر و پا را پا ، زانوست نمی گویم

ترجمہ:

وہ اسرار جو حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں، ان میں گنجائش تاویل نہیں ہوتی، یعنی ان کو اسی طرح بیان کرنا پڑتا ہے، جس طرح وہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا میں سر کو سر اور پاؤں کو پاؤں کہنے کے بجائے زانو نہیں کہہ سکتا۔ علاّمہ اقبالؒ نے بھی کچھ اسی طرح کہا کہ:

میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

مفہومِ شعر یہ ہے کہ جس چیز کی جو تعریف ہو، وہی کرنا چاہیے۔ آنکھ کو پاؤں اور پاؤں کو گُھٹنا نہیں کہنا چاہیے۔ یہ ایسے حقائق ہیں کہ ان کی تعریفات میں کسی قسم کی کوئی تاویل نہیں کی جاسکتی۔ انسان کو چاہیے کہ وہ رات کو رات اور دن کو دن ہی کہا کرے۔ کسی مصلحت اور لالچ کے تحت حقیقت کی تعریفات میں ردّ و بدل نہیں کرنا چاہیے، اس سے انسان کی اپنی عزّت گھٹتی ہے اور اصحابِ خرد اسے پاگل سمجھنے لگتے ہیں۔

(49)

آزادگی

آسماں ہم اعتبارے دارد از آزادگی
گر کسے برخاست از دُنیا ، ز دُنیا بر نہ خاست

ترجمہ:

آسمان میں بھی قدرے آزادی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ بہر حال اگر کوئی دنیا سے بہ ظاہر اُٹھ بھی جائے، پھر بھی وہ دنیا سے بالکل قطع تعلق نہیں کر سکتا۔

تشریح:

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ اگر چہ آسمان کی بلندی یہ دکھاتی ہے کہ وہ دنیا کے علائق سے بلند تر ہوگئی ہے، مگر وہ آسمانِ دنیا ہونے کی نسبت سے تو خود کو مبرّا نہیں کر سکتا۔ دنیا سے اس کا دور کا ہی سہی، مگر تعلق برقرار ہے۔ اسی طرح انسان کتنا ہی دنیا سے خود کو دور رکھے مگر اس کی نسبت سے وہ خود کو الگ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح کا ایک اور شعر ملاحظہ ہو۔ بیدلؒ فرماتے ہیں:

نہ رہید از املِ تجرّد ہم
رشتہ دارد قفائے سوزن ہا

یعنی تجرد کی زندگی گزارنے کا مدعی امیدوں سے نجات نہیں پا سکتا۔ دیکھئے! سوئی کو بھی تو مجردانہ زندگی گزارنے کا دعوٰی ہے، مگر وہ بھی دھاگے کے تعلق سے خود کو نہیں بچا سکی، گویا دھاگا اس کے لیے طولِ امل (لمبی امیدوں) کی علامت بنا ہوا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ کوئی بھی چیز جو دنیا میں موجود ہے، وہ اپنے آپ کو دنیا کی نسبت اور علائق سے نہیں بچا سکتی۔ لہٰذا جو لوگ دنیا میں رہتے ہوئے ترکِ دنیا کا دعوٰی کرتے ہیں، انہیں اپنے آپ کو اس دعوٰی میں سچّا ثابت کرنا بہت مشکل امر ہے، بقولِ شاعر:

کہ کرد قطعِ تعلّق کدام شد آزاد
بریدۂ ز ہمہ ، باخدا گرفتار است

تعلقات سے کوئی کہاں بچ سکا اور کون آزاد رہا، ماسوا سے آزاد ہونے والا بھی آخر کار باری تعالیٰ کے عشق کا گرفتار ہی ٹھہرا۔

❁❁❁

(50)

مرگِ اغنیا

دہر خلقے را بہ مرگ اغنیا می پرورد
یک نہنگ مردہ ایں جا بہرِ صد ماہی غذاست

ترجمہ:

وقت، دولت مندوں کی موت سے مخلوق کی ایک بہت بڑی تعداد کو پالتا ہے، جیسے ایک مردہ مگرمچھ سیکڑوں مچھلیوں کی غذا بنتا ہے۔

تشریح:

مفہومِ شعر یہ ہے کہ بڑے آدمی کے مرنے پر ایصالِ ثواب کے لیے جو کھانا تقسیم کیا جاتا ہے، اس سے ہزاروں غریب اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں، یعنی قدرت اس دن امیر کی موت کو، غرباء کے رزق کا وسیلہ بنا دیتی ہے۔ مختصر یہ کہ رب العالمین اپنی مخلوق کو مختلف طریقوں اور حوالوں سے رزق فراہم کرتا ہے۔ یہی حال دوسری مخلوق کا ہے۔ کوئی بڑا جانور مر جائے، تو چھوٹے جانور اسے کھا کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں، جس طرح ایک مگرمچھ کی موت ہزاروں مچھلیوں کی شکم پروری کا سبب بنتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر بڑی چیز سے چھوٹی اشیا کو نفع پہنچاتا ہے۔ یہ اس کا اپنا قانون ہے، اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مولانا رومؒ نے اسی مسلّمہ اور عالمگیر حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

جملہ عالم آکل و ماکول داں

قارئین! ہم اپنی روزمرہ زندگی میں اس کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، بالخصوص جنگلی اور بحری حیات میں۔ آج کل تو مرنے پر کھانا دینے کو بدعت کہا جاتا ہے اور اس آڑ میں خرچ سے بچنے کی صورت پیدا کر لی جاتی ہے۔ حالانکہ لوگوں کو کھانا کھلانا اور غربا میں اسے تقسیم کرنا شرعاً ممنوع نہیں۔ البتہ ایسے موقعوں پر صاحبِ ثروت و اقتدار کو مدعو کرنا (جیسا کہ آج کل عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے) اور غریبوں اور ناداروں کو اس سے محروم رکھنا یقیناً مذموم ہے۔

(51)

اربابِ حال کا سکوت

ز اہل حال مجوئید غیرِ ضبط نَفَس
کہ لاف دانش و فہم از کتاب دشوار است

ترجمہ:

اہل حال سے تم خاموشی کے علاوہ کسی چیز کی توقع نہ کرو، اس لیے کہ کتاب سے عقل و فہم کی لاف مارنا بعید ہے۔

تشریح:

اس شعر میں حضرت بیدلؒ ایک بہت بڑی حقیقت سمجھانا چاہتے ہیں۔ وہ یہ کہ اربابِ حال کی خاموشی میں بہت سے حقائق و اسرار پوشیدہ ہوتے ہیں، چونکہ قدرت نے انہیں صاحبِ حال بنایا ہے اس لیے وہ یاوہ گوئی سے پرہیز کرتے ہیں۔ دوسرے مصرع میں دی گئی ایک مثال سے میرزا صاحبؒ اس حقیقت کو یوں واضح کرتے ہیں کہ کتاب، علم کا خزینہ ہونے اور عقل و دانش کا سرچشمہ ہونے کے باوجود کبھی لاف نہیں مارتی، بلکہ خاموش پڑی رہتی ہے۔ اسے معلوم ہے کہ اس کی خاموشی خود بولتی ہے، جو اسے کھولے گا۔ اسے اس کی قیمت و اہمیت کا خود ہی اندازہ ہو جائے

گا۔معلوم ہوا کہ اربابِ حال کی بظاہر خاموشی کتاب کی طرح بولتی ہے، ان کی خاموشی اس مصرع کے مصداق ہوتی ہے:

خموشی معنی ای دارد کہ درگفتن نمی آید

اسی مضمون کو راقم الحروف نے اپنی اس رباعی میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

بیکار ہے محو قصّہ خوانی ہونا
مغرور بہ زعمِ ہمہ دانی ہونا
اربابِ نظر کی چُپ کو چُپ مت سمجھو
یہ چُپ ہی تو ہے عینِ معانی ہونا

اتنی بات ضرور ہے کہ ہر شخص کو خاموش رہنے کی بنا پر صاحبِ حال بھی نہیں سمجھنا چاہیے۔ اس لیے کہ بعض خاموشیاں محض جہالت کی وجہ سے بھی ہوتی ہیں، یعنی بعض لوگ صرف اخفائے جہالت کے لیے خاموش رہتے ہیں، جیسا کہ راقم الحروف نے اس حقیقت کو اپنی ایک رباعی میں بیان کیا ہے:

انسان کے احوال کی دنیا ہے عجب
مضمر اک ہی عمل میں ہیں دو مطلب
عالم بھی اِدھر چپ تو اُدھر جاہل بھی
یہ علم کے ہاتھوں ، وہ جہالت کے سبب

لہٰذا ہر خاموشی انسان کے صاحبِ حال ہونے پر دلالت نہیں کیا کرتی، بلکہ اکثر خاموشیاں اپنی جہالت پر پردہ ڈالنے کے لیے اختیار کی جاتی ہیں۔ ارباب حال کی خاموشی کی پہچان یہ ہے کہ وہ بولتی ہے اور اس کے پیچھے علم وعرفان کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔

(52)

عمرِ دوروزہ

بیدلؔ بہ دو روزۂ عمر مغرور مباش
بنیادِ تو نیستی ست معمور مباش
ہر چند ابدال و قطب و غوثت خوانند
اے خاک بہ ایں غبار مسرور مباش

ترجمہ:

اے بیدلؒ! اپنی اس دو دن کی زندگی پر مغرور نہ ہو، تیری اصل نیستی ہے، یعنی تو نے جلد ہی نیست و نابود ہو جانا ہے، لہٰذا اس ظاہری آن بان پر گھمنڈ مت کر۔ ہر چند کہ تجھے لوگ ابدال، غوث اور قطبِ وقت کہتے رہیں، مگر تو ان عارضی اور غبار کی طرح اُڑ کر ختم ہو جانے والے القابات پر خوش نہ ہو۔

تشریح:

قارئین! اس رباعی میں درسِ فنا دیا گیا ہے اور انسان کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اس کے پاس جو کچھ ہے، وہ سب عارضی اور فانی ہے۔ عارضی اشیا پر گھمنڈ جائز نہیں جس کے پاس جو کچھ ہے، وہ ایک نہ ایک دن فنا ہونے والا ہے۔ صاحبانِ عقل و دانش فانی چیزوں پر فخر نہیں کرتے، بلکہ عجز و انکسار کی زندگی گزارا کرتے ہیں۔ یہ رباعی دراصل ان لوگوں کے لیے تازیانۂ عبرت ہے، جو اس طرح کی نخوت آمیز حیات بسر کرتے ہیں جیسے انہوں نے اس دنیا میں ہمیشہ رہنا ہو۔ ایک حدیث شریف میں بھی یہی مفہوم ملتا ہے ارشاد ہوا: كن فى الدنيا كانك غريب او عابر سبيل وعد نفسك من اهل القبور ترجمہ: کہ دنیا میں مسافروں کی سی زندگی گزار یا اس شخص کی طرح گزر بسر کر، جو راستے سے گزر رہا ہو، اور اپنے آپ کو قبرستان والوں میں شمار کر۔

(53)

پہاڑوں کی صدائے بازگشت کی حکمت

جہاں می نالد از بے دست و پائی
صدا عذرِ خرامِ کوہسار است

ترجمہ:

سارا جہان اپنی بے بسی کا رونا رو رہا ہے، چنانچہ پہاڑ اپنے نہ چل سکنے کا عذر صدائے باز گشت کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔

تشریح:

بیدلؔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز کو ایک اندازہ میں پیدا فرمایا ہے۔ کوئی چیز اس سے تجاوز نہیں کرسکتی۔ ہر چیز کی صلاحیت کی ایک نہ ایک حد مقرر ہے۔ وہ اس سے آگے بڑھنے میں بے بس ہے۔ اپنی حد میں رہتے ہوئے کوئی چیز اظہارِ بے بسی نہیں کرتی۔ اظہار اسی وقت ہوگا، جب وہ اپنی حد سے متجاوز ہونے کی کوشش کرے گی۔ جب کسی چیز کو اس کی مقرّرہ حد سے تجاوز کرنے کی دعوت دی جائے تو وہ جواباً معذرت پیش کرتی ہے کہ قدرت نے مجھ میں یہ صلاحیّت نہیں رکھی ہے، لہٰذا مجھ سے یہ تقاضا درست نہیں۔ مثلاً: اگر کوئی شخص پہاڑ سے چلنے کی فرمائش کرے تو اس کی یہ فرمائش بجا نہیں ہوگی، اس لیے کہ پہاڑ کا چلنا اصطلاحِ منطق میں محال عادی ہے۔ ایسی صورت میں جب کہ پہاڑ صلاحیّت گویائی سے محروم ہے اپنا عذر کیسے پیش کرتا۔ لہٰذا بیدلؔ نے اس کی صورت یہ نکالی کہ جب پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہوکر بلند آواز سے کسی کو بلایا جائے یا مطلق آواز بلند کی جائے، تو جو آواز پہاڑ سے ٹکرا کر واپس آتی ہے، اسے صدائے بازگشت کہتے ہیں۔ شاعر کے نزدیک

وہی لوٹ کر آنے والی آواز پہاڑ کی معذرت ہوتی ہے کہ میں چلنے سے معذور ہوں۔ مجھے قدرت نے یہ صلاحیت دی ہی نہیں، اس لیے کہ: والجبال اوتادا کی نص ہمارے مؤقف کے حق میں مفید و موجود ہے۔

❁❁❁

(54)

اعترافِ عظمت

بیدلؔ! کلامِ حافظ ، شد ہادیِ خیالم
دارم اُمید کاخر ، مقصودِ من بر آید

ترجمہ:

اے بیدلؒ حافظؒ شیراز کا کلام میرے خیالات کا راہبر بنا۔ مجھے امید ہے کہ ایک نہ ایک دن میرا مقصد پورا ہو کر رہے گا۔

تشریح:

قارئین! بیدلؒ وہ عظیم شاعر ہے، جس نے اپنے قلم کو شاہانِ وقت کی قصیدہ گوئی اور تعریف سے آلودہ نہیں کیا اور نہ اپنے سے ماقبل کسی بڑے سے بڑے شاعر کی قادرُ الکلامی اور نکتہ آفرینی کی تعریف کی۔ ہاں دو شخصیات کی عظمتِ فکر کو ضرور خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ ایک حضرت خواجہ حافظؒ شیرازی اور دوسرے حضرت مولانا جلال الدّین رومیؒ۔ ورنہ وہ ایک رُباعی میں بابا فغانیؔ اور بیانیؔ جیسے عظیم شعرا کو بھی ان الفاظ سے یاد کرتے ہیں:

ایں جا نہ فغانی و بیانی شدن است
خاموش شدن عینِ معانی شدن است

اس بات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خواجہ حافظؒ اور مولانا جلال الدّین رومیؒ کتنے عظیم

شاعر تھے۔ آج تک دنیائے علم وادب پر ان کی دھاک بیٹھی ہوئی ہے، جس کا اعتراف ابوالمعانی میرزا عبدالقادر بیدلؒ جیسا بےنظیر صوفی شاعر بھی کر رہا ہے۔

(55)

غرض مندانہ اطاعت

اہل دنیا را مطیعِ خویش کردن کار نیست

پر بہ آسانی تواں دادن بہ چوبِ خام ، خم

ترجمہ:

دنیا پرستوں کو اپنا فرماں بردار بنا لینا کوئی بڑی بات نہیں، اس لیے کہ کچی لکڑی میں بڑی آسانی سے مزید خم پیدا کیا جا سکتا ہے اور اسے حسبِ منشا توڑا موڑا جا سکتا ہے۔

تشریح:

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ جو دنیا پر فریفتہ ہوتے ہیں اور مال ومتاع دنیا پر ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے مرتے ہیں، ایسے لوگوں کو اپنا مطیع وفرماں بردار بنا لینا کوئی کمال نہیں۔ اس لیے کہ ہوس دنیا کی وجہ سے ان میں لچک پہلے ہی سے موجود ہوتی ہے، کسی کی فرماں برداری میں ان کی مستعدی کسی نہ کسی لالچ اور غرض کے تحت ہوتی ہے کہ شاید اظہارِ اطاعت کے اس انداز سے ان کے دنیوی مقاصد پورے ہو جائیں، لہٰذا ایسے سطحی ذہن لوگوں کو نیاز مند اور مطیع بنا لینا کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ اگر تابع فرمان کرنا ہی ہے، تو ایسے لوگوں کو کرو جو دنیا کی پوجا نہیں کرتے اور ان کے دل میں دنیا و مافیہا کی حقیقت رائی کے دانے سے بھی کم تر ہے۔ اگر ایسے بلند نظر انسان کسی کے تابع فرمان بنتے ہیں، تو ایک بات بھی ہے، ورنہ محض دنیا پرستوں کو اپنا تابع فرمان بنا لینا اور انہیں اپنے پیچھے لگا لینا کوئی قابل

فخر کارنامہ نہیں۔ آج کل کے مذہبی رہنماؤں، سیاسی لیڈروں اور علما و مشائخ کا بھی یہی حال ہے، ان کے پیچھے عوام کا چلنا اسی قبیل سے ہے۔ بالخصوص نام نہاد مشائخ کے مریدین کی اکثریت صرف دنیوی مقاصد کے حصول کے لیے ان کی غلامی کا دم بھرتی ہے اور پروانہ وار جمع ہو جاتی ہے، اس لیے ان مشائخ کو اس غرض مند ہجوم کو اپنے گرد دیکھ کر اترانا نہیں چاہیے۔

در دشتِ جنون من ، جبریلؑ زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور ، اے ہمّت مردانہ!

❁❁❁

(56)

درسِ نیاز

سقف کلبۂ فُقرا ، نیست سیرگاہِ ہَوا
سر بسنگ تا نخوری ، اندکے خمیدہ بیا

ترجمہ:

فقیروں کی جھونپڑی کی چھت خواہشات کی سیر گاہ نہیں ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا سر پتھر سے زخمی نہ ہو، تو ذرا جھک کر دروازے سے داخل ہو۔

تشریح:

اس شعر میں ان جاہل، گنوار، متکبّر و رعونت پسند ابنائے روزگار کو مخاطب کیا گیا ہے، جو اقتدار اور دولتِ دنیا کے نشے میں سرمست اپنی گردن تان کر چلتے ہیں اور دوسرے انسانوں کو مختلف حیلوں حربوں سے اپنے آگے جھکنے پر مجبور کرتے ہیں۔ فرعون و شداد سے لے کر آج تک یہی ہوتا چلا آیا ہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

ہر زبردست نے کمزور انسانوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کی۔ نمرود و فرعون کی رعونت کو انبیا علیہم السلام نے توڑا۔ حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوت ختم ہوگیا، اس لیے قدرت نے یہ کام آنحضرتؐ کی اُمّت کے مقتدر اولیائے کرام، علمائے متّقین، صالحین اور آئمۂ عظام سے لیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اولیا و مشائخِ سلف نے ہمیشہ غریبوں کا ساتھ دیا اور ان کی حمایت میں آخری دم تک سرکشوں اور صاحبانِ اقتدار سے نبرد آزما رہے۔

حضرت غوث پاکؒ، حضرت معین الدین اجمیریؒ، حضرت نظام الدین اولیا محبوبِ الٰہیؒ اور حضرت بوعلی قلندر پانی پتیؒ اس سلسلہ میں قابل ذکر شخصیّات ہیں۔ شاہانِ وقت جب ان حضرات کے آستانۂ فیض کا رخ کرتے، تو انہیں داخل ہوتے وقت جھکنا پڑتا تھا تاکہ سر نیچی چھت کے ساتھ ٹکرانے سے بچ جائے، یہی وجہ ہے کہ بعض خانقاہوں میں یہ روایت آج تک بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ اگر کوئی صاحب یہ اعتراض وارد کریں کہ آیا مشائخ و آئمہ کے اس عمل کا مقصد مخلوق کو خالق کی بجائے اپنی طرف جھکانا تھا، تو (نعوذ باللہ) ایسا ہر گز نہیں۔ بات اتنی سی ہے کہ جو انسان دل کی گہرائیوں سے خالق حقیقی کے سامنے اپنا سر جھکاتا ہو، وہ اپنے جیسی دوسری مخلوق کو بہ نظرِ تحقیر دیکھ کر کبھی گردن اٹھا کر نہیں چل سکتا اور جب کوئی بدفطرت انسان صرف مادی ذرائع اور رعونت سے کمزوروں کو زیر کرنا چاہے، تو ایسے حالات میں ہر کلمہ گو کا فرض ہے کہ وہ انفرادی یا اجتماعی طور پر اس کے غرور و تکبر کو اپنے پاؤں تلے کچل ڈالے اور سوہانِ تکبر سے اس کی رعونت کا بت توڑے۔ التکبر مع المتکبر صدقة مگر عوام یہ معرکہ سر نہیں کرسکتے، اس لیے کہ ایسے معرکے سپاہ کی تیغ بازیوں کے بجائے نگاہ کی یلغاروں سے سر ہوتے ہیں۔ یہ میدان ان کے تصرفاتِ باطن اور تاثیراتِ قلب سے فتح ہوتے ہیں۔ یہ کام صرف وہی افراد کرسکتے ہیں، جنھیں قرآنِ کریم میں ان الفاظ سے یاد کیا گیا ہے: الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ الذین امنوا و کانوا یتقون ترجمہ: باخبر رہو کہ جو اللہ کے ولی (دوست) ہوتے ہیں انہیں نہ تو کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ کوئی غم۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد مقامِ تقوٰی پر فائز ہوگئے۔

اگر عوام اپنے اندر مومن کی صفات پیدا کرلیں تو وہ بھی اس آیت مبارکہ کا مصداق بن

سکتے ہیں۔ اگر چہ اولیا و صالحین پہلے عوام میں سے ہی ہوتے ہیں، مگر جب وہ عرصہ دراز کی ریاضتوں اور مجاہدوں سے بندگانِ خاص کی صفات وخصوصیات اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں، تو الـذیـن آمـنـوا کی تخصیص کے سبب محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اگر ایسے افراد کسی سرکش کو اپنے سامنے جھکاتے ہیں، تو وہ درحقیقت اسے اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں جھکنے اور اس کے آدابِ نیاز کی مشق کرا رہے ہوتے ہیں۔ ایسے باخدا افراد سے یہ گمان کرنا، کہ وہ اپنی پرستش کرواتے ہیں دریدہ دہنی، گستاخی اور ناانصافی ہے۔ مقبولانِ بارگاہ کے ساتھ نصرتِ الٰہی شامل ہوتی ہے، جس کی بنا پر انہیں تسخیرِ قلوب کی ناقابلِ تصور طاقتیں حاصل ہو جاتی ہیں۔ ''سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی'' تو معمولی بات ہے۔ اُن کی شانِ محبوبیّت کے تصرّفات تو عام انسان کے وہم وگمان سے بھی ورا ہوتے ہیں۔

❁❁❁

(57)

کفن چور

ہمیں بہ زندگی اسبابِ دام آفت نیست
بخاک نیز کفن خضرِ راہِ نبّاش است

ترجمہ:

صرف زندگی ہی میں ساز وسامان اور اسبابِ دنیا کی ہوس انسان کے لیے دام آفت نہیں ہوتی، بلکہ میّت کا کفن اس کے سپردِ خاک ہو جانے کے بعد بھی کفن چور کے لیے خضرِ راہ کا کام دیتا ہے۔

تشریح:

مطلب یہ کہ انسان کا دائرۂ غارت گری اور ذوقِ مردم آزاری انسانوں کی حیات ہی تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ اس کی ان ہوس رانیوں اور ہرزہ اندیشیوں کی زد سے باشندگانِ عدم آباد اور

مسافرانِ عالمِ برزخ بھی محفوظ نہیں ہوتے۔ انسان جب زندگی کے جھمیلوں اور اُلجھنوں سے تنگ آجاتا ہے اور یہ دیکھتا ہے کہ لوگ اس کے مال و متاع اور اسباب کے لوٹ لینے کی تاک میں ہیں، تو وہ آرزوئے موت کرتا ہے کہ شاید وہ قبر میں چین اور سکون کی نیند سو سکے، مگر ایسا نہیں ہوتا۔ خاقانیٔ ہند اُستاد ذوقؔ علیہ الرحمتہ نے اسی موقع کے لیے یہ شعر کہا تھا:

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

موت کا آرزومند انسان جب موت کے بعد آغوشِ لحد میں پہنچ جاتا ہے، تو اسے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ جس زندگی کے بارے میں متفکر تھا (یعنی اسباب اور ساز و سامان)، وہ اب بھی کفن کی شکل میں اس کے پاس موجود ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ زندگی میں اسباب کو اپنے لوٹا کرتے تھے اور بعدِ مرگ اغیار۔ مقصد یہ ہے کہ انسان کو مرنے کے بعد بھی دوسرا انسان چین نہیں لینے دیتا۔ جس طرح جسم انسانی سے اس کی زندگی میں ردائے آبرو نوچنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے، اس کا سلسلہ تارِ نفس ٹوٹنے کے بعد بھی اسی طرح اس سے سلوک روا رکھا جاتا ہے۔ بہادر شاہ ظفرؔ نے کہا تھا:

کتنا ہے بد نصیب ظفرؔ دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ ملی، کوئے یار میں

کوئے یار میں نہ سہی کہیں نہ کہیں تو جگہ مل ہی جاتی ہے، مگر کفن چوروں کی دسترسِ نگاہ سے کیسے بچا جا سکتا ہے۔ کوئے یار میں اگر دو گز زمین میسر آ بھی جائے، تو رقیب حضرات بھی سرقۂ کفن کے فرائض سر انجام دے سکتے ہیں، بلکہ وہ تو اپنے رقیب کی میّت سے بھی یہ کہہ کر کفن اتار لیں گے:

چہ شد اطلس فلکی قبا، کہ درید آں ملکی ردا
کہ دریں زیاں کدۂ فنا، پئے یک دو گز کفن آمدی

وہ تیری آسمانی اطلس کی قبا کیا ہوئی اور کس نے تیری اس ملکوتی چادر کو پھاڑ دیا کہ تو اس فنا کی نقصان گاہ یعنی دنیا میں ایک دو گز کفن کی خاطر آ گیا۔

کہ کشید دامنِ فطرتت کہ بہ سیرِ ما و من آمدی
تُو بہارِ عالمِ دیگری ز کجا بایں چمن آمدی

تیرے دامنِ فطرت کو کس نے کھینچا کہ تو اس دنیائے لفظیات (یعنی ماومن) کی سیر کے لیے آ گیا، تُو تو ایک دوسرے جہان کی بہار ہے (اس چمن، یعنی فانی دنیا) میں کیسے آ گیا؟

مختصر یہ کہ انسانی زندگی ابن آدم کی سفّا کیوں، چیرہ دستیوں اور عاقبت نااندیشیوں کی زد سے نہ یہاں محفوظ ہے اور نہ وہاں مصون۔ کچھ قیود و تشاویش تو اس کا مقدر ہی بنا دی گئی ہیں۔ یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی اور اگر تھوڑی دیر کے لیے ان تمام الجھنوں کا سبب علائقِ دنیوی ہی کو قرار دیا جائے، تو تارک الدُّنیا کہاں بے نیاز و آزاد ہوتا ہے۔

کہ کرد قطع تعلق کدام شد آزاد؟
بریدۂ ز ہمہ باخدا گرفتار است

❁ ❁ ❁

(58)

رہروِفرزانہ

بہ بے آرامی است آسائشِ ذوقِ طلب بیدلؔ
خوش آں رہرو کہ خارپائے خود فہمید منزل را

ترجمہ:

اے بیدلؔ! ذوق طلب کی آسائش واستراحت بے آرامی میں مضمر ہے۔ وہ مسافر کتنا بہتر انسان ہے، جس نے منزل کو اپنے پاؤں کا کانٹا سمجھا۔

تشریح:

شاعر کا مقصد یہ ہے کہ زندگی عملِ پیہم اور حرکتِ مسلسل کا نام ہے۔ یہ جوئے رواں ہے، رواں رہے گی اور اس میں سکون نام کی کوئی چیز نہیں۔

سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں

ذوقِ طلب کی ظاہری خلش و بے آرامی اور حیرانی و سرگشتگی حقیقت میں آسائش و آرام پر منتج ہوتی ہے۔ اگر مسافر اپنی منزل کو اپنے پاؤں کا کانٹا سمجھ لے، تو وہ ایک دن ضرور منزلِ حقیقی کو پالے گا۔ اس شعر میں رہرو (مسافر) کا لفظ مروجہ معنوں میں استعمال نہیں ہوا، بلکہ اس مسافر سے مراد مسافرِ راہِ تحقیق ہے جو وقتی طور پر اپنی کسی تحقیق کو آخری منزل سمجھ لیتا ہے اور کہہ اٹھتا ہے کہ اس کے بعد گنجائشِ جستجو نہیں رہی۔ بیدلؒ ایسے رہرو کو باخبر کرنا چاہتے ہیں کہ اے مسافر! جسے تو نے منزل سمجھ لیا ہے وہ منزل نہیں، وہ تو راہِ تحقیق میں چبھنے والا ایک کانٹا ہے۔ اس لیے یہاں صرف کچھ لمحوں کے لیے رُک اور جھک کر یہ کانٹا نکال لے اور پھر اس سے آگے سفر شروع کر دے۔

زندگی ایک دم کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

منزل پر پہنچ جانے کے تصور سے تو ذوقِ جستجو مٹ جاتا ہے، اس لیے خود کو ہمیشہ راہ نورد سمجھنا چاہیے:

منزلیں ذوقِ تجسّس کو مٹا دیتی ہیں
ہم تو راہوں کے طلب گار ہیں، منزل کے نہیں

عارف رومیؒ نے کیا خوب کہا:

گفت المعنٰی ھواللہ شیخ دیں
بحر معنٰی ہا ست ربُّ العالمیں

شیخِ دینؒ نے فرمایا کہ ذاتِ باری لفظیات کی اس دنیا میں ایک معنی کا مقام رکھتی ہے، یعنی دنیا ایک افسانہ ہے اور ذاتِ احد ایک حقیقت کُبریٰ ہے۔ یہی وہ ذات ہے، جو اسرار و معانی کا ایک ناپیدا کنار سمندر ہے، اس کا طالب اس کے مظاہر کو تحقیقی نظر سے دیکھتے ہوئے اس کی طرف جا سکتا ہے۔ اب اگر وہ کسی مظہر میں اُلجھ کر رہ جائے، یا اسے اپنی منزلِ

مقصود سمجھ بیٹھے، تو یہ اس کی نادانی ہے۔ اسے چاہیے کہ ماعرفناک حق معرفتک (ہم نے تجھے جس طرح پہچاننا چاہیے تھا نہیں پہچانا) کی صدائیں لگاتا، تجلیات و مظاہر کو دیکھتا اور آگے بڑھتا چلا جائے۔ وہ اس سفرِ جستجو میں جس قدر آگے بڑھتا چلا جائے گا، اس قدر اسی پر انفس و آفاق کے اسرارِ سربستہ منکشف ہوتے چلے جائیں گے اور حقائق الاشیا کے تہ در تہ رموز و غوامض الم نشرح ہوتے جائیں گے۔ اس مادی دور میں کرۂ خاکی کے مسافر تو بہت ملتے ہیں، مگر جس مسافر اور جس سفر کا ذکر بیدلؒ نے کیا ہے، وہ یہ نہیں، وہ مسافر اس دنیا سے سفر کر گئے۔ حضرت پیر مہر علی شاہ قدس سرہ نے اپنے ایک شعر میں اسی سفر کی طرف بڑا لطیف و بلیغ اشارہ فرمایا ہے:

بیروں نہ زدم قدمے ویں طرفہ تماشا بیں
پر آبلہ شد پایم ، عمریست کہ سیّارم

یعنی میں نے اپنے گھر سے باہر قدم بھی نہیں رکھا، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ میرے تلوے چھالوں سے بھر گئے ہیں۔ ایسا لگتا ہے گویا میں ایک مدّت دراز سے حالت سفر میں رہنے والا ایک مسافر ہوں۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت پیر صاحب نے کس سفر کی طرف اشارہ فرمایا ہے؟ یہ وہی سفر ہے جس کا ذکر میرزا بیدلؒ کے مندرجہ بالا شعر میں ہوا۔ گویا:

بیٹھا ہوا وطن میں بھی سالک سفر میں ہے

اور اس سفر کا ذکر قرآنِ کریم میں موجود ہے، سورۃ الصّٰفّٰت میں ارشاد ہوا: و قال انی ذاھب الی ربی سیھدین اور ابراہیمؑ نے کہا کہ میں اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں، وہ مجھے راستہ دکھائے گا۔

یہ مقام توجہ طلب ہے کہ اگر یہاں ذھاب (جانے) کے ظاہری معنٰی لیے جائیں، تو اس کے لیے مسافت اور فاصلے کا تعین ضروری ہوگا، یعنی کون کہاں سے کہاں تک گیا؟ جب کہ یہاں معاملہ ایسا نہیں۔ چونکہ ذاتِ باری زمان و مکان کی قیود سے پاک ہے اور کائنات میں کوئی ایسا متعین مکان یا منزل نہیں جہاں اس سے ملاقات کی جاسکتی ہو۔ اس لیے اس آیت کا مفہوم یوں ہوگا کہ ابراہیمؑ نے کہا کہ میں قلبی طور پر خدا کی طرف جانے والا ہوں، یعنی متوجہ الی

اللہ ہوں، وہ مجھے راستہ دکھائے گا۔ چونکہ یہاں سفر کی نوعیت مختلف ہے اور اس کے لیے ظاہری ذہاب وایاب نہیں، لہٰذا یہاں سفر باطن مراد لیا جائے گا۔صوفیائے کرام اسی انـــــی ذاھب الـی ربـی کی اتباع میں ہروقت اپنے خالق و مالک کی طرف خود بھی سفر کرتے ہیں اور اس کی تلقین بھی فرماتے رہتے ہیں۔اب آپ نے اندازہ لگایا کہ میرزا بیدلؔ نے سادہ سے الفاظ میں جو بات کی وہ درحقیقت کس قدر گہری اور وضاحت طلب تھی۔

(59)

خاموشی

خامشی آئینہ دارِ معنیِ روشن دلی ست
نیست بیدلؔ چارہ از پاسِ نفس آئینہ را

ترجمہ:

خاموشی روشن دلی کے معنی (موجودگی) کی دلیل ہے۔اے بیدلؔ! آئینے کو پاسِ انفاس سے چارہ نہیں۔

تشریح:

خاموشی ایک عمدہ صفت ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ایک خاموشی تو اس لیے اختیار کی جاتی ہے کہ لوگوں پر جہالت، کم علمی، عجزِ بیاں اور زیرِ بحث موضوع سے ناواقفیت کا رازعیاں نہ ہونے پائے۔ یہ خاموشی عیوب کی پردہ پوش تو ہوسکتی ہے، مگر انسان کے وقارعلم وفضل کی آئینہ دار نہیں ہوسکتی۔ بقولِ حضرت سعدیؒ:

تا مرد سخن نگفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

جیسا کہ مذکور ہُوا جہلا کا خاموش رہنا وقار و تمکنت علمی سے بالکل خالی ہوتا ہے، مگر میرے نزدیک اس دَور کے بےعلم انسان کا خاموش رہنا خوبی سے کم نہیں۔ کیونکہ اکثر دیکھا گیا کہ ایک آدمی اپنی علمی کم مائیگی اور عجزِ بیاں کو اچھی طرح جانتا ہے اور اپنے متعلق لوگوں کی رائے سے بھی واقف ہے پھر بھی بولتا چلا جاتا ہے۔ اگر ایسا آدمی تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو جائے، تو اسے داد خاموشی دیجیے، تاکہ وہ اس خاموشی کو عادت بنالے، ورنہ پھر شوق سے سماعت فرمائیے۔ دوسری خاموشی یا سکوت وہ ہے، جسے اربابِ علم و فضل اختیار کرتے ہیں۔ اس خاموشی پر ہزاروں گویائیاں قربان، یہ تو اپنے اندر گفتگو کا ایک سمندر لیے ہوتی ہے۔

خموشی معنی ای دارد کہ در گفتن نمی آید

یہی وہ خاموشی ہے، جو اہل علم کا زیور کہلاتی ہے اور جو بلندئ درجات کا باعث بنتی ہے۔

قارئین! اس ضمن میں حضرت مخدوم علیؒ ہجویری کے حوالے سے خاموشی اور گفتگو پر ذیل میں ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے، جو میرے موقف کی تائید مزید کے لیے کافی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

واندر حکایات یافتم کہ روزی ابوبکر شبلیؒ در کرخ بغداد می رفت۔ یکے را دید از مدعیان کہ می گفت: ''السکوت خیر من الکلام'' فقال الشبلی: سکوتك خیر من کلامك لان لغو و سکوتك هزل و کلامی خیر من سکوتی، لان سکوتی حلم و کلامی علم و خاموشی تو بہتر از گفتار تو۔ شبلی علیہ الرحمہ گفت: خاموشی تو بہتر از گفتار تو، ازانچہ گفتارِ تو لغو است و خاموشیِ تو ھزل، و گفتار من بہتر از خاموشی من از آنچہ سکوتِ من حلم است و کلامِ من علم، گر علم نگویم حلم بر آں دارد و اگر بگویم علمم بر آں دارد، چوں نگویم حلیم باشم، چوں بگویم علیم باشم۔

اصل بات تو یہ ہے کہ ہماری تمام حرکات و سکنات، ہمارے سارے ارادے، ہماری پسند و ناپسند اور ہماری تمام سرگرمیاں محض رضائے الٰہی کے لیے ہونی چاہییں اور اگر ایسا ہو جائے، تو اس سے کیا نتائج مرتب ہوتے ہیں؟ اس ضمن میں آقائے نامدار جنابِ رسالت

مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی پڑھیے:

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان العبد ليتكلم با لكلمته من رضوان الله لا يلقى لها بالاً يرفع الله بها درجت وان العبد ليتكلم با لكلمت من سخط الله لا يلقى لها بالاً لهوى بها فى جهنم۔ و فى رواية لهوى بها فى النار البعد مابين المشرق و المغرب۔

ترجمہ: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی اللہ کی رضا مندی کا ایک کلمہ بولتا ہے، اس کی شان اسے معلوم نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے درجات بلند کر دیتا ہے اور انسان اللہ کی ناراضگی کا ایک کلمہ بولتا ہے، اس کی شان (کیفیت) اسے معلوم نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ سے اس کو جہنم میں گرا دیا جاتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ دوزخ میں اس قدر دور جا گرتا ہے، جتنا فاصلہ مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔

مندرجہ بالا شعر میں اربابِ فضل وکمال کی ایسی خاموشی ہی کو روشن دلی اور آئینہ سامانی سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی جب تم دیکھو کہ ایک صاحب کمال مہر بہ لب ہے، تو سمجھ لو کہ اس کا دل روشن ہے اور اس علم کی روشنی سے وہ جہالت کے اندھیروں کے خلاف مصروفِ پیکار ہے، اپنی خاموشی کو اس کی خاموشی پر قیاس نہ کیجئے۔ مصرعِ ثانی میں ایسی خاموشی کو آئینے کے ضبط نفس سے تشبیہ دی گئی ہے، یعنی جس طرح استحضارِ موت کی وجہ سے اہل اللہ کو اپنی سانسوں کا خیال رہتا ہے کہ کوئی سانس ذکر اللہ سے خالی نہ رہے، بالکل اسی طرح آئینہ بھی پاسِ نفس کرتا ہے اور اسی پاسِ انفاس کی بنا پر آئینے کا دل روشن رہتا ہے، اگر وہ سانس لے لیتا تو خود ہی دھندلا جاتا، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ سانس کے بخارات کی وجہ سے آئینے کا چہرہ دھندلا جاتا ہے۔ پاس انفاس کے سلسلہ میں کسی نامعلوم اُستاد کا یہ شعر بھی لائق صد تحسین ہے:

دمبدم دم را غنیمت دان و ہمدم شو بہ دم
واقفِ دم باش و دم را دمبدم بے جا مدم

یا:

غافل در احتیاطِ نفس یک نفس مباش
شاید ہمیں نفس ، نفس واپسیں بود

یہ تو تھا اہل اللہ اصحابِ کمال کی خاموشی کا حال، لیکن بقولِ غالبؔ:

بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

خاموشی کی ایک اور صورت بھی پیش کر دوں۔ اگر خاموشی کا تعلّق کچھ دیر کے لیے حسن بتاں سے قائم ہو جائے، تو چشمِ تصور عجیب و غریب قسم کا حسین و جمیل منظر دیکھتی ہے۔ مولانا گرامیؔ جالندھری مرحوم و مغفور نے اسی کیفیّت کو چھوٹی بحر کے ایک ایسے لافانی شعر میں سمویا ہے کہ بے اختیار منہ سے واہ واہ نکلتی ہے:

خموشی با تکلم در ستیزہ
تبسم درمیانش ریزہ ریزہ

مطلب یہ ہے کہ محبوب کی حالت خاموشی اور تکلم میں ٹھنی ہوئی ہے۔ دونوں حالتیں اپنی اپنی فتح و کامرانی چاہتی ہیں۔ خاموشی محبوب کو چپ رہنے پر مجبور کر رہی ہے اور تکلّم دعوت سخن دے رہا ہے۔ محبوب عجیب کشمکش سے دوچار ہے کہ کس کی مانے اور کس کی نہ مانے۔ راقم الحروف نے مولانا گرامیؔ مرحوم کے اس شعر کا یوں منظوم ترجمہ کیا ہے:

ٹھنی ہے گفتگو کی اور خاموشی کی آپس میں
پسا جاتا ہے بے چارہ تبسّم درمیاں ہو کر

آخر ان دونوں حالتوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے تبسم بہ حیثیت ثالث بالخیر دولبوں کے درمیان سے اس حسن و تمکنت سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاموشی اور تکلّم کے مفہوم اور اس کے امتزاجِ معنوی کی تفسیر بیان کر دیتا ہے اور ان دونوں کے درمیان خط ہے۔ چونکہ تبسم بامِ لب سے ہلال کی طرح باریک صورت میں رونما ہوا کرتا ہے، اسی مناسبت سے ریزہ ریزہ کے الفاظ لائے گئے ہیں، ان کا ایک مفہوم تو تھوڑا تھوڑا ہے، یعنی خموشی و تکلم کی باہمی کشمکش میں محبوب تھوڑا تھوڑا مسکرا رہا ہے (یہ

کیفیتِ ضبط کا بیان ہے)۔ دوسرا مفہوم یہ ہے کہ خاموشی اور تکلم کی اس آویزش میں تبسم ریزہ ریزہ ہوگیا ہے۔ ثالثی سے رونما ہونے والے نقصانات کا اندازہ بھی اس بیان کی رو سے لگایا جاسکتا ہے۔ پھر ''ریزہ ریزہ'' میں بہ صورتِ تبسم دانت کے الگ الگ ظاہر ہونے کی طرف بھی لطیف اشارہ کیا گیا ہے۔ شاعر کی اس نازک خیالی اور فکری نزاکت کی تشریح ممکن نہیں، کیونکہ شعر میں ایک نازک اور پیچیدہ حالت کا بیان ہے اور حالت کا تعلق صرف احساس سے ہے، یہ الفاظ میں سمجھائی نہیں جاسکتی۔

محبت ایسی منزل ہے جو سمجھائی نہیں جاتی

بہر حال اس وضاحت سے مقصود یہ ہے کہ شعر کی محاکاتی (بعینہ نقل کرنے کی) صورت سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جائے اور جو احباب براہ راست فارسی سے محظوظ نہیں ہو سکتے، انہیں ممکنہ حد تک مفہوم و مراد کے قریب لایا جائے۔ میری حیاتِ مطالعہ میں اس موضوع پر کسی دوسری زبان میں اس سے عمدہ شعر کم از کم میری نظر سے نہیں گزرا۔

مختصر یہ کہ خاموشی کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ''من صمت نجا'' ترجمہ: جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا، کے تحت آخر میں بیدلؒ کا یہ شعر پیشِ خدمت ہے:

نجات می طلبی ، خامشی گزیں بیدلؔ
کہ در طریق سلامت خموشی اُستاد است

اے بیدلؒ! اگر نجات دارین کا خواہاں ہے تو خاموشی اختیار کر، اس لیے کہ سکون و سلامتی کے سفر میں خاموشی خضرِ راہ بھی ہے اور استادِ وقت بھی۔

(60)

گوہرِ مقصود

نیست از جیبِ تو بیروں گوہرِ مقصودِ تو
بے خبر سر می زنی چوں موج بر ساحل چرا

ترجمہ:

تیرے مقصد کا موتی تیرے گریباں سے باہر نہیں۔ اے بے خبر انسان! تُو موج کی طرح ساحل پر اپنا سر کیوں پٹخ رہا ہے؟

تشریح:

جس طرح موجِ بے خبر اپنا سر ساحل پر دن رات پٹختی رہتی ہے اور اسے یہ علم نہیں ہوتا کہ موتی سمندر کی تہ میں ہے، اسی طرح انسان طمانیت قلب کو اسبابِ علائق دنیا میں تلاش کرتا ہے، حالانکہ سکون وطمانیت کا منبع (دل) تو اس کی اپنی وادیِ جسم میں موجود ہے۔ وہ اگر اس گوہر کے حصول میں کامیاب ہو جائے، تو ساز و سامان سے تمسّک چھوڑ دے۔ انسان کی بے خبری کا یہ عالم ہے کہ حصولِ گوہر کی دُھن میں ساحل، یعنی اسباب وعلائق سے دن رات سر ٹکرا رہا ہے۔ یہاں موج کی تشبیہ سے مراد یہ بھی ہے کہ جو لوگ موج کی طرح سطحی زندگی رکھتے ہیں اور دروں بینی وژرف نگاہی سے محروم ہوتے ہیں، ان کی قسمت میں ہمیشہ ساحل سے ٹکراتے رہنا ہی لکھا ہوتا ہے۔ یا تو وہ موجوں کی سی سطحی زندگی کو ترک کریں، یا پھر گوہرِ مقصود کے خیال کو خیر باد کہیں اور عمر بھر دیوانوں کی طرح مال ودولت اور دنیا کے ناپائدار جاہ وحشم کے حصول میں ذلیل وخوار ہوتے رہیں۔

موجیں جس طرح سطحِ آب پر سرگرداں رہ کر سمندر کی گہرائیوں میں پوشیدہ گوہر آبدار کو حاصل نہیں کر سکتیں، اسی طرح سیم وزر کے پجاری اور مصنوعی عزّت وشان کے لیے رات دن ہاتھ پاؤں مارنے والے بے خبر لوگ دنیائے دل کی بے کراں وسعتوں کا

تصور بھی نہیں کر سکتے۔

ہم مسافر ہیں اتر جائیں گے کچھ دیر میں پار
تجھ کو اے موج مبارک رہے دریا تیرا

❁❁❁

(61)

حیرتِ آئینہ

حسن ہر جا دستِ بیدادِ تجلّی وا کند
نیست جز حیرت کسے فریاد رس آئینہ را

ترجمہ:

حسن جس گھڑی اپنی تجلّی کے ظلم کا ہاتھ بڑھاتا ہے، تو حیرت کے سوا آئینے کا فریادرس کوئی نہیں ہوتا۔

تشریح:

آئینے کی حیرت مشہور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آئینہ مسلسل آنکھ کھولے ہوئے دیکھتا رہتا ہے، نہ تو اس کی آنکھ جھپکتی ہے اور نہ سلسلۂ نظر منقطع ہوتا ہے۔ چونکہ انسان کی آنکھیں اور ذہن حیرت واستعجاب کی انتہا کے مقام پر کھل جایا کرتے ہیں، اس بنا پر آئینے کو اس کیفیت سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ شاعرانہ نازک خیالی سے یہ شعر خود آئینہ حیرت بن گیا ہے، یعنی حسن جب اپنی تجلّی آئینے پر ڈالتا ہے تو اس وقت آئینہ فریاد کرتا ہے۔ چنانچہ حیرت اس کی فریاد کو پہنچ جاتی ہے اور آئینہ بذاتِ خود حیرت بن کر تجلیاتِ حسن کا نظارہ کرنے لگتا ہے۔ اسی مضمون کو میر تقی میؔر نے خوب باندھا ہے:

اس کا منہ دیکھ رہا ہوں سو وہی دیکھوں ہوں
نقش کا سا ہے سماں میری بھی حیرانی کا

اب اس موضوع پر میرا اپنا شعر بھی پڑھ لیجیے:

قیامت ہے تمہارا بن سنور کر سامنے آنا
مرا کیا ذکر ، آئینے کی حیرانی نہیں جاتی

دراصل بیدلؒ نے اپنے شعر میں ایک بہت بڑی حقیقت بیان کی ہے کہ انسان آئینۂ حق ہے اور حقیقت حقّہ اس میں اپنے جلال و جمال کا مشاہدہ کرتی ہے۔ جوں جوں انسان اپنے کمال کی طرف بڑھتا ہے، وہ حقیقت حقّہ کے جلووں کی آماج گاہ بنتا چلا جاتا ہے اور پھر تجلّیات کا وہ وفور ہوتا ہے کہ انسان اپنے ذاتی کمالات کے باوجود حیرت و استعجاب میں پناہ لینے پر مجبور ہو جاتا ہے اور اُلوہیّت کی فضائے نورانی میں پہنچ کر حقیقت ازلی کا آئینہ بن کر ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے جس میں علم و حیرت ہم آغوش ہو جاتے ہیں۔ عرفا کا زندگی کے آخری ایّام میں عالمِ استغراق اسی وجہ سے ہوتا ہے۔

چشم دل چوں باز شد معشوق را در خویش دید
عین دریا گشت چوں بیدار شد چشم حباب

(62)

پاسِ آشنائی

بدل گفتم کدامیں شیوۂ دشوار است در عالَم
نفس درخوں تپید و گفت ''پاسِ آشنائی ہا''

ترجمہ:

میں نے دل سے پوچھا کہ جہاں میں کون سا کام انتہائی مشکل ہے، تو میری سانس نے خون میں لوٹ کر کہا: آشنائیوں کا پاس۔

تشریح:

بلاشبہ انسانی معاشرے میں تعلقات کا اُستوار رکھنا اور آشنائی کا پاس رکھنا نہایت مشکل کام ہے۔ جو تعلقات و روابط دنیوی اغراض و مقاصد کی اساس پر قائم کیے جاتے ہیں، نہایت قلیل المیعاد ہوتے ہیں۔ ایسی آشنائی محض دنیا داری یا کاروباری زمرے میں تو آسکتی ہے مگر اسے حقیقی آشنائی نہیں کہہ سکتے، اس لیے کہ حقیقی اور معنوی تعلق تو وہی کہلاسکتا ہے جس کی بنیاد رضائے الٰہی ہو۔ اسے شرعی اصطلاح میں البغض فی اللّٰہ والحب فی اللّٰہ کہتے ہیں، یہ روابط زوال پذیر ہونے کے بجائے اٹوٹ ہوتے ہیں، اس لیے کہ ان میں دینوی اغراض و مقاصد کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا مگر ایسے تعلّق پرور بہت کم ہوتے ہیں۔ عوام تو پھر عوام ٹھہرے، اکثر روحانی اور مذہبی مقتدر خانوادوں کے بعض افراد کو بھی دیکھا گیا ہے کہ انسانوں سے ان کے تعلقات کی نوعیت حقیقی نہیں ہوتی بلکہ ظاہر داری اور مطلب برآری کی حد تک ہوتی ہے۔ جب خواص کا یہ عالم ہو تو عوام سے کیا گلہ شکوہ؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اگر ایک انسان آشنائی کا پاس نہیں کرتا تو دوسرے کو اپنی طرف سے ممکنہ حد تک خیال کرنا چاہیے، لیکن میرے نزدیک یہ نظریہ صحیح نہیں، یہ تو یک طرفہ ٹریفک ہے۔

مشرب آئینہ داریم در آمیزش خلق
روئے از ہر کہ نہ بینم ، نگاہش نہ کُنیم

یعنی لوگوں سے میل جول کے سلسلہ میں ہم آئینے کے مشرب و طریقہ کے قائل ہیں، جب ہم اپنی طرف کسی کو متوجہ نہیں پاتے تو اس کو دیکھتے تک نہیں۔ آئینہ کی جانب جب کوئی رخ کرتا ہے تو وہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے کوئی شخص آئینے کو درخور اعتنا ہی نہ سمجھے اور الٹا بے چارہ آئینہ ہر آنے جانے والے کا تعاقب کر کے اسے دعوت التفات دیتا پھرے تو یہ روّیہ مرتبۂ آئینہ کے شایان شان نہیں۔ اگر کسی کو اپنی شکل کی حقیقی صورت حال سے آگاہی کا شوق ہے تو اسے خود بارگاہ آئینہ میں حاضر ہونا چاہیے، اس لیے کہ غرض مند یہ ہے نہ کہ آئینہ۔

تالی دونوں ہاتھوں سے بجتی ہے۔ اگر ایک انسان کو تعلق کا پاس نہیں تو دوسرے کو بھی سبق آموزی کی خاطر اس کا خیال ترک کر دینا چاہیے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ دوسرے کی اصلاح ہو جائے

گی اور وہ تجدید کی کوشش کرے گا اور نتیجتاً آئندہ دونوں کا توسنِ انا بے لگام نہیں ہوگا۔

پیوند دوست داری ازاں قطع می کنم
تا باز بندم و بتو نزدیک تر شوم

بعض اوقات رشتۂ تعلّق کو اس لیے قطع کر دیا جاتا ہے تاکہ تجدید پر احساسِ قرب شدت سے ہو۔انقطاعِ تعلّق کے ضمن میں شاعر نے ایک عجیب توجیہہ پیش کی ہے۔روزمرّہ زندگی کے عام مناظر اور واقعات و مشاہدات سے اس قسم کے فکر انگیز اور دقیق نتائج اخذ کرنا یقیناً کمالِ ژرف نگاہی ہے، جو ایک حقیقی شاعر ہی کا حصہ ہوسکتا ہے۔ہم دیکھتے ہیں کہ ٹوٹے ہوئے دھاگے کے جوڑنے کے لیے لگائی جانے والی ہر گرہ (گانٹھ) اس کی لمبائی کو مسلسل گھٹاتی چلی جاتی ہے۔شاعر نے اس شعر میں انتہائی خوب صورتی سے یہ حقیقت سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ اے محبوب! میں تیرے تعلّق کے دھاگے کو اس لیے بار بار کاٹتا ہوں تاکہ گرہ لگانے کے عمل سے طوالت کم ہوتی جائے اور اس طرح میں پہلے کی نسبت تجھ سے اور زیادہ قریب ہوسکوں۔

پہلی صورت جس میں آشنائی کا پاس کرتے ہوئے صرف ایک انسان کو پابندِ وفا رہ کر یہ کہتے ہوئے خون کے آنسو پینا پڑتے ہیں۔

ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے
بے وفائی تیری عادت ہی سہی

اخوتِ اسلامی اور فطری ضابطۂ اخلاق کے بالکل منافی ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کوئی ہم سے وفا کرے یا نہ کرے، ہم تو بہر حال وفا آشنائی کا پاس کریں گے۔میرے خیال میں وہ اس دعوٰی میں سچے نہیں ہوتے، وہ محض اپنے آپ کو حسبی نسبی ''لج پال'' ثابت کرنے کی سعیِ لاحاصل کرتے ہیں، معاشرے میں نیک نامی، سربلندی اور شہرت کے خواہاں ہوتے ہیں۔میرے نزدیک یہ سراسر مکاری، ریاکاری اور فریب خوردگی ہے۔امام غزالیؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب **احیاء العلوم** میں ریا کے باب میں بڑی شرح وبسط کے ساتھ انسان کے اس قسم کے حیلوں اور ریاکاریوں کا ذکر کیا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وادیِ پُرخار سے کامیابی کے ساتھ گزرنا کوئی آسان کام نہیں، لیکن مصلحین اور مقتدر اولیائے امت اخلاقی عظمتوں کی آخری بلندیوں پر پہنچ کر کمالِ بے نفسی

اور بے غرضی سے اصلاحِ خلائق کی خاطر وفا کیشی اور پاسِ آشنائی کا ہر حال میں خیال رکھتے ہیں اور ان کا طریقۂ حیات یہ ہوتا ہے۔

جفا کشیم و وفا می کنیم و خوش باشیم
کہ در شریعت ما کافری است رنجیدن

❁❁❁

(63)

زخمِ دل

می دہد زخم دل از بیدادِ شمشیرت نشاں
می تواں فہمید مضمونِ کتاب از باب ہا

ترجمہ:

میرے دل کا زخم تیری تلوار کے ظلم وستم کی نشاندہی اس طرح کر رہا ہے، جس طرح کتاب کے مضامین کا اندازہ اس کے ابواب کے مطالعہ سے کیا جا سکتا ہے۔

تشریح:

''بیدادِ شمشیر'' کو مضمونِ کتاب اور ''زخمِ دل'' کو باب سے تشبیہ دی گئی ہے۔ شاعر کا مقصد یہ ہے کہ میری حالت زار تیرے جورِ بے حد کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ غالبؔ نے بھی کچھ اسی طرح کی صورت کو بیان کیا تھا:

نظر لگے نہ کہیں ان کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں مرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں

شاعر کہتا ہے کہ اگر یقین نہیں آتا تو زخم دل کی گہرائی دیکھ لو اور پھر اپنی تیغ ستم کی کارستانیوں کا خود اندازہ لگا لو، اس لیے کہ اربابِ عقل کتاب کے آغاز کو دیکھ کر بخوبی اندازہ لگا لیتے ہیں کہ اس کتاب میں کیا کیا لکھا ہوگا۔

پہلے مصرع میں ' تا ' کی ضمیر کا خطاب محبوبِ حقیقی کو ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہوا کہ عاشقانِ زار تیری بے اعتنائی کے باعث اپنے سینے میں بڑے گہرے گھاؤ رکھتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ان کا جذبہ کتنا شدید اور کس قدر صادق ہے۔ ایسے با اخلاص عشّاق کی طرف نگاہ لطف سے نہ دیکھنا کیوں کر درست ہوگا؟ وہ اپنے پُر خلوص جذبے کو بہر حال قائم رکھنے کا عزم رکھتے ہیں اور اپنی شدّت عشق کا واسطہ دے کر محبوبِ ازل کو اپنی طرف ملتفت کرنا چاہتے ہیں۔

تُو لاکھ کھنچے مجھ سے نہ چھوڑوں گا میں دامن
کیا اور کوئی تیرے سوا میرے لیے ہے؟

یا

تو اپنا در نہ کھولے گا میں تیرا در نہ چھوڑوں گا
حکومت اپنی اپنی ہے کہیں تیری ، کہیں میری

❁❁❁

(64)

خُوئے بیگانگی

بیدؔل بوضعِ خلق محالست زیستن
بیگانگی اگر نشود آشنائے ما

ترجمہ:

اے بیدل! مخلوق کی وضع کے مطابق تو جینا امر محال ہے، اگر بیگانگی سے ہماری آشنائی نہ ہوتی، تو حیاتِ انسانی ایک عذاب سے کم نہ ہوتی۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کے اپنے اپنے طبعی رجحانات اور فطری میلانات ہوتے

ہیں۔ایک آدمی ساری مخلوق کے اندازِ حیات میں خود کو کیسے ڈھال سکتا ہے۔اگر فطرت نے انسان کے اندر خُوئے بیگانگی نہ رکھی ہوتی تو وہ پاگل ہو جاتا

چہ می کردیم یارب! گر نبودے نا رسیدن ہا

اور پھر وضع خلق میں منفی قسم کے رجحانات و میلانات بھی تو بکثرت ہوتے ہیں، جنھیں کوئی باضمیر اور شریف انسان گوارا نہیں کرسکتا۔زندگی کو ساری مخلوق کے معیار اور پسند کے مطابق بنانا تو یقیناً امرِ محال ہے۔

سخت دشوار است منظورِ خلائق زیستن
با ہمہ زشتی اگر در پیشِ خود خوبم بس است

شاعر کہتا ہے کہ ساری مخلوق کا منظورِ نظر رہ کر جینا ناممکن بات ہے۔اس لیے اگر ان تمام عیوب کے باوجود میں اپنی نگاہ میں اچھا ہوں، تو میرے لیے یہی کافی ہے جو بات کسی دوسرے انسان کے نزدیک مستحسن نہ ہو، وہ اسے عیب تصور کرتا ہے۔مطلب یہ کہ دُنیا کی نظر میں میں بدصورت ہی سہی، لیکن ابھی تک اپنی نظر میں تو خوب صورت ہوں۔دنیا والے اپنا نقطۂ نظر مجھ پر کیوں ٹھونستے ہیں، میں ان کی مرضی کے مطابق نہ جی سکتا ہوں اور نہ ہی ایسا کوئی ارادہ ہے۔اس لیے بہتر یہی ہے کہ وہ مجھے معیوب اور بدصورت ہی سمجھتے رہیں۔عرصۂ حیات کی ناخوشگواریاں اور اس کی اذیتیں ہمیشہ نہیں رہ سکتیں، قدرت نے لِکلّ داءٍ دواءٌ کے مصداق ہر عارضے کا مداوا بھی تو پیدا کر رکھا ہے۔

ہر سانس ایک پھانس ہے قلب وجود میں
دستِ قضا نہ ہو تو چبھی کی چبھی رہے

انسانی معاشرے میں اگرچہ خُوئے بیگانگی عیب تصور ہوتی ہے، مگر فطرت نے اس کا صحیح استعمال بتا کر اسے ہنر بنا دیا اور بتایا کہ فی نفسہٖ کوئی چیز اچھی یا بری نہیں بلکہ اس کا فیصلہ اس کے محلِ استعمال پر موقوف ہوتا ہے۔پھر دیکھنا یہ چاہیے کہ قانونِ قدرت نے اس کے استعمال کے بارے میں کیا ہدایات دی ہیں۔

❀❀❀

(65)

خراشِ زخمِ عشق

بے خراشِ زخمِ عشق اسرارِ دل معلوم نیست
خواندنِ ایں حرف موقوف است بر اعراب ہا

ترجمہ:

زخمِ عشق کی خراش کے بغیر دل کے اسرار معلوم نہیں ہو سکتے، اس حرف کا پڑھنا اعراب پر موقوف ہے۔

تشریح:

عجیب وغریب مضمون ہے۔ شاعر کی نزاکت خیال اور معنی آفرینی پر بے اختیار منہ سے سبحان اللہ نکلتا ہے۔ فرماتے ہیں: کہ جب تک تیرے دل کو زخمِ عشق کی خراش نہیں لگتی، اس وقت تک تو دنیائے دل کے اسرار و رموز کو نہیں جان سکتا۔ اس لفظ پر جب تک اعراب (یعنی زیر، زبر) نہ لگے ہوں، تب تک یہ صحیح نہیں پڑھا جا سکتا، یعنی اپنے دل پر زخمِ عشق کی خراشیں لگا اور پھر اس کتاب کو آسانی سے پڑھتا چلا جا۔ وہ الفاظ جن پر اعراب نہ ہوں، مُعرب الفاظ کی نسبت مشکل سے پڑھے جاتے ہیں اور اگر الفاظ پر اعراب لگے ہوئے ہوں، تو نہ صرف ان کی املا ہی خوب صورت نظر آتی ہے، بلکہ قاری کے لیے صحت سے پڑھنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔

شعر فنی محاسن کا مجموعہ ہے۔ خاص طور پر خراش سے زبر زیر کو تشبیہ دینا اور پھر مصرعِ اولیٰ میں ''اسرارِ دل'' کی ترکیب میں اسرار کی ''را'' کے نیچے اضافت لانا کمالِ فن ہے۔ شاعر کہہ رہا ہے کہ دل مخزنِ اسرار ہے اور یہ اسرار صرف عشق سے کھلتے ہیں۔ اگر اربابِ ذوق اور بالخصوص فارسی دان حضرات شعر براہِ راست پڑھیں تو زیادہ محظوظ ہوں گے:

بے خراش زخم عشق اسرار دل معلوم نیست
خواندن ایں حرف موقوف است بر اعراب ہا

❀❀❀

(66)

سرگذشتِ رفتگاں کا اثر

غفلتِ عالم فزود از سرگذشتِ رفتگاں
ہر کجا افسانہ باشد ہیچ کس بیدار نیست

ترجمہ:

گزرے ہوئے لوگوں کی سرگذشت نے اہل جہان کی غفلت میں اضافہ کیا، کیونکہ جہاں قصّے کہانیاں چل نکلیں، تو وہاں پھر کوئی شخص بیدار نہیں رہ سکتا۔

تشریح:

بیدلؒ نے اس شعر میں ایک بہت بڑی حقیقت کو بیان فرمایا ہے کہ انسان طبعًا اعجوبہ پسند اور قصّے کہانیاں سننے کا شائق واقع ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر اس کے سامنے اس دارِفنا سے کوچ کر جانے والوں سے متعلق قصّے بیان کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا جائے، تو یہ سنتے سنتے سو جاتا ہے جیسے بچوں کو آمادۂ خواب کرنے کے لیے افسانے سنائے جاتے ہیں، جس کے نتیجے میں وہ گہری نیند سو جاتے ہیں، اسی طرح ایک باہوش انسان گذشتہ لوگوں کے حالات وقصص سے عبرت حاصل کرنے کے بجائے خوابِ غفلت کی نذر ہو کر رہ جاتا ہے اور اپنا جہانِ تازہ پیدا کرنے کی کوشش سے محروم رہ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید میں جن اقوام کے عروج وزوال کے قصّے بیان فرمائے یا جن احادیث میں امِم سابقہ کے حالات کو بیان فرمایا گیا، اُن کے بیان کا مقصد فاعتبروا یا اولی الابصار بتایا گیا، کہ سننے والا اُن سے عبرت حاصل کر کے اپنی فطرتِ خفتہ کو بیدار کرے نہ یہ کہ اُن کے پڑھنے یا سننے سے اُس کی خوابِ غفلت میں اضافہ ہو۔ علّامہ اقبالؒ نے ایسی ہی غیر مفید اور کمزور

روایات کے بارے میں کہا تھا:

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمّت روایات میں کھو گئی

❁❁❁

(67)

زاہدوں کی خلوت گزینی غنیمت سمجھو

شرر در سنگ برقِ خرمنِ مردم نمی گردد
غنیمت می شمار از زاہداں خلوت گزینی را

ترجمہ:

پتھر میں پوشیدہ چنگاری لوگوں کے کھلیانوں کی تباہی کا باعث نہیں بن سکتی، لہٰذا زاہدوں کی خلوت گزینی کو غنیمت جان۔

تشریح:

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ پتھر سے چنگاری پیدا ہوتی ہے، لیکن جب تک ٹکراؤ کی صورت سامنے نہ آئے، تو کوئی پتھر چنگاری کے حوالے سے نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ لہٰذا اگر زاہد شہر الگ تھلگ بیٹھا ہے، تو اُس کی اس خلوت گزینی کو غنیمت شمار کر، کیونکہ وہ ابھی تک کسی سے ٹکرایا نہیں۔ اگر کبھی اُس سے ٹکراؤ کی صورت پیدا ہوگئی، تو اپنی پوشیدہ بشری منفی طاقت کے ذریعے تجھے نقصان پہنچا سکتا ہے، جس طرح پتھر ٹکراؤ کی صورت میں چنگاری پیدا کر کے آگ لگا دینے کا باعث بن سکتا ہے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جس شخص کی فطرت میں غیر معمولی طور پر فساد و شر کا عنصر ہو، اگر کسی وجہ سے بھی خلوت گزین بن گیا، تو اُس کی اس خلوت گزینی کو غنیمت جانیے، ورنہ ایسے شخص سے ٹکراؤ پیدا کرنے میں نقصان ہی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

❁❁❁

(68)

نسخۂ سکون

غرقِ وحدت باش اگر آسودہ خواہی زیستن
ماہیاں را ہر چہ باشد غیرِ دریا آتش است

ترجمہ:

اگر تو سکون کی زندگی گزارنا چاہتا ہے، تو وحدت میں مستغرق ہو جا، کیونکہ مچھلیوں کے لیے پانی کے سوا ہر چیز آگ کا حکم رکھتی ہے۔

اس شعر میں میرزا بیدلؒ نے انسان کو عقیدۂ توحید پر سختی سے کاربند رہنے کی تلقین کی ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اُسی وحدہٗ لاشریک سے لو لگائے رہے، اگر ماسوی اللہ کی طرف رغبت کرے گا، تو یہ رغبت اُس کے لیے آگ پر لوٹنے کے برابر ہوگی، یعنی ہر چیز اُس کو تکلیف دے گی، جس طرح مچھلی صرف پانی کو اپنا سب کچھ سمجھتی ہے اور جب تک اُس کا محبوب اُس کے پاس رہتا ہے اور وہ اُس میں مستغرق رہتی ہے، تو آرام و سکون سے زندگی گزارتی ہے۔ پانی کے سوا مچھلی کے لیے دنیا کے جملہ مال و اسباب بے سود ہوتے ہیں، بلکہ دنیا کی اور کوئی بھی چیز اُس کی بقائے حیات کا سامان فراہم نہیں کر سکتی۔ اسی طرح جس دل کے اندر اللہ جلّ جلالہٗ کی محبت جاگزیں ہو، وہ دنیا کی کسی بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیز کی طرف راغب نہیں ہوتا۔ بقولِ سیمابؔ اکبر آبادی:

لگائے بیٹھے ہیں اک شمعِ لا شریک سے لو
ہماری بزم میں پروانہ باریاب نہیں

(69)

عُمرِ بے ثباتی

مباش بے خبر از درسِ بے ثباتیِ عُمر
کہ ہر نفس ورقے زیں کتاب می ریزد

ترجمہ:

عُمر کی بے ثباتی کے درس سے بے خبر نہ ہو۔ اس لیے کہ تیری ہر سانس اس کتاب سے ایک ایک صفحہ گراتی جارہی ہے۔

تشریح:

بیدلؔ نے اپنے اس شعر میں غافل انسانوں کو وقت گزرنے کا احساس دلانے کی کوشش کی ہے۔ شعری محاسن پر اگر ایک نظر ڈالیں تو درس، ورق، کتاب اور پھر ریختن کا مصدر کا استعمال لطف سے خالی نہیں۔ اس شعر میں چند چیزیں بطورِ خاص واضح کی گئیں، اوّل یہ کہ انسان کی عمرِ بے ثبات یعنی، ہمیشہ رہنے والی نہیں۔ دوم یہ کہ سانس کا کوئی بھروسہ نہیں کہ کس وقت رُک جائے۔ ورق اور کتاب کے ساتھ نفس یعنی، سانس کا لفظ استعمال کرنے میں یہ بھی واضح کیا گیا کہ جس جس طرح کتاب کے اوراق کو توڑنے اور اڑانے میں ہوا مضر ثابت ہوتی ہے، اسی طرح اے انسان! تیری یہی سانسیں جو بہ ظاہر تیری حیات کے لیے مدد و معاون ہیں، دراصل یہی تیری سانسیں تیری کتابِ عُمر کے اوراق کو غیر محسوس انداز میں گراتی بھی چلی جارہی ہیں۔ مجھے یہاں اُردو کے مشہور شاعر استاد نوؔح ناروی کے جانشین جناب زیؔبا ناروی مرحوم کا شعر یاد آرہا ہے، اسی مضمون کو اُردو میں اُنہوں نے یوں بیان کیا ہے:

ہماری عُمر گھٹتی جا رہی ہے
یہ چادر خود سمٹتی جا رہی ہے

آج کل لوگ بڑی کثرت سے اپنی اور اپنے بچوں کی سالگرہ مناتے ہیں، جس پر خاصے پیسے بھی خرچ کرتے ہیں دیکھا جائے تو سال گرہ کی ترکیب میں گرہ کا لفظ بھی موجود ہے، جس کے معنی گانٹھ کے ہیں۔ یہ قاعدہ ہے کہ جب دھاگے میں گانٹھ لگائی جائے تو دھاگا گھٹتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ سال گرہ مناتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں وہ دراصل ہر سال اپنی عُمر کے دھاگے میں گانٹھ لگنے یعنی اُس کے گھٹنے کی خوشی مناتے ہیں، حالانکہ یہ تو غم اور افسوس کا مقام ہے کہ ایک سال کی گانٹھ لگنے سے اُس انسان کی زندگی کا دھاگا گھٹا ہے، مگر چونکہ آج کا مسلمان ذہنی طور پر مغرب زدہ ہو چکا ہے، اُسے اس کی پرواہ نہیں رہی کہ اُس کا یہ عمل اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ لہٰذا دیکھا دیکھی آج یہ عمل ایک وبا کی طرح ہمارے معاشرے میں پھیل چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے۔

(70)

حضرتِ بیدلؒ کا ایک شعر

روزنامہ مشرق کے ادبی کالم میں شعرفہمی کا ایک سلسلہ چلا، جس میں حضرت میرزا عبدالقادر بیدلؒ کے ایک شعر کو ''تختۂ مشق'' بنایا گیا۔ ایک صاحب نے ازراہِ کرم اس کے معانی سمجھانے والے کو ایک ہزار روپیہ نقد انعام دینے کا اعلان کیا۔ دوسرے صاحب نے اس کی تشریح کی اور اسے شافی سمجھا۔ میرے عزیز دوست جہانگیر ملک نے ملتان سے مجھے اخبار کا تراشہ ارسال کیا اور اس تعلق خاطر کی بنا پر جو مجھے حضرت بیدلؒ کی ذات اور ان کی شاعری سے ہے، یہ گتھی سلجھانے کی توقع کی۔ جو مراسم آں عزیز سے ہیں ان کے پیشِ نظر میرے پاس بجز اس کے کوئی چارۂ کار نہیں کہ اس شعر پر

اپنی عقل کے مطابق اظہارِ خیال کروں۔ اب تک شعر یوں نقل کیا جاتا رہا:

به قلزمے که فتد سایۂ بنا گوشت
پری به شیشه کشد خار پشت پائے نہنگ

مطلب بیان کرنے سے پہلے یہ شعر پیشِ خدمت کرتا چلوں:

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

یہی اُفتاد میرزا بیدلؒ کے شعر پر ڈالی گئی، اسے غلط نقل کیا گیا اور پھر اس غلطی کو نباہنے کے لیے معنیٰ آفرینی کے ردّے رکھے گئے، الفاظ اُلٹ دیئے گئے اور مطلب اُلجھا دیا گیا۔ شعر کا مفہوم بیان کرنے سے پہلے اصل شعر لکھ دینا ضروری ہے:

به قلزمے که فتد سایۂ بنا گوشت
گہر به رشته کشد خار ہائے پشت نہنگ

یہ شعر میرزا بیدلؒ کے **دیوان غزلیات** مطبوعہ کابل میں بہ صورتِ مندرجہ بالا مرقوم ہے اور اس شکل میں اسے سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ پیشتر اس کے کہ اس کی تشریح کروں قاری کی اطلاع کے لیے دعوٰی اور جوابِ دعوٰی کو بالاختصار پیش کر دیا جائے۔

اس شعر پر یہ اعتراض کیا گیا کہ نہنگ (مگرمچھ) کے پاؤں نہیں ہوتے اور اسے میرزا بیدلؒ کا ہذیان قرار دیا۔ میرے نزدیک بے سروپا بات کہنے ہی کو ہذیان کہتے ہیں۔ جس نے یہ کہا کہ نہنگ کے پاؤں نہیں ہوتے، اُسی نے ہذیانی کیفیات کا اظہار کیا، اس لیے کہ نہنگ (مگرمچھ) کے شیر جیسے خونخوار پنجے ہوتے ہیں۔ جن صاحب نے شعر کو بامعنٰی کہا، وہ بڑی دُور کی کوڑی لائے۔ ان کی عبارت کے الفاظ درج ذیل ہیں:

''واقعہ یوں ہے کہ محبوب سمندر کے کنارے کھڑا ہے، اس کے کان کے کانٹے کا عکس پانی میں پڑ رہا ہے۔ محبوب حسین ہے، لہٰذا اس کا عکس ایسے لگتا ہے جیسے پری پانی میں اُتری ہوئی ہے

اس کے بنا گوش میں پڑے ہوئے کانٹے کا عکس نہنگ (مگرمچھ) کے پاؤں کے اوپر پڑ رہا ہے، تو منظر یوں بنتا ہے جیسے پانی کی لہر کی حرکت سے نہنگ کے پاؤں کی پشت سے کانٹا نکل رہا ہے''۔

خدا کا شکر ہے کہ اس تشریح میں نہنگ (مگرمچھ) کے پاؤں تو دیکھ لیے گئے، مگر انہیں پیٹ کی جگہ پیٹھ پر فرض کر لیا گیا اور ان پر بنا گوش کا عکس ڈالا گیا بہ صورتِ دیگر بنا گوش میں ایکسرے (xRay) کی تاثیر تھی کہ مگرمچھ کی ڈھال نما کمر کو چیر کر قدم بوسی کو پہنچ گئی اور غالباً اسی بنا پر شارح نے اسے میرزا بیدلؒ کا شاہکار شعر کہہ دیا۔ میرے نزدیک شعر کا مفہوم سادہ الفاظ میں یہ ہے کہ جس سمندر میں تیرے کان کی لو کا سایہ پڑتا ہے، مگرمچھ کی پیٹھ کے کانٹوں میں موتی پروئے جاتے ہیں۔ تشریح اس طرح کی جاسکتی ہے شاعر نے بنا گوش کہہ کر وہ زیور مراد لیا ہے، جسے بالی Ear Ring یا آویزہ pendant کہتے ہیں۔

عربی زبان میں اسے شنف کہتے ہیں۔ الشنف مصدر ہے اس کی جمع شنوف اور اشناف آتی ہے۔ بحوالہ ''**قاموس و مصباح اللغات**'' شنف کی شکل یہ ہوتی ہے کہ موتی کی کئی باڑھیں کان کی لو میں لٹکتی ہیں۔ اس زیور کو گوشوارہ اور جھالا بھی کہتے ہیں۔ ایسے گوشوارے کا عکس جب مگرمچھ کی پشت پر پڑتا ہے، تو موتیوں کی شبیہ اس کی پشت پر گندھی ہوئی محسوس ہونے لگتی ہے۔ گوہر کشیدن، گوہر در رشتہ کردن اور گوہر بہ رشتہ کردن فارسی زبان کے محاورے ہیں۔ صاحبِ **بہارِ عجم** گوہر کشیدہ کے تحت لکھتے ہیں: چیزیکہ دراں گوہر کشیدہ باشند یعنی وہ چیز جس میں موتی پرو دیا گیا ہو، اب شعر کی نثر یوں بنتی ہے: بہ قلزمیکہ سایۂ بنا گوشت فتد خار ہائے پشت نہنگ گہر بہ رشتہ کشد، یعنی جس سمندر میں تیرے کان کے گوشوارے کا عکس پڑتا ہے تو یوں لگتا ہے جیسے مگرمچھ کی پشت کے کانٹوں پر محبوب کے گوشوارے کے موتیوں کی شبیہ گندھی ہوئی ہو، یہ تو ہوئی سامنے کی بات۔ اسرار و رموز اس شعر کے یہ ہیں کہ محبوب کے گوشوارے کی سج دھج ایسی ہے کہ اسے دیکھ کر انتہائی بے حس انسان جس کی فطرت و خصلت مگرمچھ کی پشت کی طرح بے حس، سخت اور کرخت ہو، وہ بھی رشتۂ موانست میں بندھ جاتا ہے۔

اب مسئلہ یہ ہے کہ واقعی یہ شعر بے معنی ہے یا شرمندۂ تشریح ہے اور اگر تشریح پذیر ہے تو کون

سی تشریح سندِ قبول کی سزاوار ہے۔ تو اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ اسے اہلِ علم وفن کے سامنے پیش کیا جائے اور ان کے محاکے پر سرِ تسلیم خم کیا جائے۔

❁❁❁

(71)

خاصانِ حق کی چشم آگاہ

حیرت زبانِ شوخیِ اسرارِ ما بس است
آئینہ مشرباں بہ نگہ گفتگو کنند

ترجمہ:

حیرت ہمارے اسرار و رموز کی شوخیوں کے اظہار کے لیے کافی ہے، اس لیے کہ آئینے کا مشرب رکھنے والے ہمیشہ نگاہوں سے گفتگو کیا کرتے ہیں۔

تشریح:

سبحان اللہ! کیا شعر ہے اس کی شوخی و برجستگی سے شاعر کی جولانیِ طبع، جودتِ فطرت اور دقتِ نظر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بیدلؒ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ آئینہ بہ ظاہر تو خاموش اور حیرت سے پشت بدیوار نظر آتا ہے، مگر اس کے اسرارِ باطن اور اُس کے جوہرِ قلب سے اُٹھنے والی بے پناہ شوخیاں اپنے اندر ایک کائناتِ سخن لیے ہوتی ہیں اور ان شوخیوں کے باعث اس کی آنکھ ہمیشہ بیدار رہتی ہے۔ اس سے یہ نکتہ بھی سمجھ آتا ہے کہ ذہین و فطین لوگ کیوں زیادہ بیدار رہتے ہیں اور کم سوتے ہیں۔ خاص طور پر وہ خاصانِ حق جو لا تاخذہ سنۃ و لا نوم کا مظہرِ اتم ہوتے ہیں، ان کی چشم آگاہ ہمیشہ آئینے کی طرح بیدار اور محوِ حیرت رہتی ہے۔

کاجل ڈاروں کر کر ہووے سرمہ دیا نہ جائے
جن آنکھن میں پیا بسیں پھر دوجا کون سمائے

ایسے لوگ آئینے کی طرح ہمیشہ اپنی معرفت بارنگاہوں سے مصروفِ کلام نظر آتے ہیں اور ان کی تارِنگاہ سے مسلسل اُٹھنے والی طاقت ور لہریں الفاظ واصوات کے علاوہ علم وعرفان کی تجلیات کے پروگرام بھی لگا تار نشر کرتی رہتی ہیں، مگر ان نشریات کا احساس وعلم ان ہی افراد کو ہوسکتا ہے، جن کی سماعت وادراک میں ان خاموش لہروں کے مطالب ومفاہیم اخذ (Derive) کرنے کی روحانی استعداد (spirtual capacity) قدرتی طور پر موجود ہو ایسے لوگ صدفِ زیست میں گوہر کا درجہ رکھتے ہیں، جیسا کہ صدف میں ایک ہی گوہر ہوا کرتا ہے، اسی طرح یہ افراد بھی بہت ہی قلیل تعداد میں ہوتے ہیں۔

(72)

گریۂ بے اثر

بے مصیبت گریہ بر طبعِ درشتت سُود نیست
سنگ در آتش فگن تا آبش آساں بشکند

ترجمہ:

سخت طبیعت انسان کے سامنے تیری گریہ وزاری اس وقت تک بے فائدہ ہے، جب تک کہ وہ خود کسی آفت ومصیبت سے دوچار نہ ہو، لہٰذا پتھر کو آگ میں ڈال، تاکہ پانی اسے آسانی سے توڑ دے۔

تشریح:

اس شعر میں میرزا بیدلؒ نے ایک عظیم حقیقت کو بیان فرمایا، جسے ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور دیکھ سکتے ہیں۔ کسی سخت دل انسان کے سامنے کوئی کتنی ہی آہ وزاری کرتا رہے، اس پر بقولِ خواجہ حافظؒ:

بر سنگِ خارہ قطرۂ باراں اثر نہ کرد

ذرّہ برابر اثر نہیں ہوتا، بلکہ اُسے اپنی کیفیت قلبی اور دردِ دل کی کہانی سُنا کر التجائے رحم کی جائے تو نتیجتاً بقولِ رفیع الدین لبنانی اصفہانی کچھ یوں ہوتا ہے:

گفتم کہ غمزۂ تو مرا کُشت رحم کن

گفتا کنوں چہ سُود کہ تیر از کماں برفت

لیکن اُسی شخص پر کوئی ایسی آفت آپڑے جو اُس کے اندر کی سختی کو گداز کردے، تو پھر اُس کے سامنے جب بھی کوئی دردمند آنسو بہائے گا، تو اُس کا دل فوراً اُس کا اثر قبول کرلے گا۔ بیدلؒ نے اُس ٹھوس حقیقت کو ایک مادی مثال سے یوں سمجھایا کہ پتھر کس قدر سخت ہوتا ہے کہ اگر کوئی اُس پر دریا کے دریا بھی اُنڈیل دے، تو فتـرکه صلدا کی طرح اُس کے وجود میں نہ کوئی کمی واقع ہوتی ہے اور نہ اُس کی سختی وصلابت پر کوئی اثر پڑتا ہے، لیکن جب اُسی سخت ترین پتھر کو تم ایک مصیبت میں ڈال دو، یعنی آگ کی بھٹی میں پھینک دو تو کچھ دیر بعد اُس کا ظاہر و باطن یکسر تبدیل ہو کر چونا بن جاتا ہے۔ اب اُس پر تم تھوڑا سا پانی ڈالو تو نہ صرف یہ کہ وہ پھٹ پڑے گا، بلکہ اُس کے اندر سے آہیں (دھواں) بھی نکلیں گی۔ معلوم ہوا کہ اگر کوئی انسان اپنے ظاہر و باطن میں کچھ تبدیلی لانا چاہتا ہے، تو اُسے چاہیے کہ وہ کسی شیخِ کامل یا کسی صاحبِ دل عالم کی تربیت گاہ میں رہ کر خود میں کسی قسم کی تبدیلی کی اُمّید رکھے۔ میرزا بیدلؒ کی اس بے مثال نزاکتِ فکر سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ دراصل صوفیائے باکمال اور علمائے خوش خصال کی خانقاہیں اور مدارس دنیوی آلودگیوں سے پاک کرنے کی ایسی روحانی و علمی بھٹّیاں ہیں، جو انسانی دماغ پر حرصِ دنیا اور بداعمالیوں کی جمی ہوئی تہ در تہ پلیدیوں کو اس طرح نابود کردیتی ہیں، جس طرح آگ کے شعلے پتھر کی سختی کو چونے کی سفیدی و نرمی میں تبدیل کردیتے ہیں۔ اُمّید ہے کہ قارئین کرام بیدلؔ علیہ الرحمہ کے محوّلہ بالا شعر میں بیان کردہ مفہوم سے تصوّف، صوفیہ اور اُن کی قائم کردہ خانقاہوں کے مقاصدِ بلند کو ضرور سمجھ گئے ہوں گے۔

۞۞۞

﴿متفرق اشعار﴾

(73)

بخیالِ چشم کہ می زند قدَح جنوں دلِ تنگِ ما
کہ ہزار میکدہ می دود برکابِ گردشِ رنگِ ما

ترجمہ:

ہمارا یہ چھوٹا سا دل کس کی آنکھ کے خیال میں جنوں و مستی کے پیالے پیے ہوئے ہے کہ ہمارے رنگ کے اُتار چڑھاؤ کے ساتھ ساتھ ہزاروں میخانے دوڑے چلے جا رہے ہیں۔

(74)

رمز آشنائے معنیٰ ہر خیرہ سر نباشد
طبعِ سلیم فضل است ارثِ پدر نباشد

علم و حکمت کا رمز آشنا ہر سطحی الذہن انسان نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ جودتِ طبع اور صلاحیتِ فطری محض اللہ کا فضل ہوتا ہے، یہ باپ دادا کی جائداد نہیں کہ جسے اولاد میں برابر تقسیم کر دیا جائے، یعنی دنیا کی وراثت میں شراکت اور چیز ہے، مگر علم و حکمت اور دیگر فطری صلاحیتوں کے سلسلے میں قسّامِ ازل نے دنیا والوں کی تقسیم کی پابندی کا لحاظ نہیں کیا۔ یہ ضروری نہیں کہ جن میں جائداد برابر تقسیم ہوا اُن کو علم و حکمت اور دوسری صلاحیتوں سے برابر نوازا جائے۔

(75)

گفتگوِ بیدلؔ دلیلِ ہرزہ تازی ہائے ماست
تا جرس فریاد دارد کارواں آسودہ نیست

ترجمہ:

اے بیدلؔ! یہ بلند بانگ دعوے اور یہ طوفانِ گفتگو ہماری بے ہودگی، بے راہروی اور نارسائیِ منزل کی دلیل ہے کہ گھنٹیوں کی آواز کا آتے رہنا اس بات کی دلیل ہوتا ہے کہ ابھی قافلہ راستے میں سرگرمِ سفر ہے اور منزل تک نہیں پہنچا اور جب گھنٹیوں کی آواز مکمل طور پر بند ہو جائے، تو جان لینا چاہیے کہ قافلہ یا تو منزل پر پہنچ گیا ہے، یا پھر سکون سے ہمکنار ہے۔

تشریح:

مفاہیمِ مذکورہ کی پیچیدگیاں، عظمتیں اور رفعتیں اپنی جگہ، مگر حُجت باز قسم کے ذہنوں میں اُٹھ سکنے والے ایک لطیف سوال کا جواب پیشگی دیتا چلوں۔ میں جب منطق کی کتابیں پڑھتا تھا، تو اُستادِ محترم حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ (م: 1969ء) نے یہ علمی لطیفہ سُنایا تھا کہ کسی تیلی کے پڑوس میں ایک منطقی اور معقولی رہتا تھا، ایک دن وہ تیلی کے پاس آیا، تو دیکھا کہ اُس کے بیل کے گلے میں گھنٹی پڑی ہوئی ہے اور وہ کولھو کے گرد گھوم رہا ہے۔ منطقی نے تیلی سے دریافت کیا کہ بیل کے گلے میں گھنٹی باندھنے کا کیا مقصد ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ گھنٹی کے بجتے رہنے سے یہ معلوم ہوتا رہتا ہے کہ بیل گھوم رہا ہے، رُکا نہیں ہے، اگر گھنٹی نہ ہو تو ہمیں اُس کے چلنے یا رُک جانے کا پتا نہیں چل سکتا۔ اس لیے اُس کے گلے میں گھنٹی باندھ دیتے ہیں۔ یہ سُن کر منطقی کی رگِ منطق فوراً پھڑکی اور کہنے لگا کہ اگر تمہارا بیل ایک جگہ کھڑا رہ کر صرف گردن ہلاتا رہے اور گھنٹی بجتی رہے تو کیا تم یہ سمجھ لوگے کہ وہ چل رہا ہے۔ جب تیلی نے منطقی کی یہ بات سُنی تو بولا: حضرت! آپ بالکل بجا فرماتے ہیں اور ایسا ہونا بھی ممکن ہے، مگر افسوس یہ ہے کہ میرا بیل منطقی نہیں، یعنی آپ کی طرح علم

منطق اور معقولات سے آشنا نہیں، یا یہ کہ میرا بیل صرف بیل ہے منطقی بیل نہیں۔ یہ لطیفہ نقل کرنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ حضرت بیدلؔ نے گھنٹیوں کی خاموشی کو رسائیِ منزل کی دلیل اور علامت ٹھہرایا ہے، یعنی گھنٹیاں اُسی وقت تک بجتی ہیں، جب تک قافلہ چل رہا ہوتا ہے۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ جانور کھڑے ہو جائیں اور سر ہلانا شروع کر دیں، تو اس کا جواب وہی ہے کہ اتّفاق سے جانور منطقی نہیں ہوتے۔

(76)

حاصلِ ما دریں تماشا گاہ

انتہا حیرت، ابتداست نگاہ

اس جلوہ گاہِ کائنات میں ہمارا ماحصل اس طرح ہے کہ ہماری ابتدا نگاہ اور انتہا حیرت ہے، یعنی اس تماشا گاہِ عالم میں ابتدا تو مشاہدے سے ہوتی ہے، لیکن حقیقی مشاہدوں کی وسعتیں حیرت پر منتج ہوتی ہیں۔

(77)

بہ کلامِ بیدلؔ اگر رسی مگذر ز جادۂ منصفی

کہ کسے نمی طلبد ز تو صلۂ دگر مگر آفریں

ترجمہ:

اے مخاطب! اگر تو کلام بیدلؔ کی گہرائیوں تک رسائی حاصل کر لے، تو پھر انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑ کہ کوئی شخص تجھ سے تحسین و آفرین کے علاوہ اور کوئی صلہ طلب نہیں کرتا۔

(78)

نشد آئینۂ کیفیت ما ظاہر آرائی
نہاں ماندیم چوں معنیٰ بچندیں لفظِ پیدائی

ترجمہ:

ہمارا ظاہر ہماری حقیقی کیفیت کو کھول نہیں سکا، ہم اتنی وضاحت کے باوجود بھی لفظ میں معنی کی طرح پوشیدہ کے پوشیدہ ہی رہے۔

تشریح:

.....اس پر ناصر علی کا اعتراض یہ تھا کہ جب ایک چیز کی وضاحت اور اُس کا ظہور ہو گیا، تو پھر اُس چیز کے پوشیدہ ہو جانے کا کیا مطلب؟ یعنی یا تو یہ کہو کہ شے کا ظہور ہی نہیں ہوا، مگر جب بچندیں لفظِ پیدائی کہتے ہو، تو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ شے پہلے عالمِ خفا میں تھی، مگر اب وہ پیدا اور ظاہر ہو گئی۔ تو جب ظاہر و پیدا ہو گئی، تو پھر اُسے پوشیدہ کیسے کہا جائے گا؟ ناصر علی کا مطلب یہ تھا کہ جس شے کا اب اظہار ہو گیا، وہ پہلے پوشیدہ تھی۔ جس طرح اُس کی حالتِ پوشیدگی پر لفظِ اظہار کا اطلاق درست نہیں، اُسی طرح اُس کی حالتِ اظہار کے اعلان کے بعد اُس پر لفظِ پوشیدگی کا اطلاق نا درست ہے۔ ایک شے بیک وقت دو کیفیّات سے کیسے دوچار ہو سکتی ہے؟ یا اُسے ظاہر کہو یا پوشیدہ۔ ظاہر کہنے کے بعد اُسے پوشیدہ کہنا خلافِ عقلِ سلیم ہے۔ میرزا بیدلؒ ناصر علی کی باتیں سنتے رہے۔ جب ناصر علی مکمّل طور پر اپنے اشکال پر تقریر فرما کر خاموش ہو گئے، تو میرزا بیدلؒ فرمانے لگے کہ میں نے جو کچھ کہا قرینِ حقیقت کہا اور وہ بالکل درست ہے۔ ناصر علی نے کہا وہ کیسے؟ بیدلؒ نے کہا کہ آپ ذرا انسان ہی کی تعریف کر دیں۔ ناصر علی نے کہا اُس میں عقل ہوتی ہے؛ وہ بولتا ہے؛ سنتا ہے؛ دیکھتا ہے؛ چلتا ہے؛ کھاتا ہے؛ پیتا ہے؛ سوتا جاگتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح دس بارہ صفات گنوا ڈالیں۔ تو بیدلؒ نے کہا: کیا آپ نے انسان کی جامع تعریف فرما دی؟ کیا ہم اب یہ سمجھ لیں کہ انسان صرف اسی کو کہتے ہیں، جو صفاتِ مذکورہ کا مالک ہو؟ ناصر علی نے کہا: نہیں۔ پھر چند اور صفات

گنوائیں۔ بیدلؒ نے پھر وہی فقرہ دُہرایا۔ ناصر علی پھر انسانی صفات گنوانے لگ گئے۔ جب ساٹھ ستّر صفات گنوا چکے تو بیدلؒ نے وہی فقرہ پھر دُہرایا کہ آپ کی بیان فرمودہ فہرست صفات کے علاوہ بھی کوئی صفت ہے، جو انسان میں پائی جاتی ہو یا پائی جا سکتی ہو؟ تو ناصر علی کہنے لگے کہ انسانی صفات کا دائرہ بہت وسیع ہے اُس کا احاطہ اور احصا ممکن نہیں۔ بیدلؒ نے کہا کہ میرے شعر کا مضمون بھی یہی تھا کہ اتنی وضاحت کے باوجود انسان کی حقیقت پوشیدہ کی پوشیدہ رہ گئی۔ ہمیں انسان کی جن صفات کا علم ہے، یہ ضروری تو نہیں کہ اس کے بعد دائرۂ صفات کو ختم سمجھا جائے۔ وفوق کل ذی علم علیم (اور ہر علم والے سے زیادہ علم والا موجود ہے) کی آیت کے تحت جس انسان کا علم جتنا زیادہ ہو گا، اُس پر دائرۂ صفاتِ انسانی اُسی قدر وسیع ہوتا چلا جائے گا۔ عام انسان کی صفات جب گِنوائی نہیں جا سکتیں اور حتمی حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ اس کے بعد صفاتِ انسانیہ کا وجود ممکن نہیں، تو انبیا کی صفات اور پھر خود ذاتِ باری کی صفات کا من کل الوجوہ ادراک و احاطہ کون کر سکتا ہے؟ جب صفات کا کلی ادراک ہو جائے، تو کہا جا سکتا ہے کہ اب ذاتِ انسانی یا ذاتِ باری ہمارے ذہن پر مکمّل ظاہر اور واضح ہو گئی، مگر جب دنیائے صفات کا وجود عقلِ انسانی سے ورا بھی ہو سکتا ہے اور ہے، تو ذاتِ باری کے لیے یہ کہنا کہ صفاتِ معلومہ کی بنا پر وہ مکمّل ظاہر و باہر ہو گئی ہے، اسے نہ تو عقلِ سلیم تسلیم کرتی ہے اور نہ شریعت و طریقت اور لا تدرکه الابصار کا مفہوم بھی یہی بیان کیا گیا ہے۔ بیدلؒ کے مصرعِ ثانی میں اس بات کو سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ لفظ معنٰی کی نسبت ظاہر ہوتا ہے جب کہ معنٰی پوشیدہ ہوتا ہے، چنانچہ جب کسی لفظ سے اُس کے معنٰی کا ادراک کر لیا جاتا ہے، تو معنٰی کا اخفا باقی نہیں رہتا، اس کی دلیل اُس کا سمجھ میں آ جانا ہے، مگر کیا کِیا جائے، یہاں تو اُلٹی گنگا بہتی ہے۔ سمجھ میں آ جانے کے بعد بھی لفظ میں اُس معنٰی کی پوشیدگی بدستور قائم رہتی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر وہ ایک بار سمجھ میں آ جانے کے بعد اُس لفظ میں پوشیدہ نہ پایا جائے تو انسان صرف ایک مرتبہ ایک لفظ سے اُس کے معنٰی سمجھ سکتا ہے۔ دوسری مرتبہ یا ہزارویں مرتبہ بھی جب ایک لفظ سے وہی معنٰی سمجھ میں آتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ معنٰی پوشیدگی کی کیفیّت سے نکلتا بھی ہے اور نہیں بھی نکلتا۔

کسوتِ مینا میں مے مستوُر اور عریاں بھی ہے

یا جیسے گلاب کے پھُول کو آئینے کے سامنے رکھ دیا جائے، تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پھُول باہر ہے، اندر تو نہیں، حالانکہ وہ آئینے کے اندر بھی اُسی شکل وصورت میں موجود ہے، جس طرح آئینے کے باہر ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ آئینے کے اندر جو پھُول ہے، ہم اُسے پھُول تو کہہ سکتے ہیں، مگر اُسے چُن یا اُٹھا نہیں سکتے، گویا:

گُلِ تواں گفت ولے چیدن نیست

بہر حال آئینے میں پھُول کا عکس باہر کے پھُول کا عین بھی ہے اور غیر بھی۔ عین اس اعتبار سے کہ آئینے میں جو پھُول موجود ہے، وہ باہر کے پھُول کا عکس مکمّل اور پرتو کامل ہے اور غیر اس طرح کہ عکس وظل ہے اور جس کا یہ عکس وظل ہے، وہ آئینے کے باہر ہے اور پھر آئینے کے اندر نظر آنے والا پھُول باہر والے پھُول کے مقابل رہنے کا محتاج ہے، جب کہ باہر والا پھُول اُس کا محتاج نہیں، کیونکہ وہ قائم بالذّات ہے، جب کہ اُس کا عکس قائم لغیرہٖ ہے۔ گویا آپ آئینے کے باہر رکھّے ہوئے پھُول کو آئینے کے اندر بھی کہہ سکتے ہیں اور باہر بھی۔ اسی طرح معنیٰ کو سمجھ میں آجانے کے بعد ظاہر اور مخفی دونوں الفاظ سے تعبیر کر سکتے ہیں، بالکل اسی طرح اُس کی شانِ وحدت، کثرت میں رنگ دکھانے کے باوصف ظاہر بھی ہے اور پھر مخفی کی مخفی بھی۔

(79)

بیدلؔ رہِ حمد از تو بہ صد مرحلہ دور است
خاموش! کہ آوارۂ وہمند بیاں ہا

ترجمہ:

اے بیدلؔ! حمد کی راہ تجھ سے سینکڑوں مراحل کی مسافت پر ہے، لہٰذا تو سکوت اختیار کر کہ اس سلسلے میں تمام بیانات وہم وگمان کی وادی میں سرگشتہ ہیں۔

تشریح:

حضرت بیدلؒ اسی مقام پر اعترافِ عجز کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ ذاتِ ازل ہی سے وحدتِ ذاتی سے متصف ہے اور ہر قسم کے اشتراک واشتباہ، مماثلت، تعدّد، تکثّر تجزی، حلول، امکانِ حدوثِ ترکیب، تحلیل اور تبعیض سے پاک ہے، لہٰذا یہاں سکوت اختیار کر اور غیر کا تصور بھی ذہن میں نہ لا۔

(80)

چناں ز دہر سبکسار بایدت رفتن
کہ بارِ نقشِ قدم ہم بخاک نہ گذاری

ترجمہ:

اے مخاطب! تجھے دنیا سے اس طرح ہلکا پھلکا ہو کر گزرنا چاہیے کہ تُو مٹی پر اپنے نقشِ قدم کا بوجھ بھی باقی نہ چھوڑے۔

تشریح:

حضور رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کے پیشِ نظر کہ کــن فـــی الدنیا کانك غریب ترجمہ: ''دنیا میں مسافروں کی طرح زندگی بسر کر''۔ صوفیائے کرام تو اس چند روزہ جہانِ رنگ و بو میں ایسے سُبک سارانہ اور نیازمندانہ اندازِ حیات کے مبلغ ہیں کہ اس عالمِ خاکی سے گزرتے ہوئے نقشِ پا کا بوجھ بھی اس پر نہ چھوڑا جائے۔

(81)

بسکہ عالم بہارِ جلوۂ اُوست
بر رُخِ اُوست ہر کجاست نگاہ

ترجمہ:

تمام کائنات اُس کے جلووں کی بہار ہے۔ اس اعتبار سے جس کی نگاہ جہاں پڑ رہی ہے درحقیقت نگارِ حقیقت کے رُخ پر ہے۔ اس لیے کہ دراصل کائنات کا قبلۂ نگاہ وہی ہے، اگر چہ تعینات کی تمام تر دل فریبیاں اور ہوش ربایاں اسی حسنِ مطلق کی رہینِ منت ہیں اور ساری کائنات کی نظریں درحقیقت اُسی کے رُخ کے جمالِ جہاں آرا کے مشاہدے میں لگی ہوئی ہیں۔

۞۞۞

(82)

جہانے نظر بر رخت دوختہ است
تو اے گل بسوئے کہ رُو کردہ ای

ترجمہ:

اے پھول! ایک دنیا نے اپنی نظریں تیرے چہرۂ زیبا پر جما رکھی ہیں، مگر ہر وقت تیرا چہرہ آسمان کی طرف متوجہ دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ مظاہر نے تجھے اپنا مرکز التفات بنایا ہوا ہے، مگر تیرا قبلۂ نگاہ کسی کا نادیدہ حسن ہے۔

تشریح:

دراصل بیدلؔ اس مثال سے یہ حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں کہ رائی (دیکھنے والا) اور مرئی (دیکھا ہوا) دونوں مظہرِ ذات ہیں، یعنی پھول بھی مظہر ہے اور اسے دیکھنے والا بھی۔ یہ اور بات

کہ انسان اپنے جیسے ایک مظہر، یعنی پھول کا مشتاق بنا ہوا ہے۔ اگر وہ غور سے دیکھے تو پھول (جسے وہ دیکھ رہا ہے) کا آنکھ سا پیکر آسمان کی لامحدود وسعتوں اور پہنائیوں کی طرف ہمہ تن نگاہ بن کر مسلسل دیکھے چلا جا رہا ہے اور کسی حسنِ نادیدہ اور حقیقت منتظر کے دیدار کی خاطر سراپا آنکھ بنا ہوا نظر آتا ہے۔ گویا بیدلؔ کے نزدیک مظاہر و تعینات کا قبلۂ نگاہ بھی ذاتِ باری ہے۔

۞۞۞

(83)

چہ بود سر و کارِ غلط سبقاں در علم و عمل بہ فسانہ زدن
ز غرورِ دلائلِ بے خردی ہمہ تیرِ خطا بہ نشانہ زدن

ترجمہ و مفہوم:

ایسے غلط سبق اور ہرزہ اندیشوں کا کیا مذکور، جو افسانوی ذہنیت کے ساتھ علم و عمل کے دروازے کو کھٹکھٹاتے ہیں اور اپنے غیر معقول دلائل پر غرور کرنے کے سبب اپنے ہر تیر خطا کو نشانے پر لگانے کی سعیِ لاحاصل کرتے ہیں۔ یہ حقیقی صاحب علم نہیں ہوتے، بلکہ علم کو کسبِ معاش کی خاطر حاصل کرتے ہیں، جس کے باعث اُس کے فیضان سے محروم رہتے ہیں۔

۞۞۞

(84)

اے غفلت، آبروئے طلب بیش ازیں مریز
عالمِ تمام اُوست کرا جستجو کنند

ترجمہ:

اے غافل انسان! ذوقِ طلب کا مزید مذاق نہ اُڑا، یہ ساری کائنات اُسی کا مظہر تو ہے،

اب تُو کسے کہاں ڈھونڈنے جا رہا ہے؟ اگر اُس کو تلاش کرنا ہے تو اپنے اندر تلاش کر، باہر کہاں ڈھونڈتا پھرے گا؟

دو جہاں چھوڑ! دل میں ڈھونڈ اُسے
دیکھ موجود ہو یہیں نہ کہیں

(85)

بجیبِ تست اگر خلوتے و انجمنیست
بروں ز خویش کجا می روی جہاں خالی ست

ترجمہ:

اگر کوئی خلوت یا انجمن ہے، تو تیرے گریبان ہی میں ہے خود کو چھوڑ کر کسے کہاں تلاش کرنے جا رہا ہے؟ جہان تو خالی ہے۔ گویا بمصداق: من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ اپنی ذات کے عرفان میں اُس کا عرفان مضمر ہے، یہاں مجھے اپنا ایک شعر یاد آ گیا، جس میں اسی بات پر زور دیا گیا ہے:

اگر است دردلت آرزو کہ نظر بخوش نظرے رسد
بحریمِ جلوۂ خود نشیں کہ تُرا ازو خبرے رسد

اگر تیرے دل میں یہ آرزو ہے کہ تیری نظر کسی خوش نظر تک پہنچ جائے تو پھر اپنے جلووں کی چار دیواری میں بیٹھ جا، تا کہ اُس کی کوئی خبر مل سکے۔

(86)

ستم می پرورد آغوشِ گل از خار پروردن
زبانے را کزو کارِ درود آید بہ سَبّ مکشا

ترجمہ:

پُھول کی آغوش کانٹے پالنے کے سبب اپنے آپ پرظلم کرتی ہے۔ وہ زبان جس سے رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دُرود رسانی کا کام لیا جاسکتا ہے، اُسے حضورؐ کے صحابہؓ، اُمّہات المومنین اور اولیاء اللہ کو گالیاں دینے اور لغویات میں نہیں کھولنا چاہیے۔

تشریح:

بیدلؒ کے نزدیک مسلمان کی زبان ایک پھول کا درجہ رکھتی ہے، جس کا خاصہ نرمی، لوچ، شگفتگی اور مہک ہے۔ جب تک یہ دُرود خوانی میں مصروف رہے، تو اس کا مقام گُلِ شگفتہ اور مہکتے ہوئے پھول کا ہے اور جب اسی زبان کو جو پھول کا درجہ رکھتی ہے، پاکانِ اُمّت کے سَبّ وشتم کے لیے کھول دیا جائے تو پھر وہ ایک ایسا پھول بن جاتی ہے، جو اپنی آغوش میں سَبّ وشتم کے کانٹے پال رہا ہو۔ سَبّ وشتم کے یہی کانٹے انسان کے لیے کسی وقت زبان کے کانٹے بھی بن سکتے ہیں۔ جب انسان کی زبان پھول کے لوچ اور اُس کی نرمی سے محروم ہو کر فطرتِ خار اپنا لیتی ہے، تو پھر اُسے اچھے برے اور چھوٹے بڑے کی تمیز نہیں رہتی، جو بھی اُس کی زد میں آئے اُس کے سینے میں نشتر چبھوتی اور مسلسل ڈستی رہتی ہے۔ خالقِ زبان ہر اہلِ زبان کو عذابِ زبان سے بچائے، اس لیے کہ جس طرح ہر عضو کے لیے اُس کی بدعملی ایک عذاب ہے، اسی طرح زبان کے لیے عذاب پاکانِ اُمّت کی بے حُرمتی، گستاخی اور فحش کلامی ہوا کرتی ہے۔ زبان کا کام اچھوں کی تعریف کرنا، قرآن خوانی اور رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دُرود بھیجنا ہے، اس سے گالی گلوچ اور پاکانِ اُمّت کے لیے سَبّ و شتم جیسا فعلِ شنیع مناسب نہیں۔

❁❁❁

(87)

حصولِ امتیاز آب و رنگ آساں نمی باشد
بسوز و داغ شو تا بر رُخِ ہستی نہی خالے

ترجمہ:

آب و رنگ کا امتیاز آسانی سے حاصل نہیں ہو پاتا۔ اے مخاطب! تُو سراپا داغ بن جاتا کہ ہستی کے چہرے پر کسی خال کا اضافہ کر سکے۔

(88)

کفر است فضولی بہ ادب گاہِ حقیقت
در خانۂ خورشید دلائل چہ فروشم

ترجمہ:

حقیقت کی ادب گاہ میں فضول گفتگو کفر کے مترادف ہے آفتاب کے جلوت کدے میں دلائل بازی بے معنی ہے۔ ''آفتاب آمد دلیلِ آفتاب'' کے مصداق کائنات میں بعض ایسے مُسلّمات اور حقائق موجود ہیں کہ وہ خود اپنی ذات پر شاہد ہیں اور اُن کے اثبات کے لیے کسی استدلال کی احتیاج نہیں ہوتی۔

(89)

معنیٔ حسن و جنونِ عشق از جامِ من است
در گلستاں رنگم و در عندلیباں نالہ ام

ترجمہ:

حسن اور جنون عشق کے معانی میرے جامِ فکر سے مترشح ہوئے ہیں میں گلستان میں رنگ ہوں اور عنادل (بلبلوں) میں نالہ ہوں۔

۞۞۞

(90)

در مکتب نیاز چہ حرف و کدام سطر
چوں خامہ سجدہ ایست کہ صد جا نوشتہ ایم

ترجمہ:

نیازمندی کے مدرسے میں کیا حرف کا ذکر اور کیا سطر کا تذکرہ؟ حقیقت تو یہ ہے کہ ہم نے قلم کی طرح ہر جگہ اپنی سجدہ ریزیاں ہی لکھی ہیں۔

۞۞۞

(91)

با نسب محتاجِ نبود صاحبِ کسب و کمال
بے نیاز از بحر گردد قطرہ چوں گوہر شود

ترجمہ:

صاحبِ فضل وکمال انسان آبا واجداد کے نام ونسب کے سہاروں کا محتاج نہیں ہوتا، جیسے قطرہ موتی بن جانے کے بعد سمندر سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

تشریح:

قطرے کا سلسلۂ نسب سمندر ہی سے ملتا ہے۔ جب تک اُسے عام قطرۂ آب کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور فضل وکمال کا کوئی عنصر اُس میں موجود نہیں ہوتا، اُسے دریا یا سمندر کے حوالے سے پہچانا جاتا ہے، مگر قدرت جب اُسے گوہر آبدار بنا دیتی ہے تو پھر وہ سمندر کے حوالۂ تعارف کا محتاج نہیں رہتا، بلکہ حقیقت شناس اور نکتہ رس نگاہیں اُسے اُس کے جوہر ذاتی کے حوالے سے پہچانتی اور جانتی ہیں۔ اس شعر میں اُن محرومِ فضل وکمال افراد کو دعوتِ غور وفکر دی گئی ہے، جو صرف اپنے بزرگوں کے کارناموں، اُن کی دینی وملّی خدمات اور اپنے نام ونسب پر اظہارِ فخر ومباہات کرتے ہیں اور دوسرے انسانوں کو حقیر جانتے ہیں، اس شعر کے مخاطب وہ لوگ بھی ہیں جو امیر گھرانوں، نوابوں، وڈیروں اور جاگیردارانہ نظام کی آغوشِ رعونت میں پروان چڑھے ہوتے ہیں۔

(92)

خاک را نفی خود اثبات چمن ہا کردن است
آنقدر مُردم براہِ اُو کہ جانے یافتم

ترجمہ:

مٹی جب اپنی ذات کی نفی کرتی اور اُسے مٹاتی ہے، تو درحقیقت اُس کا یہ عمل نفی، باغ وبہار اور لالہ گُل کے رُوپ میں اپنے وجود کا اثبات واظہار ہوتا ہے۔ مصرعِ ثانی میں فرمایا کہ اس لیے میں اُس کی راہ میں اتنا مرا کہ میں نے ایک لافانی حیات اور وجود حاصل کرلیا۔

تشریح:

چونکہ نباتات کی روئیدگی میں مٹی کے اجزائے ترکیبی کے جُملہ عناصر، اپنی قوتوں کو صَرف کرنے کے بعد، گویا اپنی نفی کرلیتے ہیں، اگر مٹی اپنے قوائے فطریہ کو نباتات کے عملِ روئیدگی میں صَرف نہ کرے اور اس طرح اگر وہ اپنی میّت وجود پر نمازِ نفی ادا نہ کرے تو یہ خاکدانِ عالَم، لہلہاتے

سبزہ زاروں، سربلند و رعنا درختوں، جھُومتی شاخوں، رنگین وعطر بیز پھولوں، لذیذ پھلوں، مخملیں مَرغزاروں اورترنّم ریز آبشاروں سے یکسرمحروم رہےاورانسانی نگاہیں بہاروں کی رعنائیوں اوردل فریبیوں کے لیےترستی رہیں؛مٹی کواپنی نفیِ ذات کی جزا،کائنات میں پھیلے ہوئے اَن گنت فردوس نگاہ مناظرکی صورت میں دے دی جاتی ہے۔

۞۞۞

(93)

آرزو از نفیِ ما اثباتِ یار ایجاد کرد

ہر چہ از آثارِ مجنوں کاست بر لیلیٰ فزود

ترجمہ ومفہوم:

مجنوں کےآثارجس قدرگھٹتے گئے،اُسی قدروہ لیلیٰ کےآثارمیں افزودگی کا سبب بنتے گئے۔ثابت ہوا کہ انسان کی نفی اگرذاتِ باری کے وجودِحقیقی کے مشاہدے کا سبب بن جائے،تو انسان کے لیےاس سے بڑھ کراورکیا خوش نصیبی ہوسکتی ہے؟ گویااس کی نفی وجودِحقیقی کے مشاہدہ پرمُنتج ہوئی۔

۞۞۞

(94)

بے فقر آشکار نہ گردد عیار مَرد

بخت سیہ بود محک اعتبار مَرد

ترجمہ:

غربت وافلاس کے بغیرانسان کے وہ جوہرنہیں کھُل سکتے جومبدءِفیض نےاُس کی فطرت کو ودیعت فرمائے۔سیہ بختی تواُس کےتعیّنِ مقام کی کسوٹی ہوتی ہے۔

تشریح:

یوں سمجھئے کہ جب سونے کو خالص کرنا مقصود ہو اور اُس کی چمک دمک کا اظہار مطلوب ہو تو اُسے کٹھالی میں ڈال کر سپردِ آتش کیا جاتا ہے، جہاں وہ تمام غیر جنسی اجزا و عناصر جو اس کی انجمن وجود میں مضمر ہو کر اس کی خالصیت پر پردہ ڈالے ہوئے ہوتے ہیں، آنچ کی شدت کی تاب نہ لا کر تلچھٹ کی صورت اختیار کر کے الگ ہو جاتے ہیں اور سونا زرِ خالص بن کر نکھر آتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی صاحبِ صلاحیت انسان غربت و افلاس کا شکار ہو جائے، تو تقلباتِ احوال اور زندگی کی تلخیاں اُس کے لیے کٹھالی کا کام دیتی ہیں اور اُسے مردِ کامل بنا دیتی ہیں۔

۞۞۞

(95)

می گزد جوہر آئینہ کف دستِ تہی
باخبر باش! کہ افلاس و ہُنر نزدیک است

ترجمہ:

آئینے کا جوہر اپنی خالی ہتھیلی کو کاٹتا رہتا ہے، اس لیے تو ہشیار رہ کہ ہُنر مندی و علم، افلاس و غربت کے بہت نزدیک ہوتے ہیں۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ آئینے کا پورا وجود خالی کا خالی ہوتا ہے اور اُس کے پاس کچھ نہیں ہوتا، اس اعتبار سے وہ مفلس ہوتا ہے مگر اس افلاس کے باوصف اُس کے اندر یہ عظیم ہُنر بھی بدستور موجود ہوتا ہے کہ اُس کے خالی آنگن میں جھانکنے کے لیے ہر شاہ و گدا ہمیشہ مجبور محتاج اور بے تاب پایا جاتا ہے، گویا آئینے کے افلاس کے باوجود اگر اُس کا سامنا کیا جائے، تو وہ مخاطب کے عیوب و ہُنر آئینہ کرنے کے علاوہ اُسے کم از کم آئینہ ضرور دکھا دیتا ہے۔ بلاشُبہ دوسری نعمتوں کی طرح دولت مندی بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، مگر جب اس کے متعلق وارد شُدہ احکاماتِ اسلامی کو بالائے طاق رکھتے

ہوئے، اس سے پرستش کی حد تک محبت کی جانے لگے، تو یہی نعمت، قارُون کی طرح مُوجبِ ذلّت و عذاب بھی بن سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دولت مند مشائخِ اُمّت اور صوفیائے کرام نے اسے کبھی دل میں جگہ نہیں دی، بلکہ اس کے اسلامی اور اخلاقی مصارف ہمیشہ پیشِ نظر رکھے۔ ایسے واقعات کے شواہد، تاریخ میں بکثرت ملتے ہیں۔

۞۞۞

(96)

تمام شوقیم لیک غافل کہ دل براہ کہ می خرامد
جگر بداغ کہ می نشیند نَفَس بآہ کہ می خرامد

ترجمہ:

ہم سراپا شوق ہیں، لیکن ہمیں اس بات کا علم نہیں کہ دل کس کی راہ میں محوِ خرام ہے؟ جگر کس کا داغ لیے بیٹھا ہے اور سانس کس کی محبت میں آہ بھر رہی ہے؟

۞۞۞

غبارِ ہر ذرّہ می فروشد بحیرت آئینۂ تپیدن
رمِ غزالانِ ایں بیاباں پئے نگاہ کہ می خرامد

ترجمہ:

ہر ذرّے کا غبار حیرت کو سوز وتپش کا آئینہ فراہم کرتا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ اس بیاباں کے ہرنوں کا رَم کس کی نگاہ کی خاطر خرام پذیر ہے؟

زرنگِ گُل تا بہارِ سُنبل شکست دارد دماغ نازے
دریں گُلستاں ندانم امروز کج کلاہ کہ می خرامد

ترجمہ:

رنگِ گُل سے لے کر سُنبل کی بہار تک سارے سلسلۂ ناز و انداز کو حواسِ باختہ کر رہا ہے، میں نہیں جانتا کہ اس گُلستانِ ہستی میں آج کس ذاتِ لَم یَزل کا کج کلاہ خراماں ہے؟

نگہ بہر جا رسد چو شبنم ز شرم می باید آب گردد
اگر بداند کہ بے محابا بہ جلوہ گاہ کہ می خرامد

ترجمہ:

نگہ جس مقام پر بھی ٹھہرے، اُس پر لازم ہے کہ وہ شبنم کی طرح شرم سے پانی پانی ہو جائے، اگر وہ یہ جان لے کس جلوہ گاہ میں بے دھڑک سیر کر رہی ہے؟

مگر ز چشمش غلط نگاہے رسد بفریادِ حالِ بیدلؔ
وگرنہ آں برقِ بے نیازی پئے گیاہ کہ می خرامد

ترجمہ:

ممکن ہے کہ وہ محبوب اپنی آنکھ سے بیدلؒ کے حال کی فریاد پر کوئی اُچٹتی نگاہ ڈال دے، ورنہ وہ برقِ بے نیازی کس کی گھاس کی سیرابی کے لیے گرتی ہے؟

تشریح:

اُس ذاتِ مطلقہ کی عادت یہ ہے کہ اُس نے اپنی ذات کو تمام تر توضیحات وتشریحات کے باوصف مخفی رکھا اور اپنی حقیقی ذات کا نام نہیں بتایا، بلکہ اسما وصفات کے ذریعے سے اپنی پہچان کرائی، اس لیے ساری کائنات بھی کسی حقیقی یا ذاتی نام سے موسوم نہیں ہوسکتی۔ اعتباری، علامتی اور صفاتی نام ہی سے پکاری جائے گی، کیونکہ اُس کی ذات کے سامنے اور کون ہے؟ جو اپنی ذات کو ثابت کر سکے، یا منوا سکے۔ ذات تو ایک ہی ہے جس طرح واجبُ الوجود کے مقابلے میں ساری کائنات ممکن الوجود ہے اسی طرح اُس کی ذاتِ حقیقی کے سامنے تمام موجوداتِ محض اعتباری اور عارضی اشیا ہیں اور اعتباری و عارضی شے کی ذات ہی جب عارضی و اعتباری ہوتی ہے، اُس کے نام ذاتی اور حقیقی کیوں کر ہو سکتے ہیں؟

(97)

بے باک پا مَنہ بہ اَدب گاہِ اہل فقر

خوابیدہ است شیر نیستانِ بوریا

ترجمہ:

اے آنے والے! اہل فقر کی ادب گاہوں میں بے باکانہ قدم نہ رکھ، اس لیے کہ بوریا کے نیستاں کا شیر محوِ خواب ہے۔

(98)

خداست حاصلِ خدمت گُزین درویشاں

مکارِ غیر جبیں در زمین درویشاں

ترجمہ:

درویشوں کی خدمت کرنے والوں کا حاصل خدا کی ذات ہے، لہٰذا اے زائر! درویشوں کی سرزمین میں اگر کچھ کاشت کرنا چاہتا ہے، تو اپنی جبینِ نیاز کاشت کر۔

تشریح:

بیدلؒ کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح دہقانوں کو سال بھر کی محنت شاقہ کا صلہ غلے کی صورت میں ملتا ہے، اسی طرح بزرگانِ دین اور اہل اللہ کی خدمت کرنے والوں کو اپنی خدمت کے صلے میں خدامل جاتا ہے، گویا انہیں غلہ اور انہیں اللہ ملتا ہے اور یہ وہ صلہ ہے، جس سے بڑے صلے کا تصور بھی اس کائنات میں نہیں کیا جاسکتا۔

(99)

پاکی چو بحرِ موج زند از جبینِ شاں

قومے کہ از گدازِ تمنّا وضو کنند

ترجمہ:

وہ قوم جو سوز وگدازِ تمنّا (کے پانی) سے وضو کرتی ہے، اُس کی جبینِ سعادت آگیں سے پاکیزگی وطہارت سمندر کی امواج کی طرح اُٹھتی ہیں اور اُبھرتی دکھائی دیتی ہیں۔

(100)

ہر کہ زیں انجمن آثارِ صفا می بیند

نشہ از بادہ و از تارِ صدا می بیند

ترجمہ ومفہوم:

اس نغمہ زارِ کائنات میں جو شخص صفائے دل کی علامت دیکھتا ہے، وہ شراب میں نشے اور (ساز کے) تار میں آواز یعنی سُر کا (بہ چشم باطن) مشاہدہ کرتا ہے۔ایک شرابی نشے کی حالت میں کچھ بھی نہیں دیکھ سکتا، مگر عارف کی نظر ہوش میں رہ کر شراب میں نشے کا مطالعہ کرسکتی ہے۔علما وعرفا میں یہی فرق ہے۔

۞۞۞

(101)

تواضع ہائے دشمن مکرِ صیّادی بود بیدلؔ

کہ میلِ آہنی را خم شُدن قلّاب می سازد

ترجمہ:

اے بیدلؔ جفا گر کا عجز وانکسار اور تواضع فریب صیّاد کے مانند ہوتا ہے کہ لوہے کی سلاخ کا ٹیڑھا ہونا اسے ماہی گیر کا کانٹا بنا دیتا ہے۔

گُلوں کی مسکراہٹ پر نہ جاؤ

پسِ منظر چھُپے ہوتے ہیں کانٹے

۞۞۞

(102)

ادب نہ کسبِ عبادت ، نہ سعیِ حق طلبی ست
بغیر خاک شُدن ہر چہ ہست بے ادبی ست

ترجمہ:

ادب، زیادہ عبادت کرنے اور حق طلبی کی کوشش کا نام نہیں، کیونکہ صوفیائے کرام کے نزدیک مٹی ہو جانے کے سوا جو کچھ بھی ہے، وہ دائرۂ بے ادبی میں داخل ہے۔

(103)

ستم است اگر ہوَسَت کشَد کہ بہ سیرِ سرو وسَمَن درآ
تُو زغُنچہ کم نہ دمیدہ ای درِ دل کُشا بہ چمن درآ

ترجمہ:

اگر تیری ہوس تجھے سرو وسمن کی سیر پر آمادہ کرے، تو یہ ستم ہوگا۔ اے انسان! تُو باعتبارِ نشوونما کسی غُنچے سے کم نہیں، ذرا دریچۂ دل کھول کر اُس میں ایک مکمل چمن کا نظارہ تو کر۔

تشریح:

دراصل بیدلؔ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ غُنچۂ لب بستہ فطرت کے معیّن کردہ وقت کے مطابق اپنے جسم کے تمام دروازے (جو معصوم پتیوں کی صورت میں ہوتے ہیں) کھول کر تماشائے کائنات کرتا ہے، یا کائنات پر اپنے باطن کو آشکار کرنے کی غرض سے ایسا کرتا ہے، تُو غنچے سے کم تو نہیں۔ کیا تُو اپنے اندر کا دروازہ کھول کر بہارِ دل کا تماشا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا؟ غُنچے اور تیرے

دروازۂ دل میں اتنا فرق ضرور ہے کہ غُنچے کے دروازے (یعنی پتیاں) باہر کے تماشے کے لیے باہر کی طرف کھُلتے ہیں، جب کہ تیرے دل کا دروازہ اندرونی کائنات کے مطالعہ کے لیے اندر کی طرف کھُلتا ہے۔

(104)

من نمی گویم ، بہ کلی از تعلقہا بر آ
اندکے زیں دردِ سر آزاد باید زیستن

ترجمہ:

میں یہ نہیں کہتا کہ تو مکمل طور پر دُنیوی علائق کو ترک کر، لیکن کچھ دیر کے لیے اس دردِ سر سے آزاد ہو کر بھی انسان کو جینا چاہیے۔

۞۞۞

(105)

نزاکت ہا ست در آغوشِ مینا خانۂ حیرت
مژہ برہم مزن تا نشکنی رنگ تماشا را

ترجمہ:

کائنات کا یہ شیشہ خانۂ حیرت اپنے پہلو میں بے شمار نزاکتیں لیے ہوئے ہے، لہٰذا اے مشتاقِ تماشا! اگر تُو ان مناظر سے کماحقہٗ محظوظ ہونا چاہتا ہے، تو پھر اپنی پلکیں بھی نہ جھپک اور مسلسل دیکھتا رہ، تا کہ پلکوں کے جھپک جانے سے تیری نگاہیں کسی منظرِ حسیں کا کوئی لمحۂ حسیں مس (miss) نہ کر بیٹھیں۔

تشریح:

علّامہ اقبالؒ کے متعلق سُنا ہے کہ وہ آخری ایّام میں میرزا بیدلؒ کا یہ شعر بہت پڑھا کرتے تھے اور اس شعر نے اُن کے دل پر اتنا اثر چھوڑا تھا کہ جب بھی وہ یہ شعر پڑھتے، اُن پر وجد و مستی کا عالم طاری ہو جاتا۔ اگر بہ چشمِ حقیقت دیکھا جائے تو یہ ساری کائنات مختلف کمالات کے ظہور کا آئینہ ہے، مگر وہ چشمِ بینا جو قدرت کے ان مناظرِ جمال کی اور مظاہرِ کمال کی مشتاقِ زیارت ہو، میرزا عبدالقادر بیدلؒ چشمِ بینا کے لیے اُن کی اہمیت اور اُن کے نظارے کے لیے آداب بیان فرماتے ہیں۔ حضرتِ بیدلؒ کے مذکورہ بالا شعر سے ملتا جلتا مضمون، ناخدائے سخن میر تقی میرؔ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

۞۞۞

(106)

قدرِ تو کس چہ داند تا بر تو جاں فشاند
اے آفتابِ تاباں! گنجی و گنجِ مفتی

ترجمہ:

تیری قدر کوئی جانے، تو تجھ پر اپنی جان نچھاور کرے۔ اے تجلیّات بکھیرنے والے سورج! تو یقیناً انوار و تجلیّات کا ایک خزانہ ہے اور خزانہ بھی ایسا جو مفت تقسیم ہو رہا ہے۔

تشریح:

یہ درست ہے کہ تیری جلوہ سامانیوں کے بغیر کاروبارِ حیات مُعَطّل ہو کر رہ جاتا ہے اور ہر قدم پر تیری روشنی درکار ہوتی ہے، مگر افسوس ہے کہ تجھ سے فائدہ تو سب اُٹھاتے ہیں، مگر تیری قدر بہت کم

لوگ کرتے ہیں۔خاص طور پر خفّاش (چمگادڑ) فطرت لوگ تجھ سے آنکھ ملانے میں گھبراہٹ سی محسوس کرتے ہیں اور تجھے نہ دیکھنے میں سکون محسوس کرتے ہیں،مگر جو تیری تجلیّات اور انوار کی قدر و منزلت سے آگاہ ہیں، وہ ہر وقت تجھ سے روشنی کے طالب رہتے ہیں اور تجھے جان و دل سے عزیز رکھتے ہیں۔ یہی حالت اُن حضرات کی ہے، جو مقامِ اولیا سے آشنا ہوں اور جو بے بہرہ ہیں، وہ اُن کے در پردہ فیضان سے جھولیاں بھر کر بھی نہ اُن کی قدر کرتے ہیں اور نہ ان کے احسان مند ہوتے ہیں۔

شاہانِ وقت اور امرا اگر اجسام پر حکومت کرتے ہیں،تو مقبولانِ خدا مخلوق کے قلوب اور ان کی ارواح پر حکومت کرتے ہیں۔دلوں کے انکار کی صورت میں اجسام اطاعت سے روگردانی بھی کر سکتے ہیں، جب کہ دلوں کی اطاعت کی صورت میں اجسام جرأتِ انکار نہیں کر سکتے، کیونکہ اجسام کی حرکت و سکون قلوب کے تحت ہوتی ہے اور قلوب پر اجسام کوئی حکم نہیں چلا سکتے۔خلاصۂ کلام یہ کہ خاصانِ خدا حضرت شیخ سعدیؒ کے درج ذیل شعر کا مصداق ہوتے ہیں:

تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکمِ تو ہیچ

اے انسان! اللہ تعالیٰ کے احکام سے تو بھی روگردانی نہ کر، تا کہ کوئی شے تیرے حکم سے روگردانی نہ کرے۔

(107)

خاکِ ایں بیاباں را گریہ ات نہ زد آبے
ورنہ ہر قدم ایں جا بوئے آشنائی ہاست

ترجمہ:

افسوس کہ تیرے اشکوں نے اس بیاباں کی مٹی کو سیراب نہیں کیا، ورنہ یہاں کا ایک ایک

قدم آشنائی و محبت کی خوشبوؤں سے مہک رہا ہے۔ علاّمہ اقبالؔ نے مضمونِ مذکورہ کو اس طرح باندھا ہے:

نہیں ہے نا اُمید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

(108)

بہ تشریف جہاں بیدلؔ بہ عُریانی قناعت کُن
کہ گُل ایں جا ہمیں یک جامہ می یابد پس از سالے

ترجمہ:

اے بیدلؔ! دنیا کے قیمتی لباس کی نسبت عُریانی پر قناعت کر، اس لیے کہ ہستی کے اس گلشن میں پھول کو ایک سال بعد کپڑوں کا یہی ایک جوڑا دیا جاتا ہے۔

تشریح:

مطلب یہ کہ انسان کا قیمتی پوشاک کے حصول میں پریشاں رہنا اُس کے شایانِ شان نہیں۔ قدرت اُسے جس حال میں رکھے، اُسے اُس پر قناعت کرنی چاہیے، اس لیے کہ پھول جس کے دم قدم سے گلزار میں بہارِ سامانی ہوتی ہے اور بلبل جس کے عشق میں بے قرار رہتا ہے، فطرت اُسے بھی سال بھر میں ایک ہی جوڑا برگِ گُل کی صورت میں عطا کرتی ہے اور وہ (پھول) اُسی پر قناعت کرتا ہے۔

(109)

بیش از آنست در آئینۂ من مایۂ نور
کہ بہ ہر ذرّہ دو خورشید نمایم تقسیم

ترجمہ:

اگر میں کائنات کے ہر ذرّے میں دو دو سورج بھی تقسیم کر دوں، تب بھی میرے آئینے میں نور کی پونجی باقی رہے گی۔

۞۞۞

(110)

از فقر باز بر سرِ دنیا زدیم پا
خلقے بجاہ تکیہ زد و ما زدیم پا

ترجمہ:

ہم نے فقر و غنا کی وجہ سے دُنیا کے سر پر لات ماردی۔ ایک دُنیا نے مال و جاہ کے ساتھ تکیہ لگایا، یعنی اُس کے حوالے سے خود کو متعارف کرانا چاہا، مگر ہم نے اُس چیز کو لات ماری، جسے لوگوں نے اپنے لیے تکیۂ تعارف بنا رکھا تھا۔

۞۞۞

(111)

گر نہ منظورِ کرم بخششِ عبرت باشد
چہ خیال است کہ دولت بہ اراذل بخشند

ترجمہ:

اگر خداوندِ عالم کا اپنے کرم سے عبرت دلانا مقصود نہ ہو، تو کمینہ مزاج اور رذیل فطرت

لوگوں کو دولت دینے کی کیا تک بنتی ہے؟

تشریح:

بیدلؔ کا مطلب یہ ہے کہ قدرت امیرزادوں، نواب زادوں اور وڈیروں کی کمینگیِ فطرت اور خسّتِ طبع عبرت حاصل کرنے کے لیے اُنہیں دولت اور بے پناہ مال واسباب اور ہر قسم کی نعمتوں سے نوازتی ہے تا کہ وہ سب کچھ حاصل کر کے بُخل کریں، امساک زر کریں، سائلوں سے آنکھیں چرائیں اور لوگ ان کی کمینہ حرکتوں سے عبرت حاصل کر کے ایثار در آغوش غربت و افلاس میں زندگی گزارنے کو فوقیت دیں۔

(112)

حرص قانع نیست بیدلؔ ورنہ از سازِ معاش
آنچہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست

ترجمہ:

اے بیدلؔ! انسانی خُوئے حرص قناعت پذیر نہیں۔ ورنہ زندگی سے متعلق وہ ساز و سامان جسے ہم جزوِ حیات سمجھ کر استعمال کرتے ہیں، اُس میں اکثر چیزیں ایسی ہیں کہ جن کے بغیر بھی بہ آسانی زندگی گزاری جاسکتی ہے، مگر کیا کیا جائے؟ حرص ایسی بلا ہے جو انسان کو بعض غیر ضروری اشیا کی فراہمی اور حصول کے لیے ہر وقت بے چین رکھتی ہے۔

(113)

قناعت پیشہ ای ہشدار کایں حرصِ غنا دُشمن
کمیں گاہ ہوس ہا کردہ وضع بے سوالی را

ترجمہ:

اے وہ انسان کہ بزعمِ خویش پیشۂ قناعت اختیار کیے ہوئے ہے، ہشیار اور خبردار ہو جا! کہ حرص انسان کی شانِ استغنا کی دُشمن ہے، ایسا نہ ہو کہ تو اپنے خیال میں قناعت پیشہ بنا رہے اور حرص نے تیری بے سوالی کی وضع قطع کو اپنی ہوا و ہوس کی کمین گاہ (گھات) بنا رکھا ہو۔

تشریح:

گداگری کا رنگ ڈھنگ تو اُس کی حرص و ہوا کا غمّاز اور آئینہ دار ہوتا ہی ہے، مگر حیرت یہ ہے کہ حرص ایک ایسے انسان سے بھی وہی کام لے لیتی ہے، جو نہ تو بھکاری ہوتا ہے نہ حریص، بلکہ وہ خود کو صاحبِ قناعت سمجھتا ہے۔ اب حرص کا طریقۂ واردات دیدنی ہے کہ وہ اُس قناعت پیشہ انسان کی اُس وضع قطع کو ہوس کی گھات کے طور پر استعمال کرتی ہے، چنانچہ بظاہر قناعت پیشہ انسان در پردہ یہ آرزو کرتا ہے کہ گداگری کی وضع قطع میں کسی سے کچھ لینا اُس کے لیے باعثِ ننگ و عار ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ لوگ اُسے بے سوالی کے اس مہذب رُوپ میں کچھ نہ کچھ عطا کر دیں۔ خلاصۂ کلام کہ حقیقی مقامِ قناعت بہت بلند ہے اور حرص ایسے خفیہ اور غیر محسوس ہتھکنڈے بروئے کار لاتی ہے کہ نہ تو خود انسان اُن سے آگاہ ہو پاتا ہے اور نہ کوئی ظاہر بین آنکھ حرص کی ان ریشہ دوانیوں پر مطلع ہو سکتی ہے۔

(114)

اسباب بر آزادہ دلاں سخت حجابیست
نظارہ ، ز جمعیت مژگاں گلہ دارد

ترجمہ:

وہ لوگ جنھیں فطرت نے کمالات وفضائل سے نواز کر حرص و ہوا سے آزاد کر دیا، ہو دنیوی اسباب کی کثرت اُلٹا اُن کے دل پر بوجھ ڈالتی ہے اور اس کے لیے حجاب کا حکم رکھتی ہے۔

تشریح:

یہی وجہ ہے کہ نظارہ (دیکھنا) آنکھوں کے قید خانے کی پابندی نہیں برداشت کر سکتا۔ بقولِ علّامہ اقبالؒ:

نظارے کو تو جنبش مژگاں بھی بار ہے

اس لیے کہ اس میں قدرت نے آزادی کے جوہر رکھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا جب یہی نگاہ دہلیزِ چشم سے جَست لگا کر کھُلے اور آزاد مناظر پر پھیل جانا چاہتی ہے، تو اُس وقت اُسے اپنے چاروں طرف گھیرا کیے ہوئے پلکوں کے ہجوم سے شدید گلہ ہوتا ہے، کیونکہ ہجومِ مژگان نگاہ کی آزادی میں روڑا اٹکانے کا باعث ہوتا ہے۔ لہٰذا جس طرح نگاہ پلکوں کے ہجوم سے گلہ مند رہتی ہے، اسی طرح آزاد دل اور اربابِ علم وفن دنیوی اسباب سے ہمیشہ بیزاری کا اظہار کرتے اور اُن کے جمع و مہیا کرنے کی فکر سے آزاد ہوتے ہیں۔

(115)

در دستِ جهد نیست عنانِ سُبک رواں
ہر جا رسد خیال و نظر بے قدم رسد

ترجمہ وتشریح:

اس شعر میں کیے جانے والے دعوٰی و دلیل کے ذریعے حضرت بیدلؔ سمجھانا یہ چاہتے ہیں کہ خیال اور نظر چونکہ کثرتِ اسباب کے ثقل تلے دب جانے سے بے نیاز ہیں، اس لیے ترکِ اسباب نے انہیں اس لطافت سے آشنا کر دیا، جس کے سبب وہ اپنی ایک غیر محسوس اور بے آواز جَست میں لاکھوں میل کی مسافت بے جُنبش قدم طے کر جاتے ہیں۔ جسم کے دیگر اعضا کے برعکس جنھیں اپنے اپنے افعال میں یک گونہ زحمت اور کوشش سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

مشیتِ الٰہی اگر خیال اور نظر کو سُبک خرام بنانے کے ساتھ ساتھ انہیں قدم اُٹھانے کی زحمت کے بغیر طویل و عریض مسافتیں طے کرا سکتی ہے، تو کیا وہ ذات اپنی کسی پاک خیال اور عالی نظر مقبول ہستی کے جسمِ کثیف کو خیال و نظر کی لطافتیں ارزانی فرما کر چشم زدن میں کائنات کی وسعتیں اور مسافتیں سمیٹ لینے اور انہیں طے کرنے پر قادر نہیں کر سکتی۔

جاؤ بجلی کی طرح آؤ نظر کی صورت

اگر خیال اور نظر دیگر اعضائے جسم، یا خود جسم کی کثافتوں اور کثرتِ اسباب کے انبار تلے دبے ہوتے تو یقیناً جس طرح وہ اب دیگر اعضا سے لطافت، سُبک خرامی یا قطعِ مسافت میں ممتاز و ممیّز ہیں، ہرگز نہ ہوتے۔ خیال اور نظر کی محیّر العقول اور ناقابل فہم قوتِ پرواز کا اعتراف کیے بغیر تو چارہ نہیں، لیکن حیران ہوں کہ فتوٰیِ شرک کے عارضے میں مُبتلا خیال و نظر کی یہ جولانیاں اور برق رفتاریاں دیکھ کر کیا مؤقف اختیار کریں گے؟

حضرت بیدلؔ کے نزدیک لطیف وجود کی باگ ڈور کوشش کے ہاتھ میں نہیں ہوتی اور لطیف و آزاد مزاج لوگ کثیف طبع لوگوں کی طرح کوشش کے رہینِ منّت نہیں ہوتے۔ یہ اور بات

ہے کہ جسم کے دوسرے اعضا کو اپنے طبعی افعال کے صدور میں جدوجہد سے آشنا ہونا پڑتا ہے، یہی فرق خواص وعوام میں ہے۔خواص، خیال ونظر کا مقام رکھتے ہیں اور عوام دوسرے اعضائے جسم کا۔ جن کے آئینہ ہائے دل صاف اور شفاف ہوتے ہیں وہ اس وسیع وعریض کائنات میں جہاں بھی پہنچنا چاہیں، خیال اور نظر کی طرح دفعتاً بے زحمت قدم اُٹھائے پہنچ جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ عارفِ دوراں حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ قدس سرہٗ نے اس نکتۂ خاص کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے تحدیث نعمت کے طور پر اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کے خصوصی کرم کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا:

بیروں نہ زدم قدمے ویں طرفہ تماشا بیں
پُر آبلہ شُد پایم عُمریست کہ سیّارم

شعر کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے اپنی قیام گاہ سے باہر قدم بھی نہیں رکھا، لیکن اے مخاطب! اس عجیب وغریب مقام کو ملاحظہ کر کہ میرے پاؤں آبلوں (چھالوں) سے بھرے پڑے ہیں اور ایک عمر سے راہ سلوک وعرفان میں مسلسل سفر کر رہا ہوں۔ باہر قدم نہ رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ واقعتاً اپنی قیام گاہ سے کبھی کہیں تشریف نہیں لے گئے، ایسے سفر تو آپ نے بے شمار کیے۔ یہاں جس سفرِ خاص کا ذکر کیا جا رہا ہے جو بے زحمت قدم سفر ہے جس کا ذکر ابھی کچھ پہلے حضرت بیدلؒ کے اس شعر کے حوالے سے کیا گیا۔ جس طرح اجسام، مادی منازل تک رسائی کے لیے مسافت ارضی کو طے کرتے ہیں، اسی طرح معنوی اور روحانی منازل تک پہنچنے کے لیے خاصانِ خدا کی ارواح اور اُن کے وجدان وعرفان مسافت حجابات طے کرتے ہیں اور یہ ایسا عجیب سفر ہوتا ہے کہ مسافر کو اسے طے کرنے کے لیے ظاہری طور پر اپنا ایک قدم بھی نہیں اُٹھانا پڑتا اور آن کی آن میں کائنات کی وسعتوں کو اپنی برق رفتاری میں سمیٹ لیتا ہے گویا:

بیٹھا ہوا وطن میں بھی سالک سفر میں ہے

یا پھر بقولِ خواجہ میر دردؔ قدس سرہٗ:

آپ سے ہم گزر گئے کب کے
کیا ہے ظاہر میں جو سفر نہ کیا

مندرجہ بالا تبصرے کے بعد مزید کچھ کہنے کی ضرورت تو محسوس نہیں ہوتی، مگر ناصر علی سرہندی کا یہ خوب صورت شعر نظر انداز کر کے گزر جانے کو جی نہیں چاہتا۔ آپ بھی سُنیے اور سر دُھنیے:

تُو راہ از کثرتِ اسباب بر خود تنگ می سازی
سبک روحاں چو بوئے گُل رہا کردند محمل ہا

امر واقعی یہی ہے کہ خود آ گاہ اربابِ نظر کے لیے علائق دنیا بارِ طبع ہوتے ہیں، کیونکہ باغبانِ فطرت جو بوئے گُل کو زندانِ غنچہ سے حکم رہائی دیتا ہے اور برگِ گُل کی صورت میں ابوابِ غنچہ اُس (خوشبو) پر کھول دیے جاتے ہیں تو بوئے گُل اپنی طبعی لطافت اور سبک رُوحی کی بنا پر خانۂ گُل کے رنگ برنگ دریچوں کو کھلا ہوا چھوڑ کر کائنات کی وسیع و عریض فضاؤں میں محوِ پرواز ہو جایا کرتی ہے، گویا بوئے گُل کے لیے قیدِ مکاں ایک مصیبت ہے، اس طرح جو لوگ بوئے گُل کی طہارت، مہک اور لطافت کے مالک ہیں، وہ مکان سے بوئے گُل کا سا سلوک کیا کرتے ہیں۔

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ اُستادِ ازل گفت ہماں می گویم

کارکنانِ قضا و قدر نے مجھے طوطی کی طرح آئینے کے پیچھے بٹھا رکھا ہے۔ جو کچھ بھی معلمِ ازل مجھے کہتا ہے، میں وہی بولتا ہوں۔

(116)

بہر کجا ناز سر برآرد نیاز ہم پائے کم ندارد
تو و خرامے و صد تغافُل، من و نگاہے و صد تمنّا

ترجمہ:

ناز جہاں اپنا سر اُٹھاتا ہے، نیاز بھی اُسی قدر اپنے جوہر دکھاتا ہے۔ اگر محبوب کا خرام

اپنے جلو میں سیکڑوں تغافل لیے ہوئے ہے، تو نیاز مند عاشق بھی اپنی ایک نگاہ کے ساتھ سیکڑوں تمنّاؤں اور حسرتوں کا لشکر لیے ہوئے ہوتا ہے۔

(117)

غیرتِ روشن ضمیراں لمعۂ تیغِ بلاست
موج می گردد نمودار از شکستِ آب ہا

ترجمہ:

روشن ضمیر لوگوں کی غیرت مندی تیغِ آفات کی چمک ہے، پانی کے دھارے جب ایک دوسرے پر پڑیں، تو موج کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ روشن ضمیر لوگ پہلے تو عوام کے عائد کردہ الزامات اور طعن و تشنیع برداشت کرتے رہتے ہیں، بالآخر جب کبھی اُن کی غیرت جوش مارتی ہے، تو پھر کوئی شخص اُن کے جلال وغضب کی تاب نہیں لاسکتا۔ رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک: ایاك و غضب الحلیم ترجمہ: ''متحمل مزاج انسان کے غضب سے بچ'' اسی عظیم حقیقت کا ترجمان ہے۔ حضرت میرزا عبدالقادر بیدلؔ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ شعر مراعاۃ النظیر کا شاہکار ہے۔ پانی کے دھاروں کا پے بہ پے گرنا خلق کی پیہم ایذا رسانی اور دل شکنی سے مُماثلت رکھتا ہے کہ آخر کار پانی کی یہ ضربات بہ شکلِ موج ضرور رونما ہوتی ہیں۔ حقائق عالم کے اس ایک جزو کو بیان کرنے کے بعد شاعر نے اپنے مضمون کا استدلال فاتحانہ شان کے ساتھ منظوم کیا ہے۔ اس کے علاوہ شعر میں تلوار کی چمک، کاٹ اور ہیئت موج کے تلازمات کی کامل جلوہ گری بھی دکھائی دے رہی ہے۔

❁❁❁

(118)

پادشاہی بہ جنون جمع نہ گردد بیدلؒ
تاج گیرند اگر آبلۂ پا بخشند

ترجمہ:

اے بیدلؒ! بادشاہی اور جنوں یکجا نہیں ہو سکتے۔ قضاوقدر اگر پاؤں کا چھالا دیتے ہیں، تو سر سے تاج چھین لیتے ہیں۔

تشریح:

بیدلؒ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جنونِ عشق کی دنیا الگ ہے اور طنطنۂ بادشاہت الگ۔ جس طرح تاج، بادشاہِ وقت کے لیے باعثِ زینت اور علامتِ شہنشاہی ہوتا ہے، اسی طرح پاؤں کا آبلہ (چھالا) کسی بادیہ پیما عاشقِ زار کا سنگھار اور اُس کے پاؤں کے لیے تاج شاہی کا مقام رکھتا ہے۔ چونکہ تاج سر پر کُلاہ کا کام دیتا ہے اور آبلہ پا کی ظاہری صورت بھی کُلاہ جیسی ہوتی ہے، اس لیے تاجِ شاہی کو آبلۂ پا سے تشبیہ دی گئی ہے، یعنی اگر بادشاہ تاج اپنے سر پر رکھتا ہے تو ایک عاشق صحرا نورد اُسی طرح کی کُلاہ کو اپنے تلووں میں جگہ دیتا ہے۔ اس تشبیہ سے یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ جس طرح کوئی شہنشاہ، تاج کو اپنے سر پر بڑے فخر سے جگہ دیتا ہے، ایک آبلہ پا اُسی طرح کے کئی تاج اپنے پاؤں میں سجائے رکھتا ہے، جنھیں اُس نے کوئے یار سے اُٹھنے والی گردِ خرام یا گردِ عشّاق کی ضرورتِ ترشح کے لیے وقف کر رکھا ہوتا ہے۔

اگر تاج شاہانِ وقت کے سروں پر موجبِ شوکت وسطوت ہے، تو عشاق کے پاؤں سے نمودار ہونے والا چھالا اُن کے کفِ پا کے لیے تاج سے کم نہیں۔ اگر کسی عاشق کا پاؤں زیورِ آبلہ سے محروم ہے، تو اُس کی مثال ایک بادشاہِ بے تاج کی سی ہے۔

۞۞۞

(119)

ز سازِ عافیتِ خاک می رسد آواز
کہ ساکنانِ ادب گاہ نیستی ، ہستند

ترجمہ:

خاکی آرام گاہ کے ساز سے یہ آواز (پیہم) آرہی ہے کہ عالمِ نیست کی اس ادب گاہ کے رہنے والے زندہ ہیں۔ ہر چند کہ اُن کا آفتابِ حیات بہ ظاہر غروب ہو چکا ہے، مگر بہ باطن وہ مطلعِ بقا پر اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔

تشریح:

یہ صرف شاعرانہ نکتہ طرازی ہی نہیں، بلکہ کائنات کی مُسلّمہ حقیقت ہے کہ آفتاب کا ایک اُفق پر غروب، دوسرے اُفق پر اُس کے طلوع کی دلیل ہے، یہ مقام اہل اللہ کی خصوصی شان کا مظہر ہے کہ عالمِ فنا سے رُوپوش ہونے کے بعد بھی وہ بقائے دوام کے عالم میں ظہور پذیر ہیں۔

۞۞۞

(120)

چندانکہ دمد نخل ، سرِ ریشہ بخاک است
ذلت نہ بَرَد جاہ ز تخمیرِ دنی ہا

ترجمہ:

درخت جس قدر بھی بلند ہو جائے، اُس کے رگ وریشے (جڑیں) اُسی قدر مٹی میں دھنسے ہوئے ہوتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص فطری طور پر کمینہ واقع ہوا ہے، تو جاہ و مال اُس کی فطری

کمینگی کو زائل نہیں کر سکتے۔

تشریح:

بالفاظِ دگر ایسا شخص اقتدار اور جاہ و مال کے باوجود کمینے کا کمینہ ہی رہے گا، کیونکہ مال و دولت کی کثرت اور شوکتِ اقتدار کسی انسان کے لیے فضیلت و عزّت کا معیار نہیں بن سکتے، اگر کوئی چیز انسان کے لیے معیارِ فضیلت و عزّت قرار پا سکتی ہے، تو وہ اُس کی ذاتی صلاحیّتیں، علم و فضل، زہد و تقوٰی، صفاتِ عالیہ، اخلاقِ حسنہ اور تواضع و انکسار جیسی دیگر صفات ہی ہو سکتی ہیں۔ بلاشُبہ اولیاء اللہ محوّلہ بالا صفات کے مالک ہونے کے سبب دنیا کے دوسرے انسانوں سے برتر و ممیّز قرار پائے، ورنہ انسانی رشتے اور جنس کی مشارکت کے اعتبار سے وہ بھی دوسروں کی طرح عام انسان ہیں۔ لہٰذا ایسے اکابرِ اُمّت کے علم و عرفان، زہد و تقوٰی اور دیگر صفاتِ عالیہ کا مقابلہ وہ پست ذہن اور کم کوش افراد کیسے کر سکتے ہیں؟ جو ایک مسلمان گھر میں پیدا ہو جانے کے سبب بہ امرِ مجبوری کبھی کبھار کلمۂ طیّبہ پڑھ لیتے ہوں، جنھیں دین کی ابجد تک کا بھی علم نہ ہو اور نہ اُس سے کوئی دلچسپی۔ جن کے ہاں وضو، طہارت اور صوم و صلوٰۃ کا تصور بھی نہ ہو اور جن کی آلودۂ ہوس حیات کا ایک ایک لمحہ صرف پیسا کمانے، عیش کرنے اور سستی شہرت حاصل کرنے کی فکر میں گزرتا ہو، بہر حال صاحبِ اقتدار اور حاملِ زر و مال ہونے سے انسان کی فطری کمینگی میں سرِ مُو کمی نہیں آتی، وہ اس طرح معزّز نہیں بن سکتا۔

(121)

بیدلؔ صد حیف نارسائیت نہ رفت
با خَلق تملُّق آشنائیت نہ رفت
فضل یزداں ز مایۂ درویشی
شاہی بہ تو بخشید و گدائیت نہ رفت

ترجمہ:

اے بیدلؔ! صد افسوس کہ تیری نارسائی اختتام پذیر نہ ہوئی اور خلقِ خدا سے خوشامدانہ سلوک ابھی تک تُو نے ترک نہیں کیا، حالانکہ فضل خداوندی نے تجھے درویشی وفقیری کا سرمایہ عطا فرما کر حقیقت میں تجھے شاہی سے نوازا، مگر ابھی تک تجھ سے تیری خُوئے گدائی نہ چھُٹ سکی۔

تشریح:

حضرت بیدلؔ اس رباعی میں بہ ظاہر خود سے مخاطب نظر آتے ہیں، مگر درحقیقت اس کے مخاطب وہی لوگ ہیں، جو سیر چشمی اور قناعت کی دولت سے محروم ہو کر ذاتی اغراض و مقاصد کے لیے دنیادار اور مغرور اہل دولت و اقتدار کی خوشامد کرتے، انہیں سر پر بٹھاتے اور سائے کی طرح اُن کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ دراصل بیدلؔ اور دیگر تمام صوفیائے سلاسل کا نصب العین یہ ہے کہ مخلوق سے توقعات وابستہ نہ کرو، بلکہ اُس کا دروازہ کھٹکھٹاؤ جس نے تمہیں پیدا کیا اور جو سارے جہانوں کا پالن ہار اور داتا ہے، قرآن وسُنت کی تعلیمات بھی یہی ہیں۔

(122)

با آلِ نبی بندگیم ایمانی ست
با اصحابش ہماں نیازِ جانی ست
لیکن بزبانِ ہندیاں می گویم
ایں حرف ، کہ دشمنِ علی مروانی ست

ترجمہ:

اولادِ نبی کی غلامی میرے ایمان کا جزو ہے، اسی طرح رسالتمآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ میری نیازمندی حقیقی اور جانی ہے، مگر میں یہ بات اہل ہند کی زبان میں کہہ رہا ہوں کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دشمن صرف مروانی ہی ہوسکتا ہے، یعنی جو بنواُمیہ کا طرف دار ہوگا، یا اُن کے گُن گاتا ہوگا۔

تشریح:

بیدلؒ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح اولادِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی ایمان کا جزوِ لاینفک ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابۂ کبار رضوان اللہ علیہم سے دل و جان کی نیازمندی ہونی چاہیے اور جس کے قول وعمل سے اولادِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جنابِ علی رضی اللہ عنہ کی دشمنی اور بُغض کی بو آتی ہو، تو ضرور اُس کے رگ وپے میں یا تو مروانی خون رواں دواں ہوگا، یا پھر اُس کے عقائد میں مروانیت کے عناصرِ عناد وتعصّب موج زن ہوں گے۔

(123)

بیدلؔ ستم است رفضیانِ خُود سر
دارند ز ما توقّعِ فُحش و نظَر
حاشا کہ شود بہ فحش و بہتانے چند
فرزندِ علیؓ ، دشمنِ بوبکرؓ و عمرؓ

ترجمہ:

بیدلؔ یہ تو بڑے ستم کی بات ہے کہ خُود سر اور دیوانے رافضی ہم سے فحش کلامی اور ناپاکی نظر کی توقع رکھتے ہیں۔ ایسا ہر گز نہیں ہو سکتا کہ چند لوگوں کی فُحش گوئی اور الزام تراشی کے بدلے علی رضی اللہ عنہ کا کوئی بیٹا ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کا دشمن بن جائے۔

تشریح:

مطلب یہ کہ جو شخص شیعوں کی طرح اصحابِ ثلاثہ کے حق میں فحش کلامی سے کام لے اور اُمہات المؤمنین کی شان میں گستاخیاں کرے، اُسے وہ سچّا محبِّ اہل بیتؓ کہتے ہیں اور اُس کو سیّد بھی سمجھتے ہیں اور جو ایسا کرنے کو علامتِ کفر و نفاق سمجھے، اُس کے لیے نہ تو وہ مومن کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور نہ اُسے آلِ فاطمہؓ و علیؓ کا سچّا شیدائی خیال کرتے ہیں، مگر بیدلؔ اس کے برعکس یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ جو لوگ فرزندِ علی رضی اللہ عنہ اور ذریّتِ بتول رضی اللہ عنہا و رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سے ہونے کے مدّعی ہیں اور اپنے نام کے ساتھ بڑی بے باکی سے سیّد کا لفظ علامتِ نسب کے طور پر لکھ دیا کرتے ہیں۔ وہ یاد رکھیں کہ ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم اور سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا دشمن خود کو ذریّتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہلانے، اپنے نام کے ساتھ سیّد کا لفظ لکھنے اور فرزندِ علی رضی اللہ عنہ و بتول رضی اللہ عنہا کا دعوٰی کرنے کا قطعاً مجاز نہیں، اس لیے کہ اصل

ذریّتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حقیقی اولادِ علیؓ و بتولؓ کی علامت ہی یہی ہے کہ وہ ہمیشہ اصحابِ ثلاثہ اور اُمہات المؤمنین سے انتہائی عقیدت و نیازمندی سے پیش آئیں گے، اُن کے دشمنوں اور گستاخوں کو اپنا دوست نہیں سمجھیں گے اور اُن کے دوستوں کو کبھی دشمن نہیں جانیں گے۔

۞۞۞

(124)

بیدلؔ عبث است از سخن پروردن

بر شیعہ و خارجی شکست آوردن

حق چوں لب ایں طائفۂ ہرزہ نہ بست

مَعقُولاتَت چہ سحر خواہد کردن

ترجمہ:

بیدلؔ باتیں کرنے سے شیعہ اور خارجی کو شکست دینا مشکل کام ہے، اس لیے کہ جب قادرِ مطلق نے ان دونوں گروہوں کے منہ کو بے ہودہ گوئیوں اور ہرزہ سرائیوں سے بند نہیں کیا، تو تیری یہ تمام معقول اور سچی باتیں ان قَسیُّ القُلُوب پر کیا جادو پھونک دیں گی۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ اپنے عقائدِ باطلہ اور فاسدہ میں اتنے آگے جا چکے ہیں اور ان کی یاوہ گوئیاں اس نقطۂ عروج پر پہنچ چکی ہیں کہ اب ان کو قرآن و حدیث یا معقول ذرائع سے راہِ راست پر لانا ممکن نہیں رہا۔ ہاں! اللہ تعالیٰ خود ہدایت دینا چاہے، تو اُس کے لیے دُشوار نہیں۔

خدا ہی اب سنبھالے تو ، سنبھالے

وہ ہاتھوں سے نکلتے جا رہے ہیں

۞۞۞

(125)

خلقے از فطرت ضلالت تمہید
بر مُرشد خمر و بنگ بستہ است امید
چوں زمرہ خارجی در روزِ جزا
دارد چشم شفاعت از روحِ یزید

ترجمہ:

بہت سے لوگوں نے اپنی گمراہی پر مبنی فطرت کی وجہ سے شراب اور بھنگ کے رسیا مُرشد سے اُمّیدیں وابستہ کر رکھی ہیں، جس طرح اُمّیہ نواز گروہ قیامت کے دن شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بجائے یزید پلید کی روح سے اُمّید شفاعت رکھتا ہے، یعنی خارجی ٹولہ اُمّید شفاعت بھی اپنے محبوب قائد یزید سے رکھتا ہے۔ ہماری بھی یہ دعا ہے کہ احکم الحاکمین نہ صرف یہ کہ حشر میں خارجیوں کا حشر اُن کے محبوب لیڈر کے ساتھ کرے، بلکہ اُن کا حشر بھی وہی کرے، جو اُن کے قائدین فاسقین کا ہوگا۔

❁❁❁

(126)

آخر اقبالِ دیں بہ ادبار افتاد
صلحِ اقرار ہا بہ انکار افتاد
جمعیت سنت و جماعت کم شد
با رفضی و خارجی سروکار افتاد

ترجمہ:

آخرکار دین کی بلند بختی، بدبختی میں بدل گئی ہے اور اقرارِ حق سے پیدا ہونے والی صلح انکار پر

منتج ہوئی ہے۔ اہل سنت و جماعت کے اتحاد میں کمی رونما ہوئی، افسوس ہے کہ ملتِ اسلامیہ کو شیعوں اور خارجیوں سے نمٹنا پڑا۔

(127)

اے مغروراں کہ مستِ تخت و کُلہ اید
با درویشاں چرا حقارت نگہ اید
درِ ما و شما جز ایں چہ پست و چہ بلند
ما خاک شہ ایم اگر شما بادشہ اید

ترجمہ ومفہوم:

اے مغرور انسانو! تم اپنے تاج وتخت کے نشے میں مست اور بہکے ہوئے ہو۔ درویش منش اور فقیر طبع لوگوں کو حقارت کی نظر سے کیوں دیکھتے ہو؟ ہمارے اور تمہارے درمیان اس اعتباری پست و بلند (اُونچ نیچ) کے سوا کیا فرق ہے کہ ہم خاک شہ (مٹی کے شہ) اور تم بادشاہ (ہوا کے شہ) ہو۔ یعنی تم میں اور ہم میں یہی فرق ہے کہ ہم خاک کے شاہ ہیں۔ ہماری حکومت مٹی پر ہے یا مٹی پر بیٹھے ہیں اور تمہاری حکومت باد یعنی ہوا پر ہے۔ دوسرے الفاظ میں تمہاری حکومت ہوائی ہے آج یہاں کل وہاں، کبھی صبا کی طرح نرم اور کبھی طوفان کی طرح تیز۔

تشریح:

اس رباعی میں بادشاہ کی مناسبتِ لفظی کے تحت خاکِ شہ کی ترکیب استعمال کی گئی ہے۔ ہمارے یہاں بادشہ باءِ عربی کے ساتھ مستعمل ہے جب کہ اہل زبان باءِ فارسی یعنی پادشہ لکھتے ہیں، کیونکہ یہ لفظ پاد اور شہ کا مرکّب ہے پادتخت کے معنی میں آتا ہے، چونکہ پاد اصل میں پات تھا تائے فوقانی کو دال کے ساتھ بدل دیا گیا اور پات کا لفظ پاسبانی اور پائیدن، ٹھہرنے اور قرار پانے کے معنی

میں بھی آتا ہے۔ بہرحال اب پادشہ کم اور بادشاہ زیادہ مُستعمل ہے۔

مجھے اس رباعی سے ایک اور نکتہ بھی ملا، وہ یہ کہ اس میں تاج والوں کو باد (ہوا) کا نام دیا گیا اور درویشوں کو خاک (مٹی) کا۔ خاک کا تعلق چونکہ زمین سے ہوتا ہے، اس لیے وہ خاموشی کے ساتھ آغوشِ زمین میں پڑی رہتی ہے، زلفِ یار کی برہمی بتاتی ہے کہ فطرت نے صبا کے مزاج میں جو شوخیاں بھر دی ہیں، وہ انہیں بروئے کار لائے بغیر نہیں رہ سکتی۔ صحرا میں چل نکلے تو بے چاری مٹی کی خانہ ویرانی کا باعث بنتی ہے اور اگر کہیں موسم بہار میں سیرِ گُل اور تماشائے بُلبُل پر تُل جائے تو بقولِ مولانا اصغرؔ گونڈوی:

چمن میں چھیڑتی ہے کس مزے سے لالہ و گل کو
مگر بادِ صبا کی پاک دامانی نہیں جاتی

کہا یہ جا رہا تھا کہ جب کبھی دستِ صبا خاک کو جُنبش دیتا ہے تو وہ پستی سے اُٹھ کر آسمان کی بلندیوں کو چھُونے لگتی ہے۔ بیدلؔ یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ جس طرح ہوا چل کر پہلے خاک کے قدم چومتی ہے اور پھر اسے اپنے سر پر بٹھا کر بلندیاں بخشتی ہے، اسی طرح شاہوں کو چاہیے کہ وہ درویش سیرت، عاجز و مسکین خاک نشینوں کی نہ صرف عزّت کریں، بلکہ اُن کو اپنے سرو چشم پر جگہ دیں اور اُن سے اُلجھنے کی غلطی نہ کریں، اس لیے کہ جب کبھی ہوا مٹی سے ٹکر لیتی ہے، تو مٹی نہ صرف یہ کہ اُس کی آنکھوں میں پڑ کر اُسے اندھا کر دیتی ہے، بلکہ اُس کے صاف و شفاف اور لطیف اور نازک وُجُود کا حلیہ بھی بگاڑ کر رکھ دیتی ہے اور اُس کی لطافتِ فطری کو کثافت میں بدل دیا کرتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ پھر ہر متنفس (سانس لینے والا) اُس گرد آلود ہوا کو اپنی سانس کے لیے استعمال سے کتراتا اور گھبراتا ہے۔ مطلب یہ کہ اگر قدرت نے کسی کو مقام بادعطا فرمایا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ آدابِ خاک کو ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھے، اس لیے بھی کہ آخر کار اُسے بھی اسی خاک کی آغوش میں سونا ہے۔ بقولِ راقم الحروف:

در فرصتِ چند روزہ بے باک شُدیم
ہم در تگ و پوئے زیست چالاک شُدیم

آخر برسیدم بویرانۂ گور
از خاک بدر آمدہ در خاک شُدیم

ہم اس حیاتِ چندروزہ کی فرصت میں بے باک ہو گئے اور زندگی کی تگ و تاز میں چابکدست نظر آئے، بالآخر ہم قبر کے ویرانے تک پہنچ گئے، خاک سے نکلے اور پیوند خاک ہو کے رہے۔اگرچہ پانی، ہوا، آگ اور مٹی باعتبارِ تخلیق ایک ہی خالق کی مخلوق ہیں مگران چاروں میں سے ہرایک کا اپنا اپنا درجہ ومقام ہے، جس سے انکار ممکن نہیں۔

مردِ درویش میرزا بیدلؒ کی شانِ استغنا دیدنی ہے۔ یہ وہ مصنوعی اور ریاکارانہ استغنا نہیں، جس کا مظاہرہ اکثر وہی حضرات کرتے ہیں، جو درحقیقت احساسِ کہتری کا شکار ہوتے ہیں، بلکہ یہ وہ شانِ استغنا ہے، جو مقبولانِ خدا کو خصوصی طور پر عطا کی جاتی ہے۔اس کے اثرات وقتی اور زوال پذیر نہیں بلکہ دائمی اور لافانی ہیں اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ حضرت بیدلؒ نے مندرجہ بالا رباعی اُس زمانے میں کہی، جب شخصی حکومت تھی، جمہوریّت نام کو بھی نہ تھی اور پھر یہی نہیں کہ شاہجہان اور اورنگزیب عالم گیر کے عہدِ حکومت میں کہی، بلکہ دارالسلطنت دہلی میں بیٹھ کر کہی۔

❁❁❁

(128)

با شاہ ہر آنکہ التجایش باشد
تحقیر مُقَرَّباں خطایش باشد
حق را تُو چہ تعظیم بجا آوردی
تا نزد تو قدر اولیایش باشد

ترجمہ:

جوشخص بادشاہ کا (حقیقی) نیازمند ہو، اگر وہ اُس کے مُقَرَّبین کو بہ نگاہِ حقارت دیکھے، تو یہ اُس کی خطا ہوگی۔اے مخاطب! تو نے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے حقوق کہاں تک پورے کیے کہ تیرے دل

میں اُس کے دوستوں (اولیا) کی قدر ہو۔

تشریح:

مطلب یہ کہ جو انسان ذاتِ باری تعالیٰ کی تعظیم و ادب کا حق ادا نہ کر سکے، تو اس سے اُس کے مقبول بندوں کے حقوقِ تعظیم ادا کرنے یا اُن کی توقیر و عزّت بجالانے کی توقع بے سود ہے۔ جس طرح مقربینِ شہ کی تکریم و توقیر دراصل شاہ ہی کی عزّت و توقیر کی نشاندہی کرتی اور غمّاز ہوتی ہے، اسی طرح انبیا و اولیا کی تعظیم و تکریم میں بھی اُسی ذاتِ بزرگ و برتر کی تعظیم مضمر ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص شاہ سے محبت و عقیدت کا مدّعی ہے تو اُس کے دل میں اُن لوگوں کی کچھ نہ کچھ عزّت ہونی چاہیے جن کو شاہ نے مقرّب بنایا، کیونکہ مقرّبینِ شاہ کی توہین، دراصل شاہ ہی کی توہین ہے۔ لہٰذا مقرّبین کی عزّت و حرمت کا پاس و لحاظ رکھنا شاہ کے ایک سچے نیازمند کی حقیقی پہچان ٹھہرے گی، ورنہ وہ اپنے دعوٰی میں کاذب ہوگا۔

یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص ایک صفت کا احترام تو کرے، مگر اس کے دل میں موصوف کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ مثلاً: ایک آدمی صفت علم کو بہ نگاہِ عزت و احترام دیکھتا ہو، مگر جس شخص (یعنی عالم) میں یہ صفت پائی جاتی ہو، اس کی عزت نہ کرے، یا کسی فن سے محبت کرنے والا اس انسان سے نفرت کرے، جو اس فن کا ماہر ہو، اس کے اس رویے سے اس کے کذب اور تصنع کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ اس کے دل میں علم و فن کی کوئی وقعت ہی نہیں، اسی لیے تو وہ ان لوگوں کی عزت اور احترام میں پس و پیش کرتا ہے، جن کے سینے دولتِ علم و فن سے مالا مال ہیں۔ دوسری وجوہ کے علاوہ اس کی اہم وجہ یہ بھی ہے کہ وہ خود علم و فن کی صفت سے یکسر محروم اور کورا ہے، مگر اس کی محرومی سے صفتِ علم و فن کی اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

(129)

در هر راہے کہ مقتدا می استد
پیرو ، بے اختیار وا می استد
سیلاب بہر کجا سرش خورد بہ سنگ
ہر موج کہ باشد بہ قفا می استد

ترجمہ:

حضرت میرزا عبدالقادر بیدلؔ دہلوی قدس سرہٗ مندرجہ بالا رباعی میں مقتدی کے لیے اپنے مقتدا کے اتباع کو امرِ فطری قرار دیتے ہوئے ایک خوب صورت اور عملی (پریکٹیکل) مثال سے سمجھاتے ہیں کہ: جس راستے میں راہنما رُک جاتا ہے، مرید کو اُس کے پیچھے بے اختیار (آٹومیٹک) رُکنا پڑتا ہے، سیلاب کے پانی کو پتھر سے ٹکرانے کے سبب جہاں بھی رُکنا پڑے، تو اُس کے پیچھے آنے والی موجوں کی قطار کو فطری طور پر رُکنا ہی پڑتا ہے۔

(130)

از مکافاتِ عمل ایمن نباید زیستن
سر بُریدن ہائے ناخن عبرتِ دل خستن است

ترجمہ:

انسان کو اپنے کیے کا بدلہ ملنے سے بے فکر ہو کر نہیں رہنا چاہیے، اس لیے کہ ناخنوں کے سر کاٹنا، دل زخمی کرنے سے عبرت دلانے کے لیے ہوتا ہے۔

﴿حوالہ جات﴾

(1)

☆-**کلیات بیدل**،1/1111

☆-**ماہ نامہ طلوع مہر**،اسلام آباد،اکتوبر1998ء/ جمادی جمادالثانیہ-رجب1419ھ، ج1:ش4،ص22

(2)

☆-**کلیات بیدل**،1/403

☆-**ماہ نامہ طلوع مہر**،اکتوبر1998ء،/جمادی الثانیہ-رجب1419ھ،ج1:ش4،ص22 سہ ماہی **طلوع مہر**،ربیع الثانی۔جمادی الثانیہ1425ھ،ج5:ش2،ص9:سہ ماہی **طلوع مہر**، رجب-شعبان1427ھ،ج7:ش1[3]،ص12،13

☆-عالم سوز وساز......(اقبال،**بال جبریل**،لاہور،کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس،1935ء، اول،ص155)

(3)

☆-**کلیات بیدل**،1/583

☆-**ماہ نامہ طلوع مہر**،دسمبر1998ء/شعبان-رمضان[1419ھ]،ج1:ش6،ص20

(4)

☆-**کلیات بیدل**،1/176

☆-**ماہ نامہ طلوع مہر**،جنوری1999ء/رمضان-شوال[1419ھ]،ج1:ش7،ص20

☆-ویرزقه من حیث لا یحتسب (**القرآن**،3:65)

☆-بجز اس کے......(پیر صاحب کے مطبوعہ مجموعہ جات میں یہ قطعہ شامل نہیں)

(5)

☆-**کلیات بیدل**،1/251

☆-**ماہ نامہ طلوع مہر**،نومبر 1998ء،/رجب-شعبان 1419ھ،ج 1:ش 5،ص 13:
ماہ نامہ طلوع مہر،فروری 1999ء،/شوال-ذوالقعدہ 1419ھ،ج 1:ش 8،ص 20

☆-خیر الامور او سطها(**جامع صغیر**،**احیاء العلوم الدین**،**کنوز الحقائق**،بہ حوالہ،
احادیثِ مثنوی،بدیع الزمان فروزانفر،اُردو ترجمہ،ڈاکٹر محمد عبد اللطیف،لاہور،پیکجز لمیٹیڈ،
اگست 1975ء،ص 99)

☆-محبتوں میں قرینہ......(نامعلوم)

(6)

☆-**کلیات بیدل**،1/619

☆-**ماہ نامہ طلوع مہر**،مارچ 1999ء،/ذوالقعدہ-ذوالحجہ 1419ھ،ج 1:ش 9،ص 29

☆-دستار نداریم......(نامعلوم)

☆-چو سرو بے......(**کلیات بیدل**،1/346)

☆-نہد شاخ پر میوہ......

کلیات سعدی میں مکمل شعر یوں درج ہے:

تواضع کند ہوشمند گزیں
نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں

(سعدی شیرازی،شیخ،**کلیات سعدی**،بہ اہتمام محمد علی فروغی،تہران،انتشارات امیر کبیر،
1365 ش،پنجم،ص 297)

☆-از دوتا گشتن......(**کلیات بیدل**،1/251)

(7)

☆-**کلیات بیدل**،1/1012

☆-**ماہ نامہ طلوع مہر**،جولائی 1999ء،/ربیع الاوّل-ربیع الثانی [1420ھ]،ج 1:
ش 12،ص 28

☆-دی شیخ با چراغ......

کلیات شمس تبریزی میں دوسرا مصرع معمولی لفظی اختلاف سے یوں مرقوم ہے:

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دیو و دَد ملولم و انسانم آرزو ست

(رومی، مولانا جلال الدین محمد، **کلیات شمس تبریزی**، مرتب، بدیع الزمان فروزانفر، تہران، چاپخانہ سپہر، فروردین 1363 ش، ص 203)

(8)

☆-ڈاکٹر، خلیفہ عبدالحکیم نے اپنی کتاب **تشبیہات رومی** میں اس شعر کو غنی کشمیری سے منسوب کیا ہے۔ جب کہ **دیوان غنی کشمیری** میں یہ شعر موجود نہیں۔ **تشبیہات رومی** میں مصرعِ اول یوں درج ہے:

صحبت ناجنس گر جان بخشدت ایمن مباش

(خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر **تشبیہات رومی**، لاہور، ادارۂ ثقافت اسلامی، 2010ء، ص 40، 432)

☆-**ماہ نامہ طلوع مہر**، جولائی 1999ء/ ربیع الاوّل- ربیع الثانی [1420ھ]، ج 1: ش 12، ص 28

(9)

☆-**کلیات بیدل**، 1 / 363

☆-**ماہ نامہ طلوع مہر**، اگست 2000ء/ جمادی الاولیٰ 1421ھ، ج 2: ش 1 [ش 2]، ص 14

☆-وہ ایک سجدہ......

ضرب کلیم میں یہ شعر یوں مرقوم ہے:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

(اقبال، **ضرب کلیم**، لاہور، ڈاکٹر سر محمد اقبال، اول، س ن، ص ۳۲)

☆-شیخ پڑے محراب حرم......

کلیات غزلیات میر میں مصرع اول یوں ہے:

شیخ پڑے محراب حرم میں پہروں دوگانہ پڑھتے ہو

(میر تقی میر، **کلیات غزلیات میر**، مرتبہ، ڈاکٹر علی محمد خاں، لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، فروری 2013ء، ص 531)

(10)

☆-**کلیات بیدل**، 1/1048

☆-**ماہ نامہ طلوع مہر**، اگست 2000ء/ جمادی الاولیٰ 1421ھ، ج2: ش1[ش2]، ص14

(11)

☆-**کلیات بیدل**، 1/15

☆-**ماہ نامہ طلوع مہر**، اکتوبر 2001ء/ رجب 1422ھ، ج3: ش4، ص4-6

: سہ ماہی **طلوع مہر**، محرم۔ ربیع الاوّل 1429ھ، ج9: ش1، ص8-14

☆-و سیجنبها الاتقی الذی ...... (**القرآن**، 92:18-21)

☆-ثم رددنه اسفل سفلین......(**القرآن**، 95:5)

☆-کسبِ کمال کُن کہ عزیز......

شاعر کا نام معلوم نہیں ہوسکا البتہ مکمل شعر یوں ہے:

کسب کمال کن کہ عزیز جہان شوی
کز بے کمال نیرزد بہ نیم جوی

☆-گل کاغذ کو کس......

کلیات اکبر میں مصرعِ اول یوں مرقوم ہے:

گل تصویر کس خوبی سے گلشن میں لگایا ہے

(اکبر الہٰ آبادی، **کلیات اکبر**، لاہور، عبداللہ اکیڈمی، 2012ء، ص374)

☆-اَلَایَا اَیُّہَا السّاقی......(**کلیات اکبر**،ص386)

☆-سیّد القوم خاد مهم (الایماء الی زوائد الأمالی والأجزاء۔ رقم الحدیث: 392:**تاریخ بغداد**:الخطیب،10 / 187

امام عجلونی نے کشف الخفاء میں اس روایت کو متعدد طرق کی بنا پر حسن لغیرہ کہا ہے(1 / 463)

☆-هل جزاء الاحسان الا الاحسان ......(**القرآن**،60:55)

☆-اَلْمُؤ مِنُ مِراٰةُ المؤ من......(جامع صغیر للسیوطی، بہ حوالہ،**احادیث مثنوی**،ص64)

☆-چھپتا نہیں دنیا میں کوئی......

عرش ناز میں یہ مصرع اس طرح مرقوم ہے:

پیشانی پہ مکتوب ہیں اسرار قلوب

(**عرش ناز**،ص100)

(12)

☆-**کلیات بیدل**،1 / 227

☆-**ماہ نامہ طلوع مہر**،نومبر 2001ء/شعبان-رمضان 1422ھ،ج3: ش4[ش5]،ص4-8

☆-مسلمة لا شية فيها(**القرآن**،71:2)

☆-سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار ...... (**القرآن**،24:13)

☆-الذین تتوفهم الملائکة طیبین ......(**القرآن**،32:16)

☆-قال سلم علیك سا ...... (**القرآن**،47:19)

☆-سلم علی نوح فی العلمین...... (**القرآن**،79:37)

☆-وسلم علی المرسلین (**القرآن**،181:37)

☆- ألا لا تدخلون الجنة حتی تومنوا ...... **مسند احمد** :

(9، 97)، **ترمذی:**(2883)، **ابو داؤد:**(5193)، **صحیح مسلم:** (54)و(93)و(94)، **سنن ابن ماجه:** (68)

☆- قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یسلم الراکب ......

مسند امام احمد : (8312)، **ابو داؤد:**(5199)، **صحیح بخاری:**(6232)، **صحیح مسلم:** (2160) **البیهقی:**(9/203)

☆- یسلم الصغیر علی الکبیر و المار ...... **ترمذی:**(2901)، **سنن ابی داؤد:**(5198)، **صحیح بخاری:**(6231)

☆-ان رسول الله صلی الله علیه وسلم مرعلیٰ غلمان...... **صحیح بخاری:**(2168)، **البیهقی:**(216)

☆- للمسلم علی المسلم ستّ ......**مسند امام احمد بن حنبل:** (673)، **الترمذی:**(2736)، **الدارمی:**(2633) **ابن ماجه:** (1433)

☆- سلام روستائی جز......

محولہ بالا مصرع ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے۔عبدالباقی نہاوندی نے مآثر رحیمی جلد سوم میں یہ شعر انیسی شاملو کے تذکرے کے تحت لکھا ہے۔ پورا شعر یوں ہے:

صلوٰۃِ گربہ از روئے ورع نیست
سلام روستائی بے طمع نیست

مذکورہ بالا مصرع تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ اس طرح بھی ضرب المثل کی حیثیت رکھتا ہے:

سلام روستائی بے غرض نیست

(شیروانی، نواب رحمت اللہ خان، **آوارہ گرد اشعار** (فارسی)، پٹنہ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، 2003ء، دوم، ص 17)

☆- بے نیازانہ زار باب کرم......

یہ شعر طالب آملی کا ہے۔(طالب آملی، **کلیات اشعار ملک الشعرا طالب آملی**، بہ اہتمام

وتصحیح وتحشیہ، طاہری شہاب، تہران، کتب خانۂ سنائی، 1346[ش] ص 571)

☆-دلفریبان نباتی ہمہ زیور......(حافظ شیرازی، **دیوان حافظ**، ترجمہ، ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، س ن، ص 131)

☆-نعم الامیر علی باب الفقیر ...... **سنن ابن ماجه**:(1254)

☆-بر کفے جام شریعت بر کفے ......

یہ شعر شیخ سعدی شیرازی کا ہے۔(**کلیات سعدی**، ص 802)

☆-بدنام کنندہ نکونامے......

شیریں مغربی کی رباعی کا مصرع ہے. پوری رباعی اس طرح ہے:

نابردہ بصبح در طلب شامے چند
ننہادہ بروں ز خویشتن گامے چند
در کسوت خاص آمدۂ عامے چند
بدنام کنندۂ نیکو نامے چند

(**آوارہ گرد اشعار** (فارسی)، ص 7)

☆-ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لیس منامن تشبه ......
سنن ترمذی:(2695)

☆- اذالقی احدکم اخاه ...... **سنن ابی داؤد**:(5200)

☆-شیخ پڑے محراب حرم میں......(**کلیات غزلیات میر**، ص 531)

(13)

☆-**کلیات بیدل**، 1/ 30

☆-**ماہ نامہ طلوع مہر**، مئی- جون 1999ء/صفر- ربیع الاول 1420ھ، ج 1: ش 11، ص 20-30: **سہ ماہی طلوع مہر**، محرم- ربیع الاوّل 1423ھ، ج 3: ش 9، ص 5-17

☆-جو محتاج گدایاں چوں......

مثنوی مولائے روم میں یہ بیت اس ترتیب سے ہے:

بانگ می آید کہ اے طالب بیا

جود محتاج گدایاں چوں گدا

(رومی، مولانا جلال الدین، **مثنوی معنوی**، اُردو ترجمہ، قاضی سجاد حسین، لاہور، الفیصل، [9 ستمبر 1974ء]، 1/289)

☆-عشق بر حسن منتے......(نامعلوم)

☆-من ذالذی یقرض الله قرضا حسنا ...... (**القرآن**، 2:245)

☆-وعدۂ احساں......(**کلیات بیدل**، 1/699)

☆-یاایها الذین امنوا لا تبطلوا ...... (**القرآن**، 2:264)

☆-و فی اموالهم حق للسائل والمحروم (**القرآن**، 51:19)

☆-اے خوش آں......(**کلیات بیدل**، 1/506)

☆-چہ شد زباں......(**کلیات بیدل**، 1/992)

☆-بہ عالم کرم......(**کلیات بیدل**، 1/700)

☆-الید العلیا خیر من ...... **مسند امام احمد بن حنبل:** (4474)، **سنن ترمذی:** (2343)، **سنن ابی داؤد:** (1650)، **سنن نسائی:** (2531)، **صحیح بخاری:** (1427)، **صحیح مسلم:** (1033)

☆-خود بھیک دیں اور خود کہے......اس شعر کے خالق کا نام نہیں معلوم ہو پایا! البتہ اس کا مصرع یوں بھی معروف ہے:

خود بھیک دے اور خود کہے منگتے کا بھلا ہو

☆-فالذین امنوا منکم وانفقوا لهم اجر کبیر (**القرآن**، 57:7)

☆-فان من جودك الدنیا ...... (قادری، علامہ ابوالحسنات سیّد محمد احمد، مترجم و شارح، **طیب الوردہ-شرح-قصیدہ بُردہ**، لاہور، ضیا القرآن پبلی کیشنز،

مارچ 2002ء، ص 2388)

☆-وانفقوا مما رزقنهم سراو علانیة ...... (**القرآن**، 29:35)

☆-وضع آسائش......(**کلیات بیدل**، 1/1075)

☆-جلیل آساں نہیں آباد کرنا......(علی احمد جلیلی، مرتب، **کائنات جلیل**، دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، 1999ء، دوم، ص 81)

☆-شخص کرم از بسکہ حیا......

(**کلیات بیدل** میں یہ رباعی یوں مرقوم ہے:

شخص کرم از بسکہ صفا کیش تر است
ز اندیشۂ آب رخ درویش تر است
رسوائی احتیاج کس نتوان دید
آنرا کہ سخا بیش حیا بیش تر است

(**کلیات بیدل**، اسد 1342خ، 2/94)

چہار عنصر میں یہ رباعی یوں مرقوم ہے۔

شخص کرم از بسکہ وفا کیش تر است
ز اندیشۂ آب رخ درویش تر است
رسوائی احتیاج کس نتوان دید
آنجا کہ حیا بیش سخا بیش تر است

(**چہار عنصر**، مشمولہ **کلیات بیدل**، جوزا 1344خ، 4/204)

☆-جھکتے ہیں سخی وقت کرم......

مکمل شعر اس طرح ہے:

لیتے ہیں ثمر شاخ ثمرور کو جھکا کر
جھکتے ہیں سخی وقت کرم اور زیادہ

(ذوق، شیخ محمد ابراہیم، دیوان ذوق، لکھنؤ، نامی پریس، 1338ھ/1910ء، ص 71)

☆-آں جا کہ ظہور جود......

آغوش حیرت میں مصرعِ سوم میں لفظ پردہ کی جگہ چہرہ آیا ہے:

از چہرۂ ابر قطرہ ہا می ریزد

(نصیر، گیلانی، سید غلام نصیر الدین، **آغوش حیرت**، کراچی، کرماں والا پبلشرز، اول، اپریل 1982ء، ص 324)

☆-حائل کیا ابر کو دکھا کر...... (**رنگ نظام**، ص 631)

☆-دور دستاں را بہ احساں......

دیوان میں یہ شعر یوں درج ہے:

دور کردن را بہ احساں یاد کردن ہمت است

ورنہ ہر نخلے بپائے خود ثمر می افکند

(صائب تبریزی، میرزا، **دیوان صائب**، خطی، نڑالی، مخدومہ امیر جان لائبریری، ص 347)

علامہ شبلی نعمانی نے **شعر العجم** میں اس شعر کی وہی قراءت نقل کی ہے جو پیر صاحب نے درج کی ہے۔

(شبلی نعمانی، **شعر العجم**، لاہور، الفیصل ناشران کتب، جون 1999ء، 3/174)

☆-الذی جمع مالا و عددہ...... (**القرآن**، 2:104)

☆-حیف ازاں...... (**کلیات بیدل**، 1/1181)

☆-منکرِ مے بودن و ہمرنگ......

شاعر کا نام معلوم نہیں ہو سکا البتہ مکمل شعر یوں ہے:

وجد وضع بادہ اے زاہد چہ کافر نعمتے است

دشمن مے بودن و ہم رنگ مستاں زیستن

☆-کہ خواجہ خود روش......

دیوان حافظ میں مکمل شعر یوں درج ہے:

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن
کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند
(**دیوان حافظ**،ص116)

(14)

☆-مرد یکہ ہیچ جامہ......(**کلیات سعدی**،ص816)

☆-**سہ ماہی طلوع مہر**،ربیع الثانی-جمادی الثانیہ1423ھ،ج3:ش10،ص5-16

☆-هن لباس لكم و انتم لباس لهن (**القرآن**،187:2)

☆-يبنى ادم قد انزلنا عليكم لباسا ...... (**القرآن**،26:7)

☆-ازصحبت ھیز......(**کلیات بیدل**،141/2)

☆-نخست موعظت پیرے......

دیوان حافظ میں یہ شعر معمولی تفاوت کے ساتھ یوں درج ہے:

نخست موعظۂ پیر مے فروش اینست
کہ از معاشر ناجنس احتراز کنید
(**دیوان حافظ**،ص174)

کلام حافظ کی ایرانی اشاعت میں یہ شعر اس طور درج ہوا ہے:

نخست موعظۂ پیر صحبت این حرفست
کہ از مصاحب ناجنس احتراز کنید

(پرویز ناتل خانلری، بہ تصحیح ومقابلہ،**غزلہاے خواجہ حافظ شیرازی**،تہران،انتشارات سخن، آبان 1337 ش،ص65)

☆-البسوا من ثيابكم البياض فانها ...... **مسند امام احمد بن حنبل:** (2219)، **ترمذی:**(994)، **ابوداؤد:**(3878)، **سنن**

ابوداؤد:(4061)، **ابن ماجه**:(1472)

☆-عن جابر قال اتانا رسول الله صلی الله علیه وسلم۔ زائراً ......

صحیح ابن حبان:(5483)، **احمد**:(3/357)، **ابو داؤد**:(4062)، **والنسائی**:(8/183۔184)

☆-قال اُتیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی ثوب دون ...... **مسند امام احمد بن حنبل**: (15887)،(17229)، **الترمذی**:(2124)، **سنن ابی داؤد**:(4063)، **والنسائی**:(9484۔9486)، **صحیح ابن حبان**:(5416)،(5417)

☆-ان الله لا یحب کل مختال فخورا (***القرآن***،18:31)

☆-عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه علیه وسلم: من لبس ......**مسند امام احمد بن حنبل**: (5664)، **ابو داؤد**:(4029)،(4030)، **النسائی**:(9560)، **ابن ماجه**:(3606)

☆-تواضع زگردن فرازاں......

گدا گر تواضع کند خوئے اوست
ز گردن فرازاں تواضع نکوست

(**کلیات سعدی**،ص206)

☆-مرا طریق امیری نہیں فقیری......(**بال جبریل**،ص198)

☆-انماالاعمال بالنیات **مسند احمد** : (168)، **ترمذی**:(1742)، **ابوداؤد**:(2201)، **صحیح بخاری**:(1)، **صحیح مسلم**: (1907) **النسائی**:(1/58،6/158،7/13)

☆-بہ ہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش

یہ شعر تشبیی کاشانی کا ہے،نواب رحمت اللہ خان شیروانی نے مختلف کتب کے حوالوں سے

اسے یوں نقل کیا ہے:

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
کہ من آں قد موزوں می شناسم

ضرب المثل کے طور سے مصرع ثانی اس طرح مشہور ہے:

من انداز قدت را می شناسم

(**آوارہ گرد اشعار** (فارسی)، ص 21)

☆- **بہ درد و صاف ترا حکم......**

مولانا عبدالحکیم نشتر جالندھری کے مرتبہ ومترجمہ دیوان میں یہ شعر یوں ہی ہے جیسا کہ پیر صاحب نے نقل کیا ہے البتہ ایرانی اشاعت میں یہ شعر کچھ تفاوت کے ساتھ یوں درج ہوا ہے:

بہ درد و صاف ترا حکم نیست خوش در کش
کہ ہر چہ ساقی ما داد عین الطاف است

(**دیوان حافظ**، ص 47: **غزلہائے خواجہ حافظ شیرازی**، ص 9)

☆- **یک نخود......** (**کلیات بیدل**، **1**/417)

☆- **یک من علم رادہ......** (نامعلوم)

☆- **مار و کثر دم رہ گئے......**

کلیات اکبر میں دوسرے شعر کا مصرع ثانی دراصل اس منظومے کے چوتھے شعر کا دوسرا مصرع ہے۔ ذیل میں دونوں اشعار نقل ہیں:

خضر عنقا ہو گئے موذی بنے ہیں سد راہ
گر گئے سنگ نشاں سڑکوں پہ روڑے رہ گئے
شیخ صاحب چل بسے کالج کے لوگ ابھرے ہیں اب
اونٹ رخصت ہوگئے پولو کے گھوڑے رہ گئے

(**کلیات اکبر**، ص 278)

☆-نہ تھا، نہ ہے، نہ کوئی ان سا......(نامعلوم)

☆-من تشبه بقوم فهو منهم......**احمد** : (5114)، **سنن ابی داؤد**:(4033)، **البیهقی**:(1199)

☆-وقد حکی حکایة غریبة ولطیفه عجیبة ......(**مرقاة شرح مشکوٰة**، کتاب اللباس)

☆-کس ز مجنوں سوال قرآں......

عبدالرحمٰن خان شاکر نے **گلستان مسرت** میں یہ شعر قاسم انوار کا لکھا ہے۔

(شاکر، عبدالرحمٰن خان، **گلستان مسرت**، لاہور، مطبع گرامی، 1331ھ، ص267)

☆-احب الصّالحین و لست ...... (شعر)

☆-بزیور ہا بیارایند......(**کلیات سعدی**، ص597)

☆-حسینوں کے بدن......(نصیر، پیر سید نصیر الدین، **پیمان شب**، گولڑہ شریف، مہریہ نصیریہ پبلشرز، ربیع الاول 1428ھ/ مارچ 2007ء، چہارم، ص297)

☆-آنکس کہ ترا عزّ جہاں......

رباعیات سرمد میں پہلا مصرع یوں نقل ہوا ہے:

آنکس کہ ترا تاج جہاں بانی داد

(**رباعیات سرمد**، ترجمہ، محمد سلیم الرحمان، لاہور، شمس انصاری، خرم انصاری، 1994ء، ص66)

☆-تنم ز بند لباس......(**کلیات بیدل**، 1/ 218)

☆-از بے بصری ہوس......(**آغوش حیرت**، ص259)

☆-اذا المرء لم یلبس ثیابا ...... (شعر)

☆-وخیر لباس المرء ...... (شعر)

(15)

☆-**کلیات بیدل**، 1/ 369

☆-**سہ ماہی طلوع مہر**، رجب المرجب- رمضان المبارک 1423ھ، ج3:
ش9، [ش11]، ص5-16

☆-چھیڑ اچھی نہیں......شاعر کا نام معلوم نہیں ہو سکا البتہ مکمل شعر یوں ہے:

اپنے گلزاروں کی جا خیر منا باد بہار
چھیڑ اچھی نہیں ہم سوختہ سامانوں سے

☆-نہ چھیڑ اے نکہت......(انشا، انشاء اللہ خاں، **کلیات انشا**، مرتبہ، خلیل الرحمان داؤدی، لاہور، مجلس ترقی ادب، جولائی 1969ء، 1/259)

☆-گر بے خردے......

کلیات بیدل میں پہلا مصرع یوں درج ہے:

گر بیخردی ساز کند ہرزہ زبانی

(**کلیات بیدل**، 1/371)

مطبع صفدری بمبئی کے مطبوعہ دیوان میں یہ مصرعہ یوں نقل ہوا ہے:

گر بیخردی ساز کند ہرزہ در آئی

(بیدل، میرزا عبدالقادر، **دیوان بیدل**، بمبئی، مطبع صفدری، 1302ھ، ص91)

پیر جی نے خانہ فرہنگ ایران، راول پنڈی میں منعقدہ بیدل کانفرنس میں اپنے خطاب کے دوران یہ مصرع یوں ارشاد فرمایا تھا:

گر بے خردے ساز کند ہرزہ زبانے

☆-وعباد الرحمن الذين يمشون على الارض ......(**القرآن**، 63:25)

☆-والذين لا يشهدون الزور ......(**القرآن**، 72:25)

☆-زیر و بم ایں......(**کلیات بیدل**، 1/370)

☆-دمیکہ پیکر خوب......

یہ شعر کشفی کا ہے، صوفی تبسم نے **یک ہزار و یک سخن** میں اس بیت کو یوں نقل کیا ہے:

دمیکہ کہ صورت خوب تو آفرید خدا
گہے بروئے تو گہ سوئے خویش دید خدا

(صوفی تبسم، **یک ہزار و یک سخن**، لاہور، پیکجز لمیٹیڈ، س ن، [دوم]، ص 12)

☆-پہنچی ہے جو ترتیب......(نامعلوم)

☆-خوار یست بہر کج......(**کلیات بیدل**، 1/371)

☆-در ترک تامل......(**کلیات بیدل**، 1/370)

☆-بلبلاں را در چمن......

مکمل شعر اس طرح ہے:

عمر ہا شد کز تمنای بہار جلوہ ات
بلبلاں را در چمن ہر برگ گل دست دعا ست

(**کلیات بیدل**، 1/347)

☆-وفا کے دامن کو......(نامعلوم)

☆-جمعیت گوہر......(**کلیات بیدل**، 1/371)

☆-الم يك نطفة من منى يمنى ...... (**القرآن**، 37:75)

☆-نہیں معلوم کس......

رئیس امروہوی کا یہ شعر ان کے مجموعے میں کچھ اس طور شامل ہے:

نہ جانے کون سے سانچے میں ڈھالیں
ابھی تو صرف پگھلایا گیا ہوں

(رئیس امروہوی، **پس غبار**، کراچی، خورشید خاور امروہی، [1969]، ص 13)

☆-ز جیب ہر......(**کلیات بیدل**، 1/234)

☆-تاک را سر سبز دار......

یہ شعر [میرزا رضی] دانش کا ہے، صوفی تبسم نے **یک ہزار و یک سخن** میں اس بیت کو یوں نقل کیا ہے:

تاک را سیراب کن اے ابر نیساں در بہار
قطرہ تا مے می تواند شد چرا گوہر شود

(**یک ہزار و یک سخن**،ص12: **گلستان مسرت**،421)

☆-دام ہر موج...... (مہر، غلام رسول، مرتبہ، **دیوان غالب**، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، س ن، ص111)

☆-آسماں سے کوئی پوچھے......نصیر گیلانی، پیر سیّد نصیر الدین، **کلیات نصیر**، گولڑہ شریف، مہریہ نصیریہ پبلشرز، [جمادی الاولیٰ 1435ھ/ 2014ء]، اول، ص1286

☆-اے بسا ابلیس......

مثنوی معنوی میں یہ شعر لفظی تفاوت کے ساتھ یوں مرقوم ہے:

چوں بسے ابلیس آدم روئے ہست
پس بہر دستے نشاید داد دست

(**مثنویِ معنوی**، 1/ 62)

☆-کہہ رہا ہے شور......

یہ شعر ناطق لکھنوی کا ہے، محمد شمس الحق نے اردو کے ضرب المثل اشعار میں یہ بیت لفظی تفاوت کے ساتھ یوں نقل کیا ہے:

کہہ رہا ہے شور دریا سے سمندر کا سکوت
جس کا جتنا ظرف ہے اتنا ہی وہ خاموش ہے

(**اردو کے ضرب المثل اشعار**، ص113: ایودھیا پرساد گولیہ، **شعر و سخن**، دہلی، بھارتیہ گیان پیٹھ، 1999ء، 2/ 273)

☆-از عاجزیِ من......(**کلیات بیدل**، 1/ 370)

☆-اہل را صحبت......

عبد الرحمٰن خان شاکر نے **گلستان مسرت** میں اس شعر کو بینش کا لکھا ہے۔

(**گلستان مسرت**، ص498)

☆-خصال ہم نشیں......

کلیات سعدی میں شعر یوں مرقوم ہے:

کمال ہمنشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(**کلیات سعدی**، ص30)

گلستان سعدی میں پہلا مصرع یوں منقول ہے:

جمال ہمنشین در من اثر کرد

(سعدی شیرازی، شیخ، **گلستان**، اردو ترجمہ، قاضی سجاد حسین، ملتان، مکتبۂ امدادیہ، [31 جولائی 1952ء/8 ذوالقعدہ 1371ھ]، ص10)

☆-از مدرسہ دم......(**کلیات بیدل**، 1/370)

☆-فبعث الله غرابا یبحث فی الارض ......(**القرآن**، 5:31)

(16)

☆-**کلیات بیدل**، 2/167

☆-**سہ ماہی طلوع مہر**، شوال المکرّم-ذوالحجہ 1423ھ، ج3: ش10، [ش12]، ص5-10

☆-ان کل شیء خلقنه بقدر ......(**القرآن**، 54:49)

☆-والقمر قدرنه منازل ...... (**القرآن**، 36:39-40)

☆-فانا نجزم به بعد ......

☆-الحدس هو انتقال......

☆-سادگی جنس چو......(**کلیات بیدل**، 1/543)

☆-گر آبرو بود......(**کلیات بیدل**، 1/52)

☆-کار پاکان را......

مثنوی میں مصرعِ ثانی یوں درج ہے:

گرچہ باشد در نوشتن شیر و شِیر

(**مثنویِ معنوی**،1/58)

☆-بے تمیزاں ہمہ......(**کلیات بیدل**،1/1086)

☆-بدنیست اثر......(**آغوش حیرت**،ص323)

☆-چوں سایہ چند......

کلیات بیدل میں مندرجہ محولہ شعر یوں مرقوم ہے:

چو سایہ چند بہر خاک جبہہ سودن ہا

کہ زنگ بخت نگردد کم از دودن ہا

(**کلیات بیدل**،1/52)

متن میں مرقوم بیت کی پیر صاحب نے اپنے زیرِ مطالعہ کلیات میں اس کی اصلاح فرمائی ہے۔مزید حوالہ کے لیے دیوان بیدل دیکھیں،اس میں بھی مصرع دوم یوں مرقوم ہے:

کہ زنگ بخت نگردد کم از زدودن ہا

(**دیوان بیدل**،ص32)

☆-کسی کی زلف میں......

گل صحرا میں اس بیت کا مصرع اول یوں ہے:

کسی کی زلف میں ہوتی تو حسن کہلاتی

(آغا ضیا،**گل صحرا**،تحقیق وتدوین،امجد اقبال،واہ کینٹ،**قلم کار بیٹھک**،2010ء،ص120)

☆-موج وکف مشکل......(**کلیات بیدل**،1/366)

☆-طبع شہوت نسب......(**کلیات بیدل**،1/431)

☆-خامہ ہر چند دود لیک......(غنی کشمیری،**دیوان غنی کشمیری**،تہران،بہ کوشش احمد کرمی، 1362،اول،ص73)

☆-نمی آید بہ کار اسباب......(نا معلوم)

☆-می رسد روزی بہر کس در......(**دیوان غنی کشمیری**،ص118)

☆-مرے خیال میں دنیا اجڑ......(نا معلوم)

☆-بے ز استعداد بر کانے......(**مثنوی معنوی**،6/424)

☆-ہمچو عنینے کہ بکرے......(**مثنوی معنوی**،6/424)

☆-چوں چراغے بے ززیت......(**ایضاً**)

☆-در گلستان اندر آید......(**ایضاً**)

☆-ہمچو خُو بے دلبرے مہمان......(**ایضاً**)

☆-ہمچو مرغ خاک کاید......(**ایضاً**)

☆-آسیائے چرخ بر......(**مثنوی معنوی**،6/425)

☆-لیک با، باگند ماں......(**ایضاً**)

☆-اول استعداد جنت......(**ایضاً**)

☆-طفل نَو را از شراب واز ......(**ایضاً**)

☆-حد ندارد ایں مثل کم......(**ایضاً**)

☆-و حملها الانسان (**القرآن**،72:33)

☆-بر زمینیکہ نشان کف پائے......(**دیوان حافظ**،ص102)

☆-داریت قوما فی هواك (نامعلوم)

☆-بہ یوسف می تواں بخشید جرم......

مکمل شعر یوں ہے:

ندارد از اوضاع مردم دیدہ حق بیں

بہ یوسف می تواں بخشید جرم کاروانے را

(**دیوان صائبؔ** میں یہ شعر موجود نہیں ہے)

(17)

☆-**کلیات بیدل**،1/ 52

☆-**سہ ماہی طلوع مہر**،محرم الحرام-ربیع الاوّل 1424ھ،ج4:ش 11،[ش 1]،ص 5-9

☆-صورت شمشیر ہے......(**بال جبریل**،ص 136)

☆-یاایها الذین امنوا اتقوا الله ...... (**القرآن**،18:59)

☆-یقیں ہے محشر میں......(نامعلوم)

☆-میری لغزشوں پہ نہ......(نامعلوم)

☆- یک صواب بہ بیند......(نامعلوم)

☆-من رای عورة ......**مسند** : (17331)، **سنن ابی داؤد**:(4891)، **النسائی**:(7242)، **صحیح مسلم**: (2699)

☆-برجوہر حیا......(**کلیات بیدل**،1/ 597)

☆-بہ بند چشم خود......

دیوان صائب میں یہ شعر یوں درج ہے:

بپوش چشمِ خود از عیب مرد ماں صائب

ترا کہ نیست میسر برہنہ پوشیدن

(**دیوان صائب**،ص 585)

☆-دل بے نوا......(**کلیات بیدل**،1/ 438)

(18)

☆-**کلیات بیدل**،1/ 556

کلیات بیدل میں مصرعِ اوّل یوں مرقوم ہے:

بہ عافیت نیم ایمن ز آفتی کہ کشیدم

☆-**سہ ماہی طلوع مہر**،ربیع الثانی-جمادی الثانیہ 1424ھ،ج4:ش 12[ش 2]،ص 5-7

☆-آئی بھی اور گزر......(اشک رام پوری، **رنگِ اشک**، اسلام آباد، لیفٹیننٹ کرنل نذیر احمد، س ن، اول، ص123: اشک رام پوری، **درفشانیٔ اشک**، مرتب، راز گجراتی، گجرات، محفل راز، جنوری2003ء، ص111)

مطبوعہ مجموعۂ ہائے کلام میں اشک کا درج ذیل شعر شامل نہیں:

اب اس کا کیا علاج کہ اے مرگ ناگہاں!
ارمان دل میں اس ستم آرا کے رہ گئے

☆-بہ داغِ یاد ہائے......

دیوان غنیمت میں شعر یوں درج ہے:

بیاد داغ ہائے کہنہ دل دارد تماشائے
بود سیرِ چمن طاؤس را برگشتہ دیدن ہا

(غنیمت کنجاہی، **دیوان غنیمت**، لاہور، فرمان اینڈ سنز، س ن، ص2)

☆-یادِ ماضی عذاب......(اختر انصاری دہلوی، **آبگینے**، لاہور، ادارہ فروغ اردو، 1961ء، ص110)

☆-مے خوردنِ من نہ......

رباعیات عمر خیام میں یہ رباعی یوں درج ہے:

می خوردن من نہ از برای طرب است
نہ بہر نشاط و ترک دین و ادب است
خواہم کہ دمی ز خویشتن باز رہم
مَے خوردن و مست بودنم زان سبب است

(جعفری، سیّد اصغر علی شاہ، مرتب و مترجم، **رباعیات عمر خیام**، لاہور، مکتبۂ دانیال، س ن، ص74)

☆-مے سے غرض......(**مہر، دیوان غالب**، ص181)

☆-الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (**القرآن**، 28:13)

☆-نہ دولت سے نہ......(یہ شعر مہر محمد ہمدم کا ہے مگر اس کا حوالہ نہیں مل سکا)

(19)

☆-**کلیات بیدل**، 1/247

☆-**سہ ماہی طلوع مہر**، رجب المرجب-رمضان المبارک 1424ھ، ج4:
ش13، [ش3]، ص5-7

☆-ستم است اگر ......(**کلیات بیدل**، 1/84)

☆-پئے نافہ ہائے......(**ایضاً**)

☆-من عرف نفسه......

(یحیٰی ابن معاذ بن جعفر الرازیؒ کا کلام ہے۔ **ابن حجر الہیثمی کے فتاوٰی میں درج ہے۔**(1/677)

☆-ہرگز دلِ من زعلم......

رباعیات عمر خیام میں مصرع سوم یوں مرقوم ہے:

ہفتاد و دو سال فکر کردم شب و روز

(**رباعیات عمر خیام**، ص125)

☆-خودی کفر است......

شاعر کا نام معلوم نہیں ہوسکا البتہ مکمل شعر یوں ہے:

خودی کفر است نفیِ خویش کن زود
کہ جز حق در حقیقت نیست موجود

☆-در زندگی مطالعۂ ......(**کلیات بیدل**، 1/846)

☆-حیات میں ہے غنیمت......(**پیمان شب**، چہارم، ص300)

(20)

☆-**کلیات بیدل**، 1/33

☆-**سہ ماہی طلوع مہر**، شوال المکرّم-ذوالحجہ 1424ھ، ج4:ش14، [ش4]، ص5،6

(21)

☆-**کلیات بیدل**،1/ 277

☆-**سہ ماہی طلوعِ مہر**،شوال المکرّم-ذوالحجہ 1424ھ،ج4:ش14،[ش4]،ص6-8

☆-اُٹھو مری دنیا کے......(**بالِ جبریل**،ص149)

☆-حیاتم قلزمِ صد......(**آغوشِ حیرت**،ص384)

(22)

☆-**کلیات بیدل**،1/ 32

کلیات بیدل میں مصرعِ ثانی یوں مرقوم ہے:

تبِ شوقِ کسے در رقص دارد نبضِ دریا را

☆-**سہ ماہی طلوعِ مہر**،شوال المکرّم-ذوالحجہ 1424ھ،ج4:ش14،[ش4]،ص8،9

☆-کہاں ساحل پہ......(نصیر،سید نصیر الدین،**پیمانِ شب**،گولڑہ،گیلانی پبلشرز،
1983ء،اول،ص53)

☆-ہے کون برلبِ ساحل......(**عرشِ ناز**،ص62)

(23)

☆-**رقعاتِ بیدل**،مشمولہ،کلیات بیدل،4/ 23

☆-**ماہ نامہ طلوعِ مہر**،اسلام آباد،اپریل1999ء/ذوالحجہ-محرم الحرام1420ھ،ج1:
ش10،ص14 **سہ ماہی طلوعِ مہر**،ربیع الثانی-جمادی الثانیہ1425ھ،ج5:ش2،
ص5-7 **سہ ماہی طلوعِ مہر**،رجب-شعبان1427ھ،ج7:ش1[3]،ص8-10

☆-ہیچ قومے را خدا......

مثنوی معنوی میں یہ بیت اس ترتیب سے ہے:

تا دل مرد خدا نامد بہ درد
ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد

(مثنوی معنوی،2/293)

☆-اولیائی تحت قبائی لا یعرفھم سوائی. (کشف المحجوب،بحوالہ، احادیث مثنوی،ص120)

☆-خاکسارانِ جہاں را......

اس شعر کونواب رحمت اللہ خاں شیروانی نے اوحدی مراغہ ای کے تذکرے میں لکھا ہے۔

(آوارہ گرد اشعار(فارسی)،ص12)

☆-ممکن ہے جی اٹھے......(رنگ نظام،ص430)

(24)

☆-کلیات بیدل،1/408

کلیات بیدل میں مصرعِ ثانی یوں مرقوم ہے:

ترقّی بہ قدرِ تنزّل کند

☆-سہ ماہی طلوع مہر،ربیع الثانی-جمادی الثانیہ1425ھ،ج5:ش2،ص7،8

سہ ماہی طلوع مہر،رجب-شعبان1427ھ،ج7:ش1[3]،ص10،11

☆- من تواضع للّٰہ رفعه اللّٰہ **احمد**: (2/235و386و438)، **ترمذی**:(2029)، **صحيح مسلم**:(2588)، البيهقی:(4/187)و (8/162)و 10/235)، **الدارمی**:(1/396)

☆-الذين هم يرآء ون (القرآن،6:107)

(25)

☆-کلیات بیدل،1/1088

کلیات بیدل میں مصرعِ ثانی یوں مرقوم ہے:

بر عضوہا گراں نیست ، بالا نشینی از مُو

☆-سہ ماہی طلوع مہر،ربیع الثانی۔جمادی الثانیہ1425ھ،ج5:ش2،ص8

سہ ماہی **طلوعِ مہر**، رجب-شعبان 1427ھ، ج7:ش1[3]، ص11، 12

☆-باخبر شو از......

جاوید نامہ میں یہ شعر اس ترتیب سے ہے:

آدمیّت احترام آدمی
باخبر شو از مقام آدمی

(اقبال، **جاوید نامہ**، لاہور، اول، س ن، ص242)

(26)

☆-**کلیاتِ بیدل**، 1/433

☆-سہ ماہی **طلوعِ مہر**، شوال المکرّم-ذوالحجہ 1427ھ، ج7:ش2[ش4]، ص7، 8

☆-خوشی کو آنے دیتی ہے......(نامعلوم)

(27)

☆-**کلیاتِ بیدل**، 1/260

☆-سہ ماہی **طلوعِ مہر**، شوال المکرّم-ذوالحجہ 1427ھ، ج7:ش2[ش4]، ص8، 9

(28)

☆-**کلیاتِ بیدل**، 1/1047

کلیاتِ بیدل میں مصرعِ ثانی یوں مرقوم ہے:

از بحر و بے قراری از ساحل آرمیدن

☆-سہ ماہی **طلوعِ مہر**، شوال المکرّم-ذوالحجہ 1427ھ، ج7:ش2[ش4]، ص9-11

☆-الفقر فخری (**سفینۃ البحار**، بحوالہ، **احادیثِ مثنوی**، ص34)

☆-لاخوف علیهم ولا هم یحزنون (**القرآن**، 2:62)

☆-میں بے نیازِ زیست......(نامعلوم)

(29)

☆-**کلیاتِ بیدل**، 1/770

☆-سہ ماہی **طلوع مہر**،شوال المکرّم-ذوالحجہ 1427ھ، ج8:ش2[ش4]،ص11-13

☆-جو کبھی قُرب تام......پیر جی کا یہ شعر مطبوعہ مجموعہ ہائے کلام میں شامل نہیں.

☆-نہ موسیٰ گفتن......

آتش کدۂ وحدت میں مصرع اول یوں درج ہے:

نہ موسیٰ گفتن آنجا و نہ فرعون

(مستان شاہ کابلی، سیّد، **آتش کدۂ وحدت**، پشاور، محمد فاروق احدی، س ن، ص133)

☆-وہ کرے یاد تمھیں......(جوش ملیح آبادی)

(30)

☆-**کلیاتِ بیدل**، 1/651

☆-سہ ماہی **طلوع مہر**،محرم الحرام-ربیع الاوّل 1428ھ، ج7:ش1،ص5

☆-من صمت ...... **مسند امام احمد بن حنبل**: (6481)،

ترمذی:(2501)، **الدارمی**:(2/299)

☆-دو چیز طیرۂ عقل......(**کلیاتِ سعدی**، ص32)

(31)

☆-**کلیاتِ بیدل**، 1/1147

کلیاتِ بیدل میں مصرعِ اوّل یوں مرقوم ہے:

ما بہ تعظیم از سرِ بُنیاد خود برخواستیم

مذکورہ بالا مصرعے میں ''برخواستیم'' یقیناً کتابت کی غلطی ہے۔ برخواستیم کی جگہ برخاستیم ہونا چاہیے۔

☆-سہ ماہی **طلوع مہر**،محرم الحرام-ربیع الاوّل 1428 ھ، ج8:ش1،ص5-8

☆-فروتنی ست دلیلِ رسیدگانِ......

(یہ شعر میرزا صائب تبریزی کا ہے جب کہ **دیوان صائب** میں موجود نہیں)

(32)

☆-کلیات بیدل، 1 / 622

☆-سہ ماہی **طلوع مہر**، رجب - رمضان 1428 ھ، ج8: ش3، ص6-8

☆-عذاب دوزخ کے ڈر ......(نامعلوم)

(33)

☆-**کلیات بیدل**، 1 / 641

☆-سہ ماہی **طلوع مہر**، رجب - رمضان 1428 ھ، ج8: ش۳، ص8، 9

(34)

☆-**کلیات بیدل**، 1 / 651

☆-سہ ماہی **طلوع مہر**، رجب - رمضان 1428 ھ، ج8: ش3، ص9، 10

☆-سمجھ حقیر نہ ان......(سیماب اکبر آبادی، **کلیم عجم**، آگرہ، قصر الادب، 1936ء، اول، ص242)

(35)

☆-عبدالرحمٰن خان شاکر نے **گلستان مسرت** میں اس شعر کو بیدل کا لکھا ہے، جب کہ کلیات بیدل میں یہ شعر موجود نہیں۔

(**گلستان مسرت**، ص508)

☆-سہ ماہی **طلوع مہر**، شوال - ذوالحجہ 1428 ھ، ج8: ش4، ص9-11

☆-عارفاں جمع نکردند......

کلیات سعدی میں مکمل شعر اس طرح ہے:

آں کس از دزد بترسد کہ متاعی دارد
عارفاں جمع بکردند و پریشانی نیست

(**کلیات سعدی**، ص708)

☆-الذی جمع مالا و عددہ (**القرآن**،2:104)

☆-میراث نہ مفلس......(**رنگ نظام**،ص316)

(36)

☆-**کلیات بیدل**،1/367

☆-**سہ ماہی طلوع مہر**،شوال-ذوالحجہ 1428ھ،ج8:ش4،ص11

☆-اے کہ خود را در دلِ ما......

دیوان صائب میں محولہ بالا شعر یوں درج ہے:

آنکہ خود را در دل ما زشت منظر دیدہ ای
رنگ خود را چاردہ آئینہ ما زرد نیست

(**دیوان صائب**،ص141)

(37)

☆-**کلیات بیدل**،1/617

☆-**سہ ماہی طلوع مہر**،شوال المکرّم-ذوالحجہ 1428ھ،ج8:ش4،ص13-15

☆-بے خطر کود پڑا......(اقبال،**بانگ درا**،لاہور،مقبول عام پریس،ستمبر 1926ء،دوم، ص318)

☆-فاذا عزمت فتوکل علی اللہ (**القرآن**،3:159)

☆-باہر کمال اند کے......(**کلیات بیدل**،1/745)

(38)

☆-کلیات بیدل،1/38

☆-**سہ ماہی طلوع مہر**،ربیع الثانی-جمادی الثانیہ 1429ھ،ج9:ش2،ص7،8

☆-محبت خیر مطلق...... (یہ شعر **کلیات حسرت** میں نہیں ملا)

☆-خاکے کہ بزیر پائے......

رباعیات عمر خیام میں یہ رباعی یوں درج ہے:

خاکی کہ زیرِ پائے ہر نادانی است
کفِ صنمی و چہرۂ نادانی است
ہر خشت کہ بر کنگرۂ ایوانی است
انگشتِ وزیر یا سرِ سلطانی است

(**رباعیات عمر خیام**،ص67)

(39)

☆-**کلیات بیدل**،1/5

☆-**سہ ماہی طلوع مہر**،ربیع الثانی-جمادی الثانیہ1429ھ،ج9:ش2،ص9-11

☆-چوں شمع بود منزل ما......

دیوان غنی کشمیری میں مصرع دوم یوں ہے:

از پا نشستہ ایم و بمنزل رسیدہ ایم

(**دیوان غنی کشمیری**،ص135)

☆-جستجو کرتے ہی کرتے......

کلیات بیدم وارثی میں شعر مندرجہ ذیل صورت نقل ہے:

جستجو کرتے ہی کرتے کھو گیا
اُن کو جب پایا تو خود گم ہو گیا

(بیدم وارثی،**کلیات بیدم وارثی**،عبداللہ اکیڈمی،لاہور،2012ء،ص290)

☆-آں را کہ خبر شد،......(**گلستان**،ص8)

کلیات سعدی میں یہ مصرع یوں مرقوم ہے:

کہ آں را کہ خبر شُد خبری باز نیامد

(**کلیات سعدی**،ص30)

☆-کل من علیها فان (**القرآن**،26:55)

☆-ہر آنکہ زاد بنا......(نامعلوم)

☆-سچ پُوچھئے تو نام......(نامعلوم)

☆-پردۂ ہستیِ موہوم......

مصحف بیدم میں یہ شعر یوں مرقوم ہے:

پردۂ ہستی موہوم ہٹا دو پہلے
پھر جہاں چاہو وہاں یار کو دیکھا کرنا

(بیدم شاہ وارثی، **مصحف بیدم**،لکھنؤ، خورشید بک ڈپو، 1984ء،ص113)

☆-قطرہ ونج پیادریاوے......

سیف الملوک کی پہلی اشاعت میں پہلا مصرع یوں درج ہے:

قطرہ ونج پیا دریاوے تاں اوہ کون کہاوے

(محمد بخش، میاں، **سیف الملوک**،جہلم، یونیورسل پریس، 1287ھ،اوّل،ص28)

(40)

☆-**کلیات بیدل**،176/1

☆-نصیؔر، پیر سیّد نصیر الدین، گولڑہ شریف، **غیر مطبوعہ**

(41)

☆-**کلیات بیدل** میں مصرعِ اوّل یوں مرقوم ہے:

ہرزہ گرد از صحبتِ صاحبِ نظر گیرد حیا

(**کلیات بیدل**،674/1)

☆-نصیؔر، **غیر مطبوعہ**

☆-پانی پانی کر گئی مجھ کو......(**بال جبریل**،ص48)

(42)

☆-کلیات بیدل میں شعر یوں مرقوم ہے:

با ہر کمالت اندکے دیوانگی خوش است
گیرم کہ عقل کُل شدہ ای ، بے جنوں مباش

(**کلیات بیدل**،745)

علامہ اقبالؒ نے بھی اپنی نظم **مذہب** میں بیدلؒ کے مندرجہ ذیل شعر کو ہی تضمین کیا:

با ہر کمال اندکے آشفتگی خوش است
ہر چند عقلِ کُل شدہ ای ، بے جنوں مباش

(**بانگ درا**،ص278)

☆-نصیؔر، **غیر مطبوعہ**/نصیر، پیر سیّد نصیر الدین ،**طریق الفلاح فی مسئلۃ الکفو للنکاح**، گولڑہ، مہریہ نصیریہ پبلشرز، 2009ء، اوّل، ص104

☆-اچّھا ہے دل کے پاس......(**بانگ درا**،ص112)

☆-مقام ہوش پہ رک جائیں......(نامعلوم)

☆-بے خطر کود پڑا آتش نمرود......(**بانگ درا**،ص318)

(43)

☆-**کلیات بیدل**،1/1024

☆-نصیؔر، **غیر مطبوعہ**

☆-ترے کمال ستم کی یہ......(**مصحف بیدم**،ص120)

☆-اسد ہر جا سخن نے......(مہر، **دیوان غالب**،ص371)

☆-مجھے راہ سخن میں خوف......(مہر، **دیوان غالب**،ص372)

☆-سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں......

مکمل شعر یوں ہے:

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

(مہر، **دیوان غالب**، ص292)

☆-میں بعد مرگ بھی بزم وفا میں......

سیماب کے اس شعر کا دوسرا مصرع اُن کے مجموعۂ کلام **کلیم عجم** میں یوں درج ہے:

تلاش کر میری محفل مرا مزار نہ پوچھ

(**کلیم عجم**، ص257)

(44)

☆-**کلیات بیدل**، 1/342

☆-نصیؔر، **غیر مطبوعہ**

☆-فالهمها فجورها و تقوها (**القرآن**، 8:91)

(45)

☆-**کلیات بیدل**، 1/401

☆-نصیؔر، **غیر مطبوعہ**

(46)

☆-**کلیات بیدل**، 1/176

☆-نصیؔر، **غیر مطبوعہ**

☆- اذا کثر ا لهام فنبهونی...... (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ)

☆- اذا کثرالکلام فسکتونی ...... (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ)

(47)

☆-**کلیات بیدل**، 1/1010

☆-نصیؔر، **غیر مطبوعہ**

☆-انه لا یحب المستکبرین (**القرآن**،23:16)

(48)

☆-**کلیات بیدل**،1/898

☆-نصیرؔ، **غیر مطبوعہ**

☆- میں زہر ہلاہل کو کبھی ......

مکمل شعر اس طرح ہے:

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا کند

(**بالِ جبریل**،ص 37)

(49)

☆-**کلیات بیدل**،1/296

☆-نصیرؔ، **غیر مطبوعہ**

☆- نہ رہید از امل تجرّد ......(**کلیات بیدل**،1/60)

☆- کہ کرد قطعِ تعلّق کُدام ......(نامعلوم)

(50)

☆-**کلیات بیدل**،1/307

☆-نصیرؔ، **غیر مطبوعہ**

☆- جملہ عالم آکل ......

مکمل شعر اس طرح ہے:

جملہ عالم آکل و ماکول داں
باقیاں را مقبل و مقبول داں

(**مثنوی معنوی**،3/17)

(51)

☆-**کلیات بیدل**، 1/ 278

☆-نصیؔر، **غیر مطبوعہ**

☆-خموشی معنی ای دارد کہ در گفتن......

شاعر کا نام معلوم نہیں ہوسکا البتہ مکمل شعر اس طرح ہے:

بہ طبعم ہیچ مضمون بہ ز لب بستن نمی آید
خموشی معنی ای دارد کہ در گفتن نمی آید

(**گلستان مسرت**، ص536)

☆-بیکار ہے محو قصّہ خوانی......(**رنگ نظام**، ص328)

☆-انسان کے احوال کی دنیا ہے......(**رنگ نظام**، ص484)

(52)

☆-**کلیات بیدل** میں مصرعِ اوّل یوں مرقوم ہے:

بیدؔل بہ دو روزہ وہم مغرور مباش

(**کلیات بیدل**، 2/ 252)

☆-نصیر، گولڑوی، پیر سیّد نصیر الدین، **لطمۃ الغیب علیٰ ازالۃ الریب**، گولڑہ، ادارہ طلوع مہر، محرم الحرام 1424ھ/ مارچ 2003ء، اول، ص16 /نصیؔر، **غیر مطبوعہ**

☆-کن فی الدنیا کانك غریب ...... **ترمذی**:(2333)، **صحیح بخاری**:(6416)، **البیهقی**:(10246)، **سنن ابن ماجه**: (4114)

(53)

☆-**کلیات بیدل**، 1/ 365

☆-نصیؔر، **غیر مطبوعہ**

☆-والجبال اوتادا (**القرآن**، 7:78)

(54)

☆-**کلیات بیدل**،1/398

☆-**نصیؔر، غیر مطبوعہ**

☆-ایں جا نہ فغانی و بیانی......

کلیات بیدل میں یہ رباعی یوں منقول ہے:

تحقیق طلسم بے زبانی شدن است
ایں جا نہ بیانی نہ فغانی شدن است
خاموشی بے دلاں اثر ہا دارد
بے حرف شدن عینِ معانی شدن است

(چہار **عنصر، مشمولہ، کلیات بیدل**،4/146)

(55)

☆-**کلیات بیدل**،1/907

☆-**نصیؔر، غیر مطبوعہ**

☆-در دشت جنون من،......(اقبال، **پیام مشرق**،لاہور، کریمی پریس،1924ء،دوم،ص166)

(56)

☆-**کلیات بیدل** میں مصرعِ دوم یوں مرقوم ہے:

سر بسنگ تا نخورد ، اندکے خمیدہ بیا

(**کلیات بیدل**،1/20)

☆-**نصیؔر، غیر مطبوعہ**

☆-ستیزہ کار رہا ہے ازل سے......(**بانگ درا**،ص249)

☆- التکبر مع المتکبر صدقة

☆-الا ان اولیاء الله لا خوف علیهم ...... (**القرآن**،10:62)

(57)

☆-**کلیات بیدل**،1/277

☆-نصیرؔ، **غیر مطبوعہ**

☆-اب تو گھبرا کے یہ......(ذوق، شیخ محمد ابراہیم، **دیوان ذوق**، دہلی، لالا رگھبر دیال، س ن، ص80)

☆-کتنا ہے بدنصیب ظفر......(شاہد علی خان، مرتبہ، **انتخاب ظفر**، دہلی، نیوتاج آفس، دسمبر 1960ء، ص15)

☆-چہ شد اطلسِ......(**کلیات بیدل**،1/1184)

☆-کہ کشید دامنِ......(**کلیات بیدل**،1/1183)

☆-کہ کرد قطعِ تعلق کدام......(نامعلوم)

(58)

☆-**کلیات بیدل**،1/12

☆-نصیرؔ، **غیر مطبوعہ**

☆-سکوں محال ہے قدرت کے......(**بانگ درا**، ص158)

☆-زندگی ایک دم کا وقفہ......

کلیات غزلیات میر میں مصرع اول یوں ہے:

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے

(**کلیات غزلیات میر**،323)

☆-منزلیں ذوقِ تجسّس کو مٹا دیتی......(نامعلوم)

☆-گفت المعنیٰ ھواللہ...... (**مثنویِ معنوی**،1/345)

☆- ماعر فناك حق ...... **ترتيب الأمالي الخميسية للشجري**: رقم الحديث: 2560)

☆-بیروں نہ زدم قدمے ویں......(مہر علی شاہ، سیّد، **مراۃ العرفان**، لاہور، کواپریٹو

سٹیم پرنٹنگ پریس، س ن، اول، ص 16)

☆- بیٹھا ہوا وطن میں بھی ......(نا معلوم)

☆-و قال انی ذاھب الی ربی سیھدین (**القرآن**، 99:37)

(59)

☆-**کلیات بیدل**، 22/1

☆-نصیرؔ، **غیر مطبوعہ**

☆-تا مرد سخن نگفتہ ......(**کلیات سعدی**، ص 39)

☆-خموشی معنی ای دارد کہ......

شاعر کا نام معلوم نہیں ہو سکا البتہ مکمل شعر اس طرح ہے:

بہ طبعم ہیچ مضمون بہ ز لب بستن نمی آید
خموشی معنی ای دارد کہ در گفتن نمی آید

(**گلستان مسرت**، ص 536)

☆- عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ......

احمد: (379.378/2)، **صحیح بخاری**:(6478)، **صحیح مسلم**: (2988)

☆- دمبدم دم را غنیمت دان......

......صوفی احمد خان 1834ء میں پیدا ہوئے، درویش صفت انسان تھے اس لیے صوفی کے نام سے مشہور تھے۔ اس کے علاوہ ایک عالم شاعر اور مصنف تھے، اُردو اور فارسی میں شعر کہتے، جس شب صوفی صاحب کا انتقال ہوا اس کی صبح کو حکیم سیّد معصوم علی آئے، نبض دیکھی اور سمجھ گئے کہ زندگی کے آخری سانس ہیں صوفی صاحب سے کہنے لگے:

دمبدم دم را غنیمت دان و ہمدم شو بدم

صوفی صاحب مطلب سمجھ گئے اور فی البدیہہ یہ کہا:

واقف دم باش و دم را دمبدم بیجا مدم

(یونس، پروفیسر سیّد محمد، **تذکرۂ نعت گویان اردو**، لاہور، مکہ بکس، نومبر 1984ء، اول، ص 41)

☆-غافل دراحتیاطِ نفس......(نامعلوم)

☆-بنتی نہیں ہے بادہ وساغر......

مکمل شعر اس طرح ہے:

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

(**دیوان غالب**، ص 88)

☆-خموشی باتکلم......(گرامی، غلام قادر، **کلیات گرامی**، تدوین وتصحیح، ڈاکٹر محمد عبداللطیف، لاہور، پیکجز لمیٹڈ، ستمبر 1976ء، اوّل، ص 277)

☆-ٹھنی ہے گفتگو کی اور خاموشی......(**پیمان شب**، چہارم، ص 297)

☆-محبت ایسی منزل ہے جو سمجھائی......

یہ مصرع معروف فلمی شاعر حسرت جے پوری کا ہے۔ پورا شعر یوں ہے:

محبت ایسی دھڑکن ہے جو سمجھائی نہیں جاتی
زباں پر دل کی بے چینی کبھی لائی نہیں جاتی

(شاعر: حسرت جے پوری، گائیکہ: لتا منگیشکر، فلم: انارکلی 1953ء)

☆-نجات می طلبی......(**کلیات بیدل**، 1/ 218)

(60)

☆-**کلیات بیدل**، 1/ 30

☆-نصیؔر، **غیر مطبوعہ**

☆-ہم مسافر ہیں اتر جائیں گے......(نامعلوم)

(61)

☆-**کلیات بیدل**، 1/ 22

☆-نصیؔر، **غیر مطبوعہ**

☆-اس کا منہ دیکھ رہا ہوں......(**کلیاتِ غزلیات میر**، ص 74)

☆-قیامت ہے تمہارا بن سنور کر......(**پیمان شب**، ص 230)

☆-چشم دل چوں باز شد......

عبدالرحمٰن خان شاکر نے **گلستان مسرت** میں یہ شعر میر لاہیجی کا لفظی تفاوت کے ساتھ یوں لکھا ہے:

چشم دل خونبار شُد معشوق را در خویش دید
عین دریا گشت چوں بیدار شُد چشم حباب

(**گلستان مسرت**، ص 517)

(62)

☆-**کلیات بیدل**، 1/ 28

☆-نصیؔر، **غیر مطبوعہ**

☆-مشربِ آئینہ داریم......

عبدالرحمٰن خان شاکر نے **گلستان مسرت** میں یہ شعر ملّا فاخر مکیں کا لکھا ہے۔

(**گلستان مسرت**، ص 528)

☆-پیوندِ دوست داری......

عبدالرحمٰن خان شاکر نے گلستان مسرت میں اس شعر کو ذوقی اروستانی کا مندرجہ ذیل صورت نقل کیا ہے:

سر رشتۂ محبت از آں پارہ می کنم
تا باز بندم و بتو نزدیک تر شوم

(**گلستان مسرت**، ص 177)

☆-ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں......

دیوان غالب میں مصرعِ دوم یوں مرقوم ہے:

بے نیازی تیری عادت ہی سہی

(مہر، **دیوان غالب**، ص198)

☆-جفا کشیم و وفا می......

کلام حافظ کی ایرانی اور پاکستانی اشاعتوں میں مذکورہ بالا شعر معمولی تفاوت کے ساتھ درج ہے۔ ذیل میں اختلافات کی تفصیل نقل کی جاتی ہے۔

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم

کہ در شریعت ما کافریست رنجیدن

(**غزلہائے خواجہ حافظ شیرازی**، ص710)

جفا کشیم و وفا می کنیم و خوش باشیم

کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

(**دیوان حافظ**، ص315)

(63)

☆-**کلیات بیدل**، 1/ 18

☆-نصیؔر، **غیر مطبوعہ**

☆-نظر لگے نہ کہیں ان کے......(مہر، **دیوان غالب**، ص145)

☆-تُو لاکھ کھنچے مجھ سے نہ چھوڑوں گا......(نامعلوم)

☆-تو اپنا در نہ کھولے گا......

یہ شعر مولانا اشرف علی تھانوی کے معروف مرید و خلیفہ خواجہ عزیز الحسن غوری متخلص بہ مجذوب کا ہے۔ کتب میں معمولی اختلاف کے ساتھ یہ شعر یوں منقول ہے:

اُدھر وہ در نہ کھولیں گے ، اِدھر میں در نہ چھوڑوں گا

حکومت اپنی اپنی ہے کہیں اُن کی کہیں میری

(احمد سعید، پروفیسر، **ذکر مجذوب**، الفیصل ناشران و تاجران کتب، 1994ء، دوم، ص75)

(64)

☆-**کلیات بیدل**،1/10

☆-**نصیؔر، غیر مطبوعہ**

☆-چہ می کردیم یارب!.......

کلیات بیدل میں مکمل شعر مندرجہ ذیل ہے۔

مقام وصل نایابست و راہ سعی ناپیدا

چہ می کردیم یارب گر نبودے نارسیدن ہا

(**کلیات بیدل**،1/101)

☆-سخت دشوار......(**کلیات بیدل**،1/207)

☆-ہر سانس ایک پھانس ہے......(نامعلوم)

(65)

☆-**کلیات بیدل** میں مصرعِ دوم یوں مرقوم ہے:

خواندانِ ایں لفظ موقوف است بر اِعراب ہا

(**کلیات بیدل**،1/18)

☆-**نصیؔر، غیر مطبوعہ**

(66)

☆-**کلیات بیدل**،1/205

☆-**نصیؔر، غیر مطبوعہ**

☆-فاعتبروا یا اولی الابصار (**القرآن**،2:59)

☆-حقیقت خرافات میں کھوگئی......(**بالِ جبریل**، ص167)

(67)

☆-**کلیات بیدل**،1/122

☆-نصیرؔ، **غیر مطبوعہ**

(68)

☆-**کلیات بیدل**، 1/260

☆-نصیرؔ، **غیر مطبوعہ**

☆-لگائے بیٹھے ہیں......(**کلیم عجم**، ص250)

(69)

☆-**کلیات بیدل**، 1/448

☆-نصیرؔ، **غیر مطبوعہ**

☆-ہماری عُمر گھٹتی جا ......(زیبا ناروی)

(70)

☆-**کلیات بیدل**، 1/801

☆-**ماہ نامہ طلوع مہر**، یکم جولائی 2000ء، ربیع الثانی 1421ھ، ج2: ش1، ص23

☆-خشتِ اوّل چوں نہد......

یہ شعر ضرب المثل کے طور پر معروف ہے، ارباب تحقیق اب تک اس کے خالق کا سراغ نہیں لگا پائے۔ البتہ میرزا صائب تبریزی کا درج ذیل شعر اس ضرب المثل سے بہت مماثلت رکھتا ہے:

چوں گذارد خشت اول بر زمیں معمار کج

گر رساند بر فلک باشد ہماں دیوار کج

(**دیوان صائب**، ص169)

(71)

☆-**کلیات بیدل**، 1/481

☆-**ماہ نامہ طلوع مہر**، اگست۔ستمبر 1998ء، ج1: ش2۔3، ص35، 36

☆-لا تاخذہ سنة و لا نوم (**القرآن**، 2:255)

☆-کاجل ڈاروں کر کر ہووے......

اعظم کُریوی کی کتاب **ہندی شاعری** میں یہ شعر یوں درج ہے:

کاجل ڈاروں کر کرا سُرمہ دیا نہ جائے
ان نینن میں پی بسے دوجا کون سمائے

(اعظم کریوی، ڈاکٹر، **ہندی شاعری**، اسلام آباد، سگما پرنٹنگ پریس، 2009ء، دوم، ص92)

(72)

☆-**کلیات بیدل**، 1/ 675

☆-سہ ماہی **طلوع مہر**، رجب۔رمضان 1429ھ، ج9: ش3، ص20: نصیر گولڑوی، علامہ پیر نصیر الدین، **مسلمانوں کے عروج وزوال کے اسباب**، گولڑہ، ادارۂ طلوع مہر، غوثیہ مہریہ، [محرم-ربیع الاول 1426ھ/ فروری-اپریل 2005ء] ص15

☆-برسنگِ خارہ قطرۂ باراں......(**دیوان حافظ**، ص116)

☆-گفتم کہ غمزۂ تو مرا......

فرہنگ نامۂ شعری میں مندرجہ محولہ شعر ظہیر فارابی کے تذکرے میں درج ہے۔

(رحیم عفیفی، ڈاکٹر، **فرہنگ نامۂ شعری**، تہران، انتشارات سروش، 1376ش، دوم، 1/ 498)

(73)

☆-**کلیات بیدل**، 1/ 227

☆-نصیر، پیر سیّد نصیر الدین، **آئینۂ شریعت میں پیری مریدی کی حیثیّت**، گولڑہ، س ن، ص68/ **لطمۃ الغیب علیٰ ازالۃ الریب**، ص339

(74)

☆-**کلیات بیدل**، 1/ 548

☆-نصیر، پیر سیّد نصیر الدین، **امام ابوحنیفہؒ اور اُن کا طرزِ استدلال**، گولڑہ، گیلانی پبلشرز، محرم 1409ھ/ 1985ء، اوّل، ص2: **لطمۃ الغیب علیٰ ازالۃ الریب**، ص117: **حضرت پیران**

پیر کی شخصیت اور تعلیمات، گولڑہ، ادارہ طلوع مہر، [ربیع الثانی 1422ھ/ جولائی 2001ء]، ص63

(75)

☆-**کلیات بیدل**، 1/ 249

☆- نصیر، گیلانی، سیّد نصیر الدین، **راہ ورسم منزل ہا**، گولڑہ، گیلانی پبلشرز، 1988ء، اول، ص21

(76)

☆-**کلیات بیدل**، 1/ 1108

☆-**راہ ورسم منزل ہا**، ص24

(77)

☆-**کلیات بیدل**، 1/ 1060

☆-**راہ ورسم منزل ہا**، ص25: **لطمۃ الغیب علیٰ ازالۃ الریب**، ص156

(78)

☆-**کلیات بیدل**، 1/ 1191

☆-**راہ ورسم منزل ہا**، ص29

☆- وفوق کل ذی علم علیم (**القرآن**، 76:12)

☆- لا تدرکه الابصار (**القرآن**، 103:6)

☆-کسوت مینا میں مے......

بانگ درا میں مکمل شعر یوں نقل ہے:

دل کی کیفیت ہے پیدا پردۂ تقریر میں
کسوت مینا میں مے مستور بھی عریاں بھی ہے

(**بانگ درا**، ص214)

☆-گُل تواں گفت و لے......

مکمل شعر اس طرح ہے:

عکس افتادہ در آئینۂ ہوش
گل تواں گفت ولے چیدن نیست
(چہار عنصر، مشمولہ **کلیات بیدل**، 4/4)

(79)

☆-**کلیات بیدل**، 1/20
☆-**راہ ورسم منزل ہا**، ص59

(80)

☆-**کلیات بیدل**، 1/1156
☆-**راہ ورسم منزل ہا**، ص70
☆-كن في الدنيا كانك غريب (**صحیح بخاری**، بہ حوالہ، **احادیث مثنوی**، ص22)

(81)

☆-**کلیات بیدل**، 1/1109
☆-**راہ ورسم منزل ہا**، ص71

(82)

☆-**کلیات بیدل**، 1/1137
☆-**راہ ورسم منزل ہا**، ص72

(83)

☆-**کلیات بیدل**، 1/1040
☆-**راہ ورسم منزل ہا**، ص90: **لطمة الغیب علیٰ ازالة الریب**، ص266: **طریق الفلاح فی مسئلة الکفو للنکاح**، ص87

(84)

☆-**کلیات بیدل**، 1/553

☆-**راہ ورسم منزل ہا**،ص123

☆-دو جہاں چھوڑ دل میں ڈھونڈ......(**پیمان شب**،ص76)

(85)

☆-**کلیات بیدل**،1/ 234

☆-**راہ ورسم منزل ہا**،ص123

☆- من عَرفَ نفسَهٗ فقَد عَرفَ رَبَّه۔ **الاسرارالمرفوعة فی الاخبار الموضوعة المعروف باب الموضوعات الکبری** رقم: 506)

☆-اگراست دردلت آرزو کہ نظر......(**عرش ناز**،ص36)

(86)

☆-**کلیات بیدل**،1/ 12

☆-**راہ ورسم منزل ہا**،ص229

(87)

☆-**کلیات بیدل**،1/ 1165

☆-نصیر،گیلانی،سیّدنصیرالدین،**نام ونسب**،گولڑہ،گیلانی پبلشرز،1989،اول،ص الف

(88)

☆-**کلیات بیدل**،1/ 910

☆-**نام ونسب**،ص.ح

☆-آفتاب آمد......

مکمل شعراس طرح ہے:

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب
گر دلیلت باید از وے رُو متاب

(**مثنوی معنوی**،1/ 43)

(89)

☆-**کلیات بیدل** میں مصرعِ اول یوں درج ہے۔

مستی حسن و جنونِ عشق از جام من است

(**کلیات بیدل**،1/908)

☆-**نام ونسب**،ص.ذ:**لطمۃ الغیب علیٰ ازالۃ الریب**،283

(90)

☆-**کلیات بیدل**،1/941

☆-**نام ونسب**،ص.ذ

(91)

☆-**کلیات بیدل**،1/529

☆-**نام ونسب**،ص2

(92)

☆-**کلیات بیدل**،1/820

☆-**نام ونسب**،ص26

(93)

☆-**کلیات بیدل**،1/393

☆-**نام ونسب**،ص28

(94)

☆-**کلیات بیدل**،1/456

☆-**نام ونسب**،ص48: سہ ماہی **طلوع مہر**،محرم-صفر1425ھ،ج5:ش1،ص5

(95)

☆-**کلیات بیدل**،1/368

☆-**نام ونسب**،ص49: سہ ماہی **طلوع مہر**،محرم-صفر1425ھ،ج5: ش1،ص6

(96)

☆-**کلیات بیدل**،1/473

☆-**نام ونسب**،ص152: نصیر گیلانی،علامہ پیر سیّد نصیر الدین،**لفظ اللہ کی تحقیق**، گولڑہ،ادارہ طلوع مہر،[شوال المکرّم1421ھ/2001ء]،ص9

(97)

☆-**کلیات بیدل**،1/5

☆-**نام ونسب**،ص186

(98)

☆-**کلیات بیدل**،1/1043

☆-**نام ونسب**،ص186: نصیر گیلانی،علامہ پیر سیّد نصیر الدین،**الجواھر التوحیدیہ فی تعلیمات الغوثیہ**،گولڑہ،س ن،ص77)

(99)

☆-**کلیات بیدل**،1/553

☆-**نام ونسب**،ص186

(100)

☆-**کلیات بیدل**،1/680

☆-**نام ونسب**،ص193

(101)

☆-**کلیات بیدل** میں مصرع اول یوں درج ہے:

تواضع ہائے ظالم مکر صیادی بود بیدل

(**کلیات بیدل**،1/485)

☆-**نام ونسب**،ص215

☆-گلوں کی مسکراہٹ پر نہ......(نصیر، پیر سید نصیر الدین، **دست نظر**، پیر، گولڑہ، مہریہ نصیریہ پبلشرز، 1420ھ/2000ء، اوّل،ص183)

(102)

☆-**کلیات بیدل**،1/169

☆-**نام ونسب**،ص220: **ماہ نامہ طلوع مہر**، اگست۔ستمبر 1998ء، ج1: ش2۔3،ص38

(103)

☆-**کلیات بیدل**،1/84

☆-**نام ونسب**،ص227

(104)

☆-**کلیات بیدل**،1/1054

☆-**نام ونسب**،ص234

(105)

☆-**کلیات بیدل**،1/127

☆-**نام ونسب**،ص239

☆-لے سانس بھی آہستہ کہ نازک......(**کلیات غزلیات میر**،ص77)

(106)

☆-**کلیات بیدل**،1/1122

☆-**نام ونسب**،ص242

☆-تو ہم گردن از حکم......(**کلیات سعدی**،ص209)

(107)

☆-**کلیات بیدل**،1/335

☆-**نام ونسب**،ص247

☆-نہیں ہے نا اُمید اقبال اپنی کشت......(**بال جبریل**،ص16)

(108)

☆-**کلیات بیدل**،1/1165

☆-**نام ونسب**،ص282

(109)

☆-**کلیات بیدل**،1/981

☆-**نام ونسب**،ص285:**مسلمانوں کے عروج وزوال کے اسباب**،ص29

(110)

☆-**کلیات بیدل** میں مصرعِ اوّل یوں مرقوم ہے:

آخر ز فقر بر سرِ دنیا زدیم پا

(**کلیات بیدل**،1/4)

☆-**نام ونسب**،ص295

(111)

☆-**کلیات بیدل**،1/555

☆-**نام ونسب**،ص306

(112)

☆-**کلیات بیدل**،1/339

☆-**نام ونسب**،ص309

(113)

☆-**کلیات بیدل**،1/114

☆-**نام ونسب**،ص309

(114)

☆-**کلیات بیدل**،1 / 397

☆-**نام ونسب**،ص314

☆-نظارے کوتو جنبش مژگاں......

بانگِ درا میں مکمل شعر یوں منقول ہے:

نظارے کو یہ جنبشِ مژگاں بھی بار ہے
نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی

(**بانگ درا**،ص105)

(115)

☆-**کلیات بیدل**،1 / 477

☆-**نام ونسب**،ص315

☆-جاؤ بجلی کی طرح آؤ......

مکمل شعر اس طرح ہے:

بزم دشمن میں نہ کھلنا گل تر کی صورت
جاؤ بجلی کی طرح آؤ نظر کی صورت

(داغ دہلوی، فصیح الملک، **کلیات داغ**، مرتب، خواجہ محمد زکریا، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، جنوری 2011ء، ص645)

☆-بیروں نہ زدم قدمے ویں......(**مراۃ العرفان**، ص16)

☆-بیٹھا ہوا وطن میں بھی......(نامعلوم)

☆-آپ سے ہم گزر گئے......

دیوان درد میں مصرعِ دوم یوں درج ہے:

کیا ہے ، ظاہر میں گو سفر نہ کیا

(درد دہلوی، خواجہ میر، **دیوان درد**، بدایوں، مطبع نظامی، 1922ء، ص5)

☆-تُو راہ از کثرتِ اسباب......

دیوان میں یہ شعر یوں مرقوم ہے:

تو راہ از کثرتِ اسباب بر خود تنگ می سازی
ادا فہماں چو بوے گل رہا کردند محملہا

(ناصر علی سرہندی، **دیوان ناصر علی سرہندی**، تحقیق و تدوین، دکتر رشیدہ حسن ہاشمی، اسلام آباد، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، 1384ش/1425ھ/2005ء، ص55)

☆- در پس آئینہ طوطی صفتم......

دیوان حافظ میں مصرع دوم یوں درج ہے:

آنچہ استاد ازل گفت بگو من گویم

(**دیوان حافظ**، ص:251)

(116)

☆-**کلیات بیدل**، 1/12

☆-**نام ونسب**، ص372: **لطمۃ الغیب علیٰ ازالۃ الریب**، ص. ص

(117)

☆-**کلیات بیدل**، 1/18

کلیات بیدل میں مصرعِ اوّل یوں مرقوم ہے:

رنجشِ روشن ضمیراں لمعۂ تیغ است و بس

☆-**نام ونسب**، ص442

(118)

☆-**کلیات بیدل**، 1/506

☆-**نام ونسب**، ص569

(119)

☆-کلیات بیدل، 1/615

☆-نام ونسب، ص596: حضرت پیران پیر کی شخصیت اور تعلیمات، ص 31

(120)

☆-کلیات بیدل، 1/46

☆-نام ونسب، ص625

(121)

☆-کلیات بیدل، 2/52

☆-نام ونسب، ص293

(122)

☆-کلیات بیدل، 2/409

☆-نام ونسب، ص428

(123)

☆-کلیات بیدل، 2/422

☆-نام ونسب، ص428

(124)

☆-کلیات بیدل، 2/426

☆-نام ونسب، ص 431

☆-خدا ہی اب سنبھالے تو......(دست نظر، ص239)

(125)

☆-کلیات بیدل، 2/416

☆-نام ونسب، ص513

(126)

☆-**کلیات بیدل**،2/413

☆-**نام ونسب**،ص514

(127)

☆-**کلیات بیدل**،2/145

☆-**نام ونسب**،ص570

☆-چمن میں چھیڑتی......(اصغر گونڈوی،**کلیات اصغر**،امرت سر،آزاد بک ڈپو،[1976ء]،ص76)

☆-درفرصتِ چندروزہ بے باک......(**آغوش حیرت**،ص194)

(128)

☆-**کلیات بیدل** میں مصرعِ اوّل اور چہارم یوں مرقوم ہیں:

با شاہ آنکس کہ التجایش باشد

تا پیشِ تو قدرِ اولیایش باشد

(**کلیات بیدل**،2/157)

☆-**نام ونسب**،ص628

(129)

☆-**چہار عنصر**،مشمولہ **کلیات بیدل**،4/318،319

☆-**لطمۃ الغیب علیٰ ازالۃ الریب**،ص196

(130)

☆-**کلیات بیدل**،1/270

☆-**طریق الفلاح فی مسئلۃ الکفو للنکاح**،ص.ط

کتابیات

مخطوطات

1۔ صائب تبریزی، میرزا، **دیوان صائب**، خطی، نژالی، مخدومہ امیر جان لائبریری

مطبوعات

1۔آغا ضیا، **گل صحرا**، تحقیق وتدوین، امجد اقبال، واہ کینٹ، قلم کار بیٹھک، 2010ء

2۔احمد سعید، پروفیسر، **ذکر مجذوب**، لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب، 1994ء، دوم

3۔اختر انصاری دہلوی، **آبگینے**، لاہور، ادارہ فروغ اردو، 1961ء

4۔اشک رام پوری، **درفشانیٔ اشک**، مرتب، راز گجراتی، گجرات، محفل راز، جنوری 2003ء

5۔اشک رام پوری، **رنگ اشک**، اسلام آباد، لیفٹیننٹ کرنل نذیر احمد، س ن، اول

6۔اصغر گونڈوی، **کلیات اصغر**، امرت سر، آزاد بک ڈپو، [1976ء]

7۔اعظم کریوی، ڈاکٹر، **ہندی شاعری**، اسلام آباد، سگما پرنٹنگ پریس، 2009ء، دوم

8۔اقبال، **بانگ درا**، لاہور، مقبول عام پریس، ستمبر 1926ء، دوم

9۔اقبال، **بال جبریل**، لاہور، کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس، 1935ء، اول

10۔اقبال، **پیام مشرق**، لاہور، کریمی پریس، 1924ء، دوم

11۔اقبال، **جاوید نامہ**، لاہور، اول، س ن

12۔اقبال، **ضرب کلیم**، لاہور، ڈاکٹر سر محمد اقبال، اول، س ن

13۔اکبر الٰہ آبادی، **کلیات اکبر**، لاہور، عبداللہ اکیڈمی، 2012ء

14۔انشاء، انشاء اللہ خاں انشا، **کلیات انشا**، مرتبہ، خلیل الرحمان داؤدی، لاہور، مجلس ترقی ادب، جولائی 1969ء

15۔ایودھیا پرساد گولیہ، **شعروسخن**، دہلی، بھارتیہ گیان پیٹھ، 1999ء، جلد 2

16۔بیدل، ابوالمعانی میرزا عبدالقادر، **کلیات بیدل**، کابل، دپوہنی وزارت ودارالتالیف،

اسد 1341 خ، جلد 1

17۔ بیدل، ابوالمعانی میرزا عبدالقادر، **کلیات بیدل**، کابل، دپوہنی وزارت ودارالتالیف، اسد 1342 خ، جلد 2

18۔ بیدل، ابوالمعانی میرزا عبدالقادر، **کلیات بیدل**، کابل، دپوہنی وزارت ودارالتالیف، جوزا 1344 خ، جلد 4

19۔ بیدل، میرزا عبدالقادر، **دیوان بیدل**، بمبئی، مطبع صفدری، 1302ھ

20۔ بیدم وارثی، **کلیات بیدم وارثی**، عبداللہ اکیڈمی، لاہور، 2012ء

21۔ بیدم شاہ وارثی، **مصحف بیدم**، لکھنؤ، خورشید بک ڈپو، 1984ء

22۔ پرویز ناتل خانلری، بہ تصحیح ومقابلہ، **غزلہاے خواجہ حافظ شیرازی**، تہران، انتشارات سخن، ابان 1337 ش

23۔ جعفری، سیّد اصغر علی شاہ، مرتب ومترجم، **رباعیات عمر خیام**، لاہور، مکتبۂ دانیال، س ن

24۔ حافظ شیرازی، **دیوان حافظ**، اردو ترجمہ، ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، س ن

25۔ خلیفہ عبدالحکیم، ڈاکٹر، **تشبیہات رومی**، لاہور، ادارۂ ثقافت اسلامی، 2010ء

26۔ داغ دہلوی، فصیح الملک، **کلیات داغ**، مرتب، خواجہ محمد زکریا، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، جنوری 2011ء

27۔ درد دہلوی، خواجہ میر، **دیوان درد**، بدایوں، مطبع نظامی، 1922ء

28۔ ذوق، شیخ محمد ابراہیم، **دیوان ذوق**، لکھنؤ، نامی پریس، 1338ھ/ 1910ء

29۔ ذوق، شیخ محمد ابراہیم، **دیوان ذوق**، دہلی، لالار گبھر دیال، س ن

30۔ رحیم عفیفی، ڈاکٹر، **فرہنگ نامۂ شعری**، تہران، انتشارات سروش، 1376 ش، دوم، جلد 1

31۔ رومی، مولانا جلال الدین محمد، **کلیات شمس تبریزی**، مرتب، بدیع الزمان فروزانفر، تہران، چاپخانہ سپہر، فروردین 1363 ش

32۔ رومی، مولانا جلال الدین، **مثنوی معنوی**، اُردو ترجمہ، قاضی سجاد حسین، لاہور،

الفیصل،[9 ستمبر 1974ء]، جلدا

33۔ رومی، مولانا جلال الدین، **مثنوی معنوی**، اُردو ترجمہ، قاضی سجاد حسین، لاہور، الفیصل، [29، محرم الحرام 1396ھ / یکم فروری 1976ء]، جلد2

34۔ رومی، مولانا جلال الدین، **مثنوی معنوی**، اُردو ترجمہ، قاضی سجاد حسین، لاہور، الفیصل، [21، شوال 1396ھ/ 18 اگست 1976ء]، جلد3

35۔ رومی، مولانا جلال الدین، **مثنوی معنوی**، اُردو ترجمہ، قاضی سجاد حسین، لاہور، الفیصل، [16 رجب المرجب 1398ھ/ 23 جون 1978ء]، جلد6

36۔ رئیس امروہوی، **پس غبار**، کراچی، خورشید خاور امروہی، [1969ء]

37۔ سرمد شہید، **رباعیات سرمد**، اردو ترجمہ، محمد سلیم الرحمان، لاہور، شمس انصاری، خرم انصاری، 1994ء

38۔ سعدی شیرازی، شیخ، **کلیات سعدی**، بہ اہتمام محمد علی فروغی، تہران، انتشارات امیر کبیر، 1365ش، پنجم

39۔ سعدی شیرازی، شیخ، **گلستان**، اردو ترجمہ، قاضی سجاد حسین، ملتان، مکتبۂ امدادیہ، [31 جولائی 1952ء/ 8 ذیقعد 1371ھ]

40۔ سیماب اکبرآبادی، **کلیم عجم**، آگرہ، قصر الادب، 1936ء، اول

41۔ شاکر، عبدالرحمٰن خان، **گلستان مسرت**، لاہور، مطبع گرامی، 1331ھ

42۔ شاہد علی خان، مرتبہ، **انتخاب ظفر**، دہلی، نیو تاج آفس، دسمبر 1960ء

43۔ شبلی نعمانی، **شعر العجم**، لاہور، الفیصل ناشران کتب، جون 1999ء، جلد3

44۔ شیروانی، نواب رحمت اللہ خان، **آوارہ گرد اشعار** (فارسی)، پٹنہ، خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، 2003ء، دوم

45۔ صوفی تبسم، **یک ہزار و یک سخن**، لاہور، پیکجز لمیٹیڈ، س ن، [دوم]

46۔ طالب آملی، **کلیات اشعار ملک الشعرا طالب آملی**، بہ اہتمام و تصحیح و تحشیہ، طاہری

شہاب، تہران، کتب خانۂ سنائی، [1346 ش]

47۔علی احمد جلیلی، مرتب، **کائنات جلیل**، دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، 1999ء، دوم

48۔غالب، میرزا اسداللہ خاں، **دیوان غالب نسخۂ حمیدیہ**، مرتبہ، پرفیسر حمید احمد خاں، لاہور، مجلس ترقی ادب، جون 1992ء، دوم

49۔غنی کشمیری، **دیوان غنی کشمیری**، تہران، بہ کوشش احمد کرمی، 1362، اول

50۔غنیمت کنجاہی، **دیوان غنیمت**، لاہور، فرمان علی اینڈ سنز، س ن

51۔فروزانفر، بدیع الزمان، **احادیث مثنوی**، اردو ترجمہ، ڈاکٹر محمد عبدالطیف، لاہور، پیکجز لمیٹیڈ، اگست 1975ء

52۔قادری، علامہ ابوالحسنات سیّد محمد احمد، مترجم و شارح، **طیب الوردہ-شرح قصیدہ بُردہ**، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، مارچ 2002ء

53۔گرامی، غلام قادر، **کلیات گرامی**، تدوین و تصحیح، ڈاکٹر محمد عبداللطیف، لاہور، پیکجز لمیٹڈ، ستمبر 1976ء، اوّل

54۔محمد بخش، میاں، **سیف الملوک**، جہلم، یونیورسل پریس، 1287ھ، اوّل

55۔محمد شمس الحق، **اردو کے ضرب المثل اشعار**، ترتیب و تہذیب، رفیق احمد نقش، لاہور، فکشن ہاؤس، 2010ء

56۔مستان شاہ کابلی، سیّد، **آتش کدۂ وحدت**، پشاور، محمد فاروق احدی، س ن

مہر علی شاہ، سیّد، **مراۃ العرفان**، لاہور، کواپریٹو سٹیم پرنٹنگ پریس، س ن، اول

57۔مہر، غلام رسول، **خطوط غالب**، لاہور، کتاب منزل، دوم، س ن،

58۔مہر، غلام رسول، مرتبہ، **دیوان غالب**، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، س ن

59۔میر تقی میر، **کلیات غزلیات میر**، مرتبہ، ڈاکٹر علی محمد خاں، لاہور، الفیصل ناشران و تاجران کتب، فروری 2013ء

60۔ناصر علی سرہندی، **دیوان ناصر علی سرہندی**، تحقیق و تدوین، دکتر رشیدہ حسن ہاشمی،

اسلام آباد، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، 1384 ش/ 1425ھ/ 2005ء
61۔ نصیر گیلانی، سید غلام نصیر الدین، **آغوشِ حیرت**، کراچی، کرماں والا پبلشرز، اول، اپریل 1982ء
62۔ نصیر، پیر سیّد نصیر الدین، **آئینۂ شریعت میں پیری مریدی کی حیثیّت**، گولڑہ، س ن
63۔ نصیر گیلانی، علامہ پیر سیّد نصیر الدین، **الجواھر التوحیدیہ فی تعلیمات الغوثیہ**، گولڑہ، س ن
64۔ نصیر، پیر سیّد نصیر الدین، **امام ابو حنیفہؒ اور اُن کا طرزِ استدلال**، گولڑہ، گیلانی پبلشرز، محرم 1409ھ/ 1985ء، اوّل
65۔ نصیر، سید نصیر الدین، **پیمانِ شب**، گولڑہ، گیلانی پبلشرز، 1983ء، اول
66۔ نصیر، پیر سید نصیر الدین، **پیمانِ شب**، گولڑہ شریف، مہریہ نصیریہ پبلشرز، ربیع الاول 1428ھ/ مارچ 2007ء، چہارم
67۔ نصیر گیلانی، علامہ پیر نصیر الدین، **حضرت پیران پیر کی شخصیت اور تعلیمات**، گولڑہ، ادارہ طلوع مہر، [ربیع الثانی 1422ھ/ جولائی 2001ء]
68۔ نصیر، پیر سید نصیر الدین، **دستِ نظر**، پیر، گولڑہ، مہریہ نصیریہ پبلشرز، 1420ھ/ 2000ء، اوّل
69۔ نصیر گیلانی، سیّد نصیر الدین، **راہ و رسمِ منزل ہا**، گولڑہ، گیلانی پبلشرز، 1988ء، اول
70۔ نصیر، پیر نصیر الدین، **رنگِ نظام**، گولڑہ شریف، شاعر خود، 1998ء، اول
71۔ نصیر، پیر سیّد نصیر الدین، **طریق الفلاح فی مسئلۃ الکفو للنکاح**، گولڑہ، مہریہ نصیریہ پبلشرز، 2009ء، اوّل
72۔ نصیر، پیر سید نصیر الدین، **عرشِ ناز**، گولڑہ شریف، مہریہ نصیریہ پبلشرز، 1420ھ/ جنوری 2000ء
73۔ نصیر گیلانی، پیر سیّد نصیر الدین، **کلیاتِ نصیر**، گولڑہ شریف، مہریہ نصیریہ پبلشرز، [جمادی الاولیٰ 1435ھ/ 2014ء]، اول
74۔ نصیر گولڑوی، پیر سیّد نصیر الدین، **لطمۃ الغیب علیٰ ازالۃ الریب**، گولڑہ، ادارہ طلوع مہر، محرم الحرام 1424ھ/ مارچ 2003ء، اول
75۔ نصیر گیلانی، علامہ پیر سیّد نصیر الدین، **لفظ اللہ کی تحقیق**، گولڑہ، ادارہ طلوع مہر، [شوال

المکرّم 1421ھ/ 2001ء]
76۔نصیر گولڑوی، علامہ پیر نصیر الدین، **مسلمانوں کے عروج وزوال کے اسباب**، گولڑہ، ادارۂ طلوع مہر، غوثیہ مہریہ، [محرم-ربیع الاول 1426ھ/ فروری-اپریل 2005ء]
77۔نصیر گیلانی، سیّد نصیر الدین، **نام ونسب**، گولڑہ، گیلانی پبلشرز، 1989ء، اول
78۔یونس، پروفیسر سیّد محمد، **تذکرۂ نعت گویان اردو**، لاہور، مکہ بکس، نومبر 1984ء، اول

رسائل

1۔سہ ماہی **طلوع مہر**، محرم-ربیع الاوّل 1423ھ، ج3: ش9
2۔سہ ماہی **طلوع مہر**، ربیع الثانی-جمادی الثانی 1423ھ، ج3: ش10
3۔سہ ماہی **طلوع مہر**، رجب المرجب-رمضان المبارک 1423ھ، ج3: ش9، [ش11]
4۔سہ ماہی **طلوع مہر**، شوال المکرّم-ذوالحج 1423ھ، ج3: ش10، [ش12]
5۔سہ ماہی **طلوع مہر**، محرم الحرام-ربیع الاوّل 1424ھ، ج4: ش11، [ش1]
6۔سہ ماہی **طلوع مہر**، ربیع الثانی-جمادی الثانی 1424ھ، ج4: ش12 [ش2]
7۔سہ ماہی **طلوع مہر**، رجب المرجب-رمضان المبارک 1424ھ، ج4: ش13، [ش3]
8۔سہ ماہی **طلوع مہر**، شوال المکرّم-ذوالحج 1424ھ، ج4: ش14، [ش4]
9۔سہ ماہی **طلوع مہر**، محرم-صفر 1425ھ، ج5: ش1
10۔سہ ماہی **طلوع مہر**، ربیع الثانی-جمادی الثانی 1425ھ، ج5: ش2
11۔سہ ماہی **طلوع مہر**، رجب-شعبان 1427ھ، ج7: ش1 [3]
12۔سہ ماہی **طلوع مہر**، شوال المکرّم-ذوالحج 1427ھ، ج7: ش2 [ش4]
13۔سہ ماہی **طلوع مہر**، محرم الحرام-ربیع الاوّل 1428ھ، ج8: ش1
14۔سہ ماہی **طلوع مہر**، رجب-رمضان 1428ھ، ج8: ش3
15۔سہ ماہی **طلوع مہر**، شوال-ذوالحج 1428 ھ، ج8: ش4

16۔سہ ماہی **طلوع مہر**،محرم۔ربیع الاوّل 1429ھ،ج9:ش1
17۔سہ ماہی **طلوع مہر**،ربیع الثانی-جمادی الثانی 1429ھ،ج9:ش2
18۔سہ ماہی **طلوع مہر**،رجب۔رمضان 1429ھ،ج9:ش3
19۔ماہ نامہ **طلوع مہر**،اگست۔ستمبر 1998ء،ج1:ش2،3
20۔ماہ نامہ **طلوع مہر**،اسلام آباد،اکتوبر 1998ء/جمادی الثانی-رجب 1419ھ،ج1:ش4
21۔ماہ نامہ **طلوع مہر**،نومبر 1998ء،/رجب-شعبان 1419ھ،ج1:ش5
22۔ماہ نامہ **طلوع مہر**،دسمبر 1998ء/شعبان-رمضان[1419ھ]،ج1:ش6
23۔ماہ نامہ **طلوع مہر**،جنوری 1999ء/رمضان-شوال[1419ھ]،ج1:ش7
24۔ماہ نامہ **طلوع مہر**،فروری 1999ء،/شوال-ذیقعد 1419ھ،ج1:ش8
25۔ ماہ نامہ **طلوع مہر**،مارچ 1999ء،/ذیقعد-ذوالحج 1419ھ،ج1:ش9
26۔ماہ نامہ **طلوع مہر**،اپریل 1999ء/ذوالحج-محرم الحرام 1420ھ،ج1:ش10
27۔ماہ نامہ **طلوع مہر**،مئی-جون 1999ء،/صفر-ربیع الاول 1420 ھ،ج1:ش11
28۔ماہ نامہ **طلوع مہر**،جولائی 1999ء،/ربیع الاوّل-ربیع الثانی[1420ھ]،ج1:ش12
29۔ماہ نامہ **طلوع مہر**،یکم جولائی 2000ء،ربیع الثانی 1421ھ،ج2:ش1
30۔ماہ نامہ **طلوع مہر**،اگست 2000ء/جمادی الاوّل 1421ھ،ج2:ش1[ش2]
31۔ماہ نامہ **طلوع مہر**،اکتوبر 2001ء،/رجب 1422ھ،ج3:ش4
32۔ماہ نامہ **طلوع مہر**،نومبر 2001ء،/شعبان-رمضان 1422ھ،ج3:ش4[ش5]

فہرست اشعار

شاعر کا نام	مصرعِ اوّل	صفحہ نمبر	مصرع مفرد	صنفِ سخن
اکبرالہٰ آبادی	گُلِ کاغذ کو کس خوبی سے گلشن میں لگایا ہے	20		فرد
	اَلَا یَا اَیُّھَا السّاقی بدہ "ووٹے" بہ محفلھا	21		؍
	مار و کژدم رہ گئے، کیڑے مکوڑے رہ گئے	58		؍
	خضر عنقا بن گئے، موذی بنے ہیں سدِّ راہ	59		؍
انشاءاللہ خان	نہ چھیڑا اے نکہت بادِ بہاری راہ لگ اپنی	66		؍
انیسی شاملو	سلام روستائی جز غرض نیست	27	ع	
اوحدی مراغہ ای	خاکساران جہاں را بہ حقارت منگر	107		فرد
بوصیری	فان من جودك الدنیا و ضرتھا	44		؍
بیدل	سر بے نیازیِ فکر را بہ بلندیِ نہ رساندہ ام	4		؍
	مدعی درگزر از دعویِ طرزِ بیدلؔ	؍		؍
	طبعِ روشن فارغ است از فکرِ غفلت ہائے خلق	7		؍
	ذوقِ طلبِ عالمیست، وقف حضورِ دوام	8		؍
	بیدلؔ! اسبابِ جہاں را حسرتِ مشّاطہ است	9		؍
	حیران طلب مایۂ تمیز ندارد	10		؍
	گل بہ قدرِ غنچہ گردیدن پریشاں می شود	11		؍
	عزّتِ ترکِ تجمّل از کرم افزوں تر است	12		؍
	چو سرو بے طمع از دہر باش و سر بفراز	13		؍
	از دو تا گشتن ندارد چارہ نخل میوہ دار	14		؍
	بر خلقِ بے بصیرت تا چند عرض جوہر	؍		؍
	با شمع گفتم از چہ سرت می دہی بباد	16		؍
	رہائی نیست روشن طینتاں را از سیہ بختی	17		؍
	لُطفے، امدادے، مدارائے، نیازے، خدمتے	18		؍
	بگذر زِ غنا تا نشوی دشمنِ احباب	23		؍
	جود اگر در معرضِ احساں تغافل پیشہ نیست	33		؍

شاعرکانام	مصرعِ اوّل	صفحہ نمبر	مصرع مفرد	صنفِ سخن
بیدل	وعدۂ احساں بہ معنیٰ از گدائی نیست کم	41		فرد
	اے خوش آں جود کہ از خجلت وضعِ سائل	؍		؍
	چہ شد زبانِ تمنا خموش آہنگ است	42		؍
	بہ عالمِ کرم آدابِ جود بسیار است	43		؍
	وضعِ آسائش رواجِ عالمِ ہشیار نیست	45		؍
	شخصِ کرم از بسکہ حیا کیش تر است	46		رباعی
	حیف ازاں بے خبرے چند کہ با قدرت جاہ	48		فرد
	از صحبتِ حیز مرد نامرد شود	51		رباعی
	یک نخود کلہ ودہ من دستار	57		فرد
	تنم ز بند لباسِ تکلف آزاد است	64		؍
	بے مغزی و داری بمن سوختہ جاں بحث	66		؍
	گر بے خردے ساز کند ہرزہ سرائی	؍		؍
	زیر و بمِ ایں انجمن آفاتِ خروش است	67		؍
	خوار یست بہر کج منش از راست رواں بحث	68		؍
	در ترکِ تأمل الم شور و شرے نیست	69		؍
	بلبلاں را در چمن ہر برگ گل دست دعا است	؍	ع	
	جمعیت گوہر نکشد زحمتِ امواج	70		فرد
	زجیبِ ہر مژہ آغوش می چکد اینجا	71		؍
	از عاجزیِ من جگر خصم کباب است	74		؍
	از مدرسہ دم نازدہ بگریز و گرنہ	75		؍
	تا استعدادِ ہوش ساماں نشود	78		رباعی
	سادگیِ جنس چو آئینہ دکانے داریم	80		فرد
	گر آبرو بُو داز حادثات کاہش نیست	؍		؍
	بے تمیزاں ہمہ جا قابل بیرون درانند	81		؍

صنفِ سخن	مصرع مفرد	صفحہ نمبر	مصرعِ اوّل	شاعر کا نام
فرد		82	چوں سایہ چند بہر خاک جبہہ سودن ہا	بیدل
؍		83	موج و کف مشکل کہ گرد محرم قعرِ محیط	
؍		84	طبع شہوت نسب از سیر گریباں عاریست	
؍		89	تغافل از بد و نیک اعتبار اہل حیاست	
؍		93	بر جوہر حیانہ پسندند انفعال	
؍		94	دلِ بے نوا بہ کجا برد، غمِ تنگ دستی و مفلسی	
؍		95	بہ عافیت نیم ایمن زکلفتے کہ کشیدم	
؍		98	زنقد و جنس خود آ گہ نہ ای دریں بازار	
؍		99,205	ستم است اگر ہوست کشد کہ بہ سیرِ سرو وسمن درآ	
؍		؍	پئے نافہ ہائے رمیدہ بو مپسند زحمتِ جستجو	
؍		101	درزندگی مطالعۂ دل غنیمت است	
؍		؍	مقامِ ظالم آخر برضعیفانست ارزانی	
؍		102	زغارتِ ضعفا مایہ می برد ظالم	
؍		105	نہ از موجِ نسیم است ایں قدر ہا جوشِ بے تابی	
رباعی		106	اے ذاتِ مقدّسِ تو جانِ عالم	
فرد		108	مکش سر زپستی کہ آواز آب	
؍		109	تعظیمِ ناتواناں دشوارِی ندارد	
؍		110	در عالمیکہ ضبط نفس راہبر شود	
؍		111	بے ادب از سوزِ اشک عاجزاں نتواں گذشت	
؍		112	فقر و حضورِ تمکیں جاہ و ہزار خفّت	
؍		114	نہ پنداری زجامِ قُرب زاہد نشّہ اے دارد	
؍		116	شمعِ خامش وا رہید از اشک و آہ و سوختن	
؍		119	ما بہ تعظیم از سرِ دُنیا دخود برخاستیم	
؍		120	گرفتارِ رسوم اندیشۂ آرام کم دارد	

شاعر کا نام	مصرعِ اوّل	صفحہ نمبر	مصرع مفرد	صنفِ سخن
بیدل	ادب زمردمک دیدہ می تواں آموخت	122		فرد
	رغبت جاہ چہ و نفرتِ اسباب کُدام	123		؍
	زشتی مارا بہ طبع روشن اُفتاد است کار	126		؍
	ز دانش بصد عُقدہ اُفتادہ کارت	128		؍
	با ہر کمال اندکے آشفتگی خوش است	129,136		؍
	دریں صحرا بہ آدابِ نگہ باید خرامیدن	130		؍
	شمع ساں عمریست احرامِ گدازے بستہ ایم	131		؍
	جز کاہشِ جاں نیست زہم صحبت سرکش	134		؍
	ہرزہ گرد از صحبت صاحب نظر دارد حیا	135		؍
	بعدِ مُردن از غبارم کیست تا یابد نشاں	138		؍
	ہم تو در ہر امر بہر خویش تائید حقی	140		؍
	زبس مطلوبِ ہر کس بے طلب آمادہ است ایں جا	141		؍
	پیوستہ پُر آواز بود کاسۂ خالی	142		؍
	تا غرّۂ کمال نہ سازد قناعتت	143		؍
	اسرارِ کماھیَ را، تاویل نمی باشد	144		؍
	آسماں ہم اعتبارے دارد از آزادگی	145		؍
	نہ رہید از املِ تجرّد ہم	؍		؍
	دہر خلقے را بہ مرگ اغنیا می پرورد	146		؍
	ز اہل حال مجوئید غیرِ ضبطِ نَفَس	147		؍
	بیدلؔ بہ دوروزۂ عمر مغرور مباش	149		رباعی
	جہاں می نالد از بے دست و پائی	150		فرد
	بیدلؔ! کلامِ حافظ، شد ہادیِ خیالم	151		؍
	ایں جا نہ فغانی و بیانی شدن است	؍		؍
	اہل دنیا را مطیعِ خویش کردن کار نیست	152		؍

شاعر کا نام	مصرعِ اوّل	صفحہ نمبر	مصرع مفرد	صنفِ سخن
بیدل	سقفِ کلبۂ فُقرا، نیست سیر گاہِ ہَوا	153		فرد
	ہمیں بہ زندگی اسبابِ دام آفت نیست	155		؍
	چہ شد اطلسِ فلکی قبا، کہ دریدآں ملکی ردا	156		؍
	کہ کشید دامنِ فطرتت کہ بہ سیرِ ماو من آمدی	157		؍
	بہ بے آرامی است آسائشِ ذوقِ طلب بیدلؔ	؍		؍
	خامشی آئینہ دارِ معنیِ روشن دلی ست	160		؍
	نجات می طلبی، خامشی گزیں بیدلؔ	164		؍
	نیست از جیبِ تو بیروں گو ہرِ مقصودِ تو	165		؍
	حسن ہر جادستِ بیدادِ تجلّی وا کند	166		؍
	بدل گفتم کدامیں شیوۂ دشوار است در عالَم	167		؍
	می دہد زخمِ دل از بیدادِ شمشیرت نشاں	170		؍
	بیدلؔ بوضعِ خلق محالست زیستن	171		؍
	چہ می کردیم یارب! گرنبودے نارسیدن ہا	172	ع	
	سخت دشوار است منظورِ خلائق زیستن	؍		فرد
	بے خراشِ زخمِ عشق اسرارِ دل معلوم نیست	173		؍
	غفلتِ عالم فزود از سر گذشتِ رفتگاں	174		؍
	شرر در سنگ برقِ خرمنِ مردم نمی گردد	175		؍
	غرقِ وحدت باش اگر آسودہ خواہی زیستن	176		؍
	مباش بے خبر از درسِ بے ثباتیِ عُمر	177		؍
	بہ قلزمے کہ فتد سایۂ بنا گوشت	179		؍
	حیرت زبانِ شوخیِ اسرارِ مابس است	181		؍
	بے مصیبت گریہ بر طبعِ درشتت سُود نیست	182		؍
	بخیالِ چشم کہ می زند قدَح جنوں دلِ تنگِ ما	184		؍
	رمز آشنائے معنیٰ ہر خیرہ سر نباشد	؍		؍

صنفِ سخن	مصرع مفرد	صفحہ نمبر	مصرعِ اوّل	شاعر کا نام
فرد		185	گفتگوِ بیدؔل دلیلِ ہرزہ تازی ہائے ماست	بیدل
؍		186	حاصلِ ما دریں تماشا گاہ	
؍		؍	بہ کلامِ بیدؔل اگر رسی مگذر ز جادۂ منصفی	
؍		187	نشد آئینۂ کیفیت ما ظاہر آرائی	
	ع	189	گُلِ تو اں گفت ولے چیدن نیست	
فرد		؍	بیدؔل رہِ حمد از تو بہ صد مرحلہ دور است	
؍		190	چناں زد ہر سبکسار باید ت رفتن	
؍		191	بسکہ عالم بہارِ جلوۂ اُوست	
؍		؍	جہانے نظر بر رخت دوختہ است	
؍		192	چہ بود سرو کارِ غلط سبقاں در علم و عمل بہ فسانہ زدن	
؍		؍	اے غفلت، آبروئے طلب بیش ازیں مریز	
؍		193	بجیبِ تست اگر خلوتے وا نجمنیست	
؍		194	ستم می پرورد آغوشِ گل از خار پروردن	
؍		195	حصولِ امتیاز آب و رنگ آساں نمی باشد	
؍		؍	کفر است فضولی بہ ادب گاہِ حقیقت	
؍		196	معنیِ حسن و جنونِ عشق از جامِ من است	
؍		؍	در مکتبِ نیاز چہ حرف و کدام سطر	
؍		؍	با نسب محتاج نبود صاحبِ کسب و کمال	
؍		197	خاک را نفی خود اثبات چمن ہا کردن است	
؍		198	آرزو از نفیِ ما اثباتِ یار ایجاد کرد	
؍		؍	بے فقر آشکار نہ گردد عیارِ مَرد	
؍		199	می گزد جوہر آئینہ کف دستِ تہی	
؍		200	تمام شوقیم لیک غافل کہ دل براہ کہ می خرامد	
؍		؍	غبارِ ہر ذرّہ می فروشد بحیرت آئینۂ طپیدن	

شاعر کا نام	مصرعِ اوّل	صفحہ نمبر	مصرع مفرد	صنفِ سخن
بیدل	زرنگِ گُل تا بہار سُنبل شکست دارد دماغ نازے	201		فرد
	نگہ بہر جا رسد چو شبنم زشرم می باید آب گردد	؍		؍
	مگر زچشمش غلط نگاہے رسد بفریادِ حالِ بیدلؔ	؍		؍
	بے باک پا منہ بہ اَدب گاہِ اہل فقر	202		؍
	خداست حاصلِ خدمت گُزین درویشاں	203		؍
	پا کی چو بحرِ موج زند از جبینِ شاں	؍		؍
	ہر کہ زیں انجمن آثارِ صفا می بیند	204		؍
	تواضع ہائے دشمن مکرِ صیّادی بود بیدلؔ	؍		؍
	ادب نہ کسبِ عبادت، نہ سعیِ حق طلبی ست	205		؍
	من نمی گویم، بہ کلی از تعلقہا برآ	206		؍
	نزاکت ہاست در آغوشِ مینا خانۂ حیرت	؍		؍
	قدرِ تو کس چہ داند تا بر تو جاں فشاند	207		؍
	خاکِ ایں بیاباں را گر بیات نہ زد آبے	208		؍
	بہ تشریف جہاں بیدلؔ بہ عُریانی قناعت کُن	209		؍
	بیش از آنست در آئینۂ من مایۂ نور	210		؍
	از فقر باز بر سرِ دنیا زدیم پا	؍		؍
	گر نہ منظورِ کرم بخششِ عبرت باشد	؍		؍
	حرص قانع نیست بیدلؔ ورنہ از سازِ معاش	211		؍
	قناعت پیشہ ای ہشدار کایں حرصِ غنا دُشمن	212		؍
	اسباب بر آزادہ دلاں سخت حجابیست	213		؍
	در دستِ جہد نیست عنانِ سُبک رواں	214		؍
	بہر کجا ناز سر بر آرد نیاز ہم پائے کم ندارد	216		؍
	غیرتِ روشن ضمیراں لمعۂ تیغ بلاست	217		؍
	پادشاہی بہ جنون جمع نہ گردد بیدلؔ	218		؍

شاعر کا نام	مصرعِ اوّل	صفحہ نمبر	مصرع مفرد	صنفِ سخن
بیدل	زسازِ عافیت خاک می رسد آواز	219		فرد
	چندانکہ دمد نخل، سرِ ریشہ بخاک است	؍		؍
	بیدلؔ صد حیف نارسائیت نہ رفت	221		رباعی
	با آلِ نبی بندگیم ایمانی ست	222		؍
	بیدلؔ ستم است رفضیانِ خُو دسر	223		؍
	بیدلؔ عبث است از سخن پروردن	224		؍
	خلقے از فطرت ضلالت تمہید	225		؍
	آخر اقبالِ دیں بہ ادبار افتاد	؍		؍
	اے مغروراں کہ مستِ تخت وکُلہ اید	226		؍
	باشاہ ہر آنکہ التجایش باشد	228		؍
	در ہر راہے کہ مقتدامی استد	230		؍
	از مکافاتِ عمل ایمن نباید زیستن	؍		فرد
بیدم	جستجو کرتے ہی کرتے کھو گئے	132		؍
	پردۂ ہستیِ موہوم اٹھا دو پہلے	133		؍
	ترے کمالِ ستم کی یہ یادگار رہے	138		؍
بینش	اہل راصحبت نااہل زیاں ہا دارد	75		؍
تشبیہی کاشانی	بہ ہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش	56		؍
جلیل مانکپوری	جلیلؔ آساں نہیں آباد کرنا گھر محبت کا	45		؍
جوش ملیح آبادی	وہ کرے یاد تمھیں جس نے بھُلایا ہو کبھی	115		؍
حافظ	دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند	27		؍
	کہ خواجہ خود روشِ بندہ پروری داند	49	ع	
	نخست موعظتِ پیرِ مے فروش ایں بود	52		فرد
	بہ دُرد و صاف ترا حکم نیست دم درکش	57		؍
	بر زمینیکہ نشانِ کفِ پائے تو بود	89		؍

شاعر کا نام	مصرعِ اوّل	صفحہ نمبر	مصرع مفرد	صنفِ سخن
حافظ	جفا کشیم و وفا می کنیم وخوش باشیم	170		فرد
	برسنگِ خارہ قطرۂ باراں اثر نہ کرد	182	ع	
	درپسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند	216		فرد
حسرت جے پوری	محبت ایسی منزل ہے جو سمجھائی نہیں جاتی	164	ع	
حسرت موہانی	محبت خیرِ مطلق ہے بہر حال	13		فرد
داغ دہلوی	جاؤ بجلی کی طرح آؤ نظر کی صورت	131	ع	
دانش	تاک را سر سبز دارا ے ابرِ نیساں در بہار	214		فرد
ذوق دہلوی	جھکتے ہیں سخی وقتِ کرم اور زیادہ	72	ع	
	اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے	46		〃
ذوقی اروستائی	پیوند دوست داری ازاں قطع می کنم	156		〃
رومی	دی شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر	169		〃
	جو محتاجِ گدایاں چوں گدا	15		〃
	اے بسا ابلیس آدم روئے ہست	39		〃
	کارِ پاکان را قیاس از خود مگیر	73		〃
	بے ز استعداد بر کانے روی	81		〃
	ہمچو عنینّے کہ بکرے را خرد	85		〃
	چوں چراغے بے ززیت و بے فتیل	86		〃
	در گلستان اندر آید ناخشے	〃		〃
	ہمچو خوبے دلبرے مہمان غُر	〃		〃
	ہمچو مرغ خاک کآید در بحار	〃		〃
	آسیائے چرخ بر بے گندماں	87		〃
	لیک با، بے گندماں ایں آسیا	〃		〃
	اول استعداد جنت بایدت	〃		〃
	طفلِ نَو را از شراب و از کباب	〃		〃

شاعر کا نام	مصرعِ اوّل	صفحہ نمبر	مصرعِ مفرد	صنفِ سخن
رومی	حد ندارد ایں مثل کم جُو سخن	88		فرد
	ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد	107		؍
	جملہ عالم آکل و ماکول داں	147	ع	
	گفت المعنٰی ھو اللہ شیخ دیں	158		فرد
	آفتاب آمد دلیلِ آفتاب	195	ع	
رئیس امروہوی	نہیں معلوم کس سانچے میں ڈھالیں	71		فرد
زیبا ناروی	ہماری عُمر گھٹتی جا رہی ہے	178		؍
سرمد	آنکس کہ ترا عزِ جہانبانی داد	63		رباعی
سعدی شیرازی	نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں	13	ع	
	بر کفے جامِ شریعت بر کفے سندانِ عشق	29		فرد
	مرد یکہ ہیچ جامہ ندارد بہ اتفاق	50		؍
	تواضع زگردن فرازاں نکوست	54		؍
	بزیور ہا بیارایند وقتے خوبرویاں را	63		؍
	خصالِ ہم نشیں درِ من اثر کرد	75		؍
	دو چیز طیرۂ عقل است دم فروبستن	117		؍
	عارفاں جمع نکردند و پریشانی نیست	125	ع	
	آں را کہ خبر شد، خبرش باز نیامد	135	؍	
	تا مرد سخن نگفتہ باشد	160		فرد
	تو ہم گردن از حکمِ داور مپیچ	208		؍
سیماب اکبرآبادی	سمجھ حقیر نہ ان زندگی کے لمحوں کو	124		؍
	میں بعدِ مرگ بھی بزمِ وفا میں زندہ ہوں	139		؍
	لگائے بیٹھے ہیں اک شمعِ لاشریک سے لو	176		؍
شیریں مغربی	بدنام کنندۂ نکونامے چند	29	ع	
صائب	دوردستاں را بہ احساں یاد کردن ہمت است	47		فرد

شاعر کا نام	مصرعِ اوّل	صفحہ نمبر	مصرع مفرد	صنفِ سخن
صائب	بہ یوسف می تواں بخشید جرمِ کاروانے را	89		فرد
	بہ بند چشم خود از عیبِ مردماں صائبؔ	93		″
	فروتنی ست دلیل رسیدگان کمال	120		″
	اے کہ خود را در دلِ ماز شت منظر دیدہ ای	127		″
ضیا حسن	کسی کی زلف میں آئی تو حُسن کہلائی	83		″
طالب آملی	بے نیازانہ ز ارباب کرم می گذرم	27		″
ظفر، بہادر شاہ	کتنا ہے بدنصیب ظفرؔ دفن کے لیے	156		″
ظہیر فارابی	گفتم کہ غمزۂ تو مرا کشت رحم کن	183		″
عبداللہ ابن عباس	اذا کثر ا لهام فنبهونی	142		″
	اذا کثر الکلا م فسکتونی	143		″
عمر خیام	مے خوردن من نہ از برائے طرب است	97		رباعی
	ہرگز دلِ من زعلم محروم نہ شُد	100		″
	خاکے کہ بزیرِ پائے ہر حیوانیست	131		″
غالب	طرز بیدلؔ میں ریختہ لکھنا	1		فرد
	گر ملے حضرتِ بیدلؔ کا خطِ لوحِ مزار	1,4		″
	دام ہر موج میں ہے حلقہ صد کام نہنگ	73		″
	مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو	98		″
	اسدؔ ہر جا سخن نے طرحِ باغِ تازہ ڈالی ہے	139		″
	مجھے راہ سخن میں خوفِ گمراہی نہیں غالبؔ	″		″
	سفینہ چاہیے اس بحرِ بے کراں کے لیے	″	ع	
	بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر	163	″	
	ہم بھی تسلیم کی خو ڈالیں گے	169		فرد
	نظر لگے نہ کہیں ان کے دست و بازو کو	170		″
غنی کاشمیری	خامہ ہر چند دَوَد لیک بمعنیٰ نہ رسد	84		″

شاعر کا نام	مصرعِ اوّل	صفحہ نمبر	مصرع مفرد	صنفِ سخن
غنی کاشمیری	می رسد روزی بہر کس در خورِ ہمت زغیب	85		فرد
	چوں شمع بود منزلِ ما زیرِ پائے ما	132		؍
غنیمت کنجاہی	بہ داغِ یادہائے رفتہ دل دارد تماشائے	97		؍
فاخر مکیں	مشرب آئینہ داریم در آمیزش خلق	168		؍
قاسم انوار	کس زمجنوں سوال قرآں کرد	62		؍
کشفی	دمیکہ پیکر خوب تو آفرید خدا	68		؍
گرامی جالندھری	خموشی با تکلم در ستیزہ	163		؍
مجذوب	تو اپنا در نہ کھولے گا میں تیرا در نہ چھوڑوں گا	171		؍
مستان شاہ کابلی	نہ موسیٰ گفتن و آنجانہ فرعون	115		؍
مہر علی شاہ	بیروں نہ زدم قدمے ویں طرفہ تماشا بیں	159,215		؍
مہر محمد ہمدم	نہ دولت سے نہ دنیا سے نہ گھر آباد کرنے سے	98		؍
میاں محمد بخش	قطرہ وچ پیا دریا وے فیر اوہ کون کہاوے	133		؍
میر تقی میر	شیخ پڑے محرابِ حرم میں پہروں دوگانہ پڑھتے رہیں	17,32		؍
	زندگی ایک دم کا وقفہ ہے	158		؍
	اس کا منہ دیکھ رہا ہوں سو وہی دیکھوں ہوں	166		؍
	لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام	207		؍
میر درد	آپ سے ہم گزر گئے کب کے	215		؍
میر لاہیجی	چشم دل چوں باز شد معشوق را در خویش دید	167		؍
ناصر علی سرہندی	تُو راہ از کثرتِ اسباب بر خود تنگ می سازی	216		؍
ناطق لکھنوی	کہہ رہا ہے شورِ دریا سے سمندر کا سکوت	74		؍
نصیر: پیر سیّد نصیر	بجز اس کے رزّاق کوئی نہیں	10		قطعہ
الدین نصیر گیلانیؒ	چھپتا نہیں دنیا میں کوئی زشت نہ خوب	23		رباعی
	آں جا کہ ظہورِ جود بر ہر قدم است	46		؍
	حائل کیا ابر کو دکھا کر نہ دیا	47		؍

شاعر کا نام	مصرعِ اوّل	صفحہ نمبر	مصرع مفرد	صنفِ سخن
نصیر: پیر سیّد نصیر الدین نصیر گیلانیؒ	حسینوں کے بدن کی وجہ آرائش تو ہیں زیور	63		فرد
	از بے بصری ہوس پرستیم ہمہ	64		رباعی
	آسماں سے کوئی پوچھے یہ تنک تاب ہلال	73		فرد
	بدنیست اثر پذیر صحبت زِنکو	82		رباعی
	حیات میں ہے غنیمت مطالعہ دل کا	101		فرد
	حیاتم قلزمِ صد پیچ و تاب است	104		قطعہ
	کہاں ساحل پہ موجوں کا تبسّم	105		فرد
	ہے کون بر لب ساحل کہ پیشوائی کو	؍		؍
	ممکن ہے جی اٹھے قضا کا مارا	108		رباعی
	جو کبھی قُربِ تام ہو جائے	114		فرد
	میراث نہ مفلس کی نہ ذی جاہ کی ہے	126		رباعی
	بیکار ہے محو قصّہ خوانی ہونا	148		؍
	انسان کے احوال کی دنیا ہے عجب	؍		؍
	ٹھنی ہے گفتگو کی اور خاموشی کی آپس میں	163		فرد
	قیامت ہے تمھارا بن سنور کر سامنے آنا	167		؍
	دو جہاں چھوڑ! دل میں ڈھونڈ اُسے	193		؍
	اگر است در دلت آرزو کہ نظر بخوش نظرے رسد	؍		؍
	گُلوں کی مسکراہٹ پر نہ جاؤ	204		؍
نامعلوم	خدا ہی اب سنبھالے تو، سنبھالے	224		؍
	در فرصتِ چند روزہ بے باک شُدیم	227		رباعی
	ناطقہ سر بہ گریباں ہے ''اسے'' کیا کہیے	5	ع	
	محبتوں میں قرینہ تو لوگ رکھتے ہیں	12		فرد
	دستار نداریم و خم و پیچ نداریم	13		؍
	صحبتِ ناجنس گرجاں بخشدت الفت مگیر	15		؍

شاعر کا نام	مصرعِ اوّل	صفحہ نمبر	مصرع مفرد	صنفِ سخن
نامعلوم	کسب کمال کُن کہ عزیز جہاں شوی	19	ع	
	بعید ندی التغرید از مع صوته	36		فرد
	عشق بر حسن منتے دارد	39		؍
	خود بھیک دیں اور خود کہیں سائل کا بھلا ہو	43	ع	
	یک من علم را دہ من عقل باید	58	؍	
	نہ تھا، نہ ہے، نہ کوئی ان سا ہو سکے گا کبھی	59		فرد
	احب الصّالحین و لست منهم	63		؍
	اذا المرء لم یلبس ثیابا من التقیٰ.	65		؍
	وخیر لباس المرء طاعة ربه	؍		؍
	چھیڑ اچھی نہیں ہم سوختہ سامانوں سے	66	ع	
	پہنچی ہے جو ترتیب ادا تک تری تصویر	68		فرد
	وفا کے دامن کو شکوہ سنجی سے اپنی کیوں تار تار کردوں	69		؍
	نمی آید بہ کار اسباب، استعدادی باید	85		؍
	مرے خیال میں دنیا اجڑ گئی میری	؍		؍
	داریت قوما فی هواك وهم عدی	89		؍
	یقیں ہے محشر میں ہو تباہی مگر جو تو چاہے یا الٰہی	91		؍
	میری لغزشوں پہ نہ کر نظر تو رحیم ہے تو کریم ہے	؍		؍
	یک صواب بہ بینند و صد خطا بخشند	؍	ع	
	خودی کفر است نفیِ خویش کُن زود	100	؍	
	عذابِ دوزخ کے ڈر سے توبہ، یہ بہرِ حور و قصور سجدے	121		فرد
	خوشی کو آنے دیتی ہے نہ غم کو جانے دیتی ہے	111		؍
	میں بے نیازِ زیست تھا بڑھتا چلا گیا	113		؍
	زالِ دُنیا چہ قدر فاحشۂ بے باک است	125		؍
	ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید	133		؍

شاعر کا نام	مصرعِ اوّل	صفحہ نمبر	مصرع مفرد	صنفِ سخن
نامعلوم	سچ پوچھئے تو نام اسی کا ہے زندگی	133		فرد
	مقامِ ہوش پہ رک جائیں گے یہ فرزانے	136		؍
	اکیلے میں میلا ہوتا ہے	140	ع	
	خموشی معنی ای دارد کہ در گفتن نمی آید	148,161	؍	
	کہ کرد قطع تعلق کدام شد آزاد؟	146,157		فرد
	منزلیں ذوقِ تجسّس کو مٹا دیتی ہیں	158		؍
	بیٹھا ہوا وطن میں بھی سالک سفر میں ہے	159,215	ع	
	دمبدم دم راغنیمت دان و ہمدم شو بہ دم	162		فرد
	غافل درا حتیاطِ نفس یک نفس مباش	163		؍
	ہم مسافر ہیں اتر جائیں گے کچھ دیر میں پار	166		؍
	تُو لاکھ کھنچے مجھ سے نہ چھوڑوں گا میں دامن	171		؍
	ہر سانس ایک پھانس ہے قلب وجود میں	172		؍
	کاجل ڈاروں کرکرا ہووے سرمہ دیا نہ جائے	181		؍

اشاریہ

اماکن

کتب

F	S	S	M	T	W	T	F	S	S	M	T	W	T
						1	2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15	16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29	30	31					

January

January 1987

کلام مرزا عبدالقادر بیدل قدس سرہ

1 Thursday
29 Rabi II

جہان قلمرو اظہار بے نیازی ہاست ـ کدام ذرہ کہ او نیست آفتاب نسب

گر برآید از صدف گوہر اسیر رشتہ است ـ خانہ غربت دل آگاہ را دام بلاست

من بکیم تا در طلب چوں موج بر بندم کمر ـ یک نفس جا نیکہ دارم چوں حبابم بر لب است

اینقدر وہم ز آغوش نگہ می بالد ـ دیدہ ہر گہ مژہ آورد بہم عالم نیست

چشمیکہ ندارد نظرے حلقۂ دام است ـ ہر لب کہ سخن سنج نباشد لب بام است

واصلان را سرمہ می باشد غبار حادثات ـ چشم ماہی ہا از سواد موج دریا روشن است

2 Friday
1 Jamadi I 1407 Hijri

زین بحر کہ دور است سلامت ز کنارش ـ آسودہ ہمیں کشتی درویش گذشتست

غبار حادثہ حصنیست ناتواناں را ـ کمند موج خطر ناخدائے خاشاک است

زمانہ کج منشاں را بسر کشد بیدل ـ کسیکہ راست بود خار چشم افلاک است

مرگ را در طینت آسودہ طبعاں راہ نیست ـ آتش یاقوت بیدل ایمن از خاکستر است

آرام نیست قسمت دانا کہ بحر را ـ بالین حباب و وحشت امواج بستر است

خلق عاجز چہ کند بقدر ناز کند بر اقبال ـ مور بے چارہ اگر پر بدر آرد مگس است

شور نالۂ نے غافل اے نشاط پرست ـ کہ شمع انجمن عمر روشن از باد است

وحدت خویش حزن دم کہ محیط ادب ـ حباب را نفس سرد خویش جلاد است

6 Wednesday
15 Jamadi I

بیدل کے اشعار کی شرح کا نام
قاضی [illegible] صاحب کی موجودگی میں
(محیطِ ادب) تجویز کیا

۲۰/فروری ۱۹۸۲ء

نصیر الدین نصیر
از گولڑہ

7 Thursday
16 Jamadi I

نصیرملت کی ذاتی ڈائری کا عکس

January 1987

F	S	S	M	T	W	T	F	S	S	M	T	W	T
						1	2	3	4	5	6	7	8
9	10	11	12	13	14	15	16	17	18	19	20	21	22
23	24	25	26	27	28	29	30	31					

January

3 Saturday
2 Jamadi I

بے یار جائے پُرنشاں قیامت است ـ با باغ در خزاں نغمہ گار عندلیب

کم ز منعم نیست کسب عزت درویش ہم ـ بیشتر از لعل خاک خشک بر میدارد آب

شاخ از گلبن جدا معروف گلخن می شود ـ زندگی با دوستاں عیش است و تنہا آتش است

براہِ دوست ز محراب نقش پا پیداست ـ کہ جائے سجدۂ دلہا دریں مکاں خالیست

گدائے درگہ حاجت چہ گردن افرازد ـ بلندی مژہ ہم بر کف دعا انداز

4 Sunday
3 Jamadi I

مباد دامن کس گیرم از جنون غرض
کف امید حنا بسته ام بخون غرض
تو هم آئینه احتیاج بکد گرست
منزهیم وگرنه ز چند و چون غرض
فضای ششجهتم پایمال استغناست
هنوز در خم زنجیرم از جنون غرض
ز بحر بهره سیری نبرد چشم حباب
پریست منفعل از کاسه نگون غرض
حریف تیشه ابرام بودن آسان نیست
حذر کنید ز فرهاد بیستون غرض
دل از امید پر داز جهل مفت غناست
جهان تمام فلاطون شد از فنون غرض
نداشت ضبط نفس غیر عافیت منظور
شنیده ام از لب خاموش هم فسون غرض
سراغ انجمن کبریا ز دل جستم
طپید و گفت همین یکقدم برون غرض
بروی کس مژه از شرم بر نداشته ایم
مباد (بیدل) ما اینقدر زبون غرض

کلیاتِ بیدل، ج:1، ص778

نمیشود کس ازین عبرت انجمن محظوظ
مگر چو شمع کنی دل بسوختن محظوظ
درجنون زن و از کائنات لباس برا
چه زندگیست که باشد کس از کفن محظوظ
نفس نمانده هنوز از ترانه های امل
چو دود شمع خوشی بما و من محظوظ
بزخم خنده گل اختراع نومیدیست
چه عشرتست که باشی باین و آن محظوظ
جهان قلمرو امن است اگر توان گردید
چو طبع کر باشارت ز هر سخن محظوظ
ز دور گردنی تمیز خلق کم دیدم
که کس نرفته بغربت شد از وطن محظوظ
درین بساط نیفتاد چشم عبرت ما
بر فتنی که توان شد ز آمدن محظوظ
ز تردماغی وضع ادب مگوی و مپرس
ز بو سفیم بیوئی ز پیرهن محظوظ
گرانست وسوسه هستی از حضور عدم
نشسته ایم بخلوت در انجمن محظوظ
(۷۸۱)

کلیاتِ بیدل، ج:1، ص781

برنگی با من جوشیده است یاد دل
که درد آید اگر گویم بیاد دل
خجالت مقصد چشم است کو چشم
غمت باب دلست اما کجا دل
سراپا ناله میجوشیم چون موج
طپش خون کرد در هر عضو ما دل
درای کاروان دشت یأسیم
چه سازد گر ننالد بینوا دل
سراغ ما غبار بال عنقاست
برنگ رفته دارد نقش پا دل
ز اشک و آه مشتاقان مپرسید
هجوم بسملست از دیده تا دل
ز پرواز نفس غافل مباشید
چو شبنم ریشه دارد در هوا دل
ز خاک ما قدم فهمیده بردار
مبادا نشکنی در زیر پا دل
درین محفل کسی محتاج کس نیست
همین کار دل افتاده است با دل
گرفتارم گرفتارم گرفتار
نمیدانم نفس دام است یا دل
بصورت (بیدلم) اما بمعنی
بود چون اشک سر تا پای ما دل

کلیاتِ بیدل، ج:1، ص810

[illegible]

افلاطون خم نشین یونان معانی حضرت مرزا عبدالقادر بیدل دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ وہ ایک عظیم قادر سخن، صوفی، فلسفی، منطقی، سپہ شعار اور جملہ علوم متداولہ وفنون مروجہ میں منفرد حیثیت کے مالک تھے۔ حقیقت ہے کہ دنیائے علم و ادب میں اتنا بلند پایہ انسان آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ اگرچہ عمر گزر گئی ہے اسی دشت کی سیاحی میں۔ کا قول بھی میرے لیے باعث فخر ہے تاہم انصاف کی رو سے یہی کہتا ہوں۔ کہ اب حضرت بیدل کے معانی و مطالب کو سطحی طور پر سمجھنے میں اگر کامیاب ہو جاتا ہوں۔ مگر حقیقت معانی سے ابھی تک خود کو بے خبر پاتا ہوں۔ اللہ اللہ اس شخص کا وجود سراپا اعجاز ہے۔ اس میں تعلّی یا مبالغہ ہرگز نہیں۔ ان کا کلام پڑھنے والا۔ پیشہ ورانہ شاعری اور سطحی شعرا کو قطعاً خاطر میں نہیں لا سکتا۔ جبکہ غالب جیسا عظیم شاعر بھی ان کے سامنے طفل نوشق نظر آتا ہے۔ اس بات کی تائید میں غالب کے یہ دو شعر خود پڑھ لیں تو شاید بیدل کی عظمت آپ کو سمجھ آ جائے۔

؎ طرز بیدل میں ریختہ لکھنا — اسد اللہ خاں قیامت ہے

؎ گر ملے حضرت بیدل کا خط لوح مزار — اسد آئینۂ پرواز معانی مانگے

سبحان اللہ غالب نے کس عاجزی سے بیدل کے سامنے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب کوئی عظیم انسان کسی عظیم انسان کی عظمت کا قائل ہو کر برملا اعتراف عظمت کرے۔ تو لطف آتا ہے۔ اعتراف عظمت کے لیے عظیم انسان کا ہونا ضروری ہے۔ اگرچہ اب وہ دور وہ ذہن نہیں رہے اور نہ ہی وہ تعلیمات اور وہ ذوق رہا۔ آج کل کے انگریز و انگریزیت کے ذہن اپنی آبائی و اسلافی شخصیات کے روحانی و علمی اقدار کے وارث نہ رہے۔ جیسے تو نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔ والا معاملہ ہو کر رہ گیا۔ مضمون تعارف کو ختم کرتا ہوں۔ اللہ ہم سب کو اپنی علمی و ادبی وراثتوں کا وارث بنائے۔ آخر میں دعا کے ساتھ

؎ ہر کلام بیدل اگر کسی ملزوم جادۂ منصفی۔ کہ کیسے نہی طلبد تو صلۂ دگر مگر آفریں

خاک پائے بیدل
نصیر الدین نصیر
29-9-76

زیر مطالعہ کلیات بیدل پر نصیر ملت کی یادداشت (کلیات بیدل، ج:3)

بتماشای این چمن در مژگان واز کن   زخمستان عافیت قدحی گیرو ناز کن
مشکن جام آبرو بطپشهای آرزو   عرق احتیاج رامی مینای راز کن
مپسند آنقدر ستم که بخست شوی علم   گره دست ودل زهم مژه بگشا و باز کن
بحه افسانه مایلی که ز تحقیق غافلی   تو تماشا مقابلی ز خیال احتراز کن
نه ظهوریست نی خفا نه بقا ئیست نه فنا   بتخیل حقیقتی که نداری مجاز کن
چو غبار شکسته در سر راهت نشسته‌ام   قدمی بز مین گذار و مرا سرفراز کن
با دای تکلفی بفسون تبسمی   شکری را قوام ده نمکی را گداز کن
عطش حرص یکقلم زجهان برده رنگ نم   همه خاکست آب هم به تیمم نماز کن
نکند رشته کوتهی اگر از عقده وارهی   سرت از آرزو تهی چه شود پا دراز کن
زفسردن چو بگذری سوی آینه پری   دل سنگین گداز و کارگه شیشه ساز کن
بنشین (بیدل) از حیا پس زانوی خامشی
نفسی چند حرص راز طلب بی نیاز کن

کلیات بیدل، ج:1،ص1019

تبسم قابل چاکی نشد ناموس عریانی   خجل کرد آخر از روی جنونم بی گریبانی
چه بال وپر گشاید وحشت از ساز جنون من   صدا عمریست در زنجیر تصویر است زندانی
ندانم مشهد تیغ خیال کیست این گلشن   که شبنم کرد گلها را نهان در چشم قربانی
براه او نخستین گام ما را سجده پیش آمد   توای حسرت قدم می زن که ما سودیم پیشانی
بجای شعله از ما آب نم خون کرده میجوشد   چو یاقوت آتش ما را حیا کرده است دانائی
بیا زاهد اگر همت دهد سامان توفیقت   بیاموز از شرار کاغذ ما سجده گردانی
کنار وصل معشوق است گرد خویش گردیدن   توان کردن باین گرداب دریا را گریبانی
محبت نیست آهنگی که آفت جوشد از سازش   گسستن بر نمی آید بز تار سلیمانی
سر قطع تعلق داری از دیوانگی مگذر   بس است آینه دار جوهر شمشیر عریانی
باین سامان وحشت آنقدر مشکل نمی بینم   که گرد دسابه‌ام چون دیده آهو بیابانی
نیم نومید اگر گرد سر شمع دیگر دم   پر پروانه‌ئی دارم بقدر رنگ گردانی
بفیر رنگ خیالش آنقدر جوشیده‌ام (بیدل)
که در رنگ قبا رم میتوان زد خانه عمانی

کلیات بیدل، ج:1،ص1145

در راه عشق تو شه امنی نبرده ام — از دیر تا بکعبه همین سنگ خورده ام
هستی جنون معامله صبح شبنم است — اشکی چکیده تا رگ آهی فشرده ام
محمل کش تصور خلد انتظار کیست — گامیست آرزو که براهی سپرده ام
پری هزار رنگ ملالم زموده اند — تا روشنت شود چقدر سال خورده ام
امروز ناله ام ز بریار میرسد — من گام قاصد از طپش دل شنیده ام
دریاد جاوه ئی که بهشت تصوراست — آهی نکرد گل که بیاغش نبرده ام
اجزای من قلم رو نیرنگ نازاوست — نقاش خامه گیر ز موی سترده ام
خجلت چو شمع کشته ز داغم نمیرود — آینه ز نگ بسته ز وضع فسرده ام
گامی بجلوه آی و زرنگم برار گرد — از خویش رفتنی بخرامت سپرده ام
در خاك تربتم نفسی میزند غبار
(بیدل) هنوز زنده عشقم نمرده ام

کلیات بیدل، ج:1،ص909

ز بسکه حیرت دیدار برده است ز هوشم — چو موج چشمه آینه نیست یکمژه جوشم
زبان ناله من نیست جز نگاه تحیر — چو شمع تا مژه برهم رسیده است خموشم
نوای شوق نما ند نهان بسا ز خموشی — بلند میشود از سرمه چون نگاه خروشم
بسعی حیرت ازین بزم گوشه ئی نگرفتم — همان چو آینه از چشم خویش خانه بدوشم
ز دور ساغر کیفیتم مپرس چو شبنم — گداخت گوهر دل آنقدر که باده فروشم
مرا ز اطاعت آوارگی چگونه بتابم — چو گردباد ز سرگشتگی است ساغر هوشم
سپند جز طپش دل مدان فسانه خوابش — بناله نشه فروشی شکست ساغر هوشم
غرور حسن دلیلست بر تظلم عشق — شنیده اند بقدر تغافل تو خروشم
ز فرق تا بقدم عرض حیرتم چه توانکرد — هوای عالم دیدار کرد آینه پوشم
سیاه بختیء من سرمه گلوشده (بیدل)
برنگ حلقه زنجیر زلف سخت خموشم

کلیات بیدل، ج:1،ص926

تا سر زخط جاده تحقیق برانی — چون زور تقریر بورها مه شقی کن
بی سعی طپش راه بمقصد نتوان برد — بر جرأت بسمل زن و ساز قلقلی کن
مفتست حضور نفس با ز پسینت — ایشمع سحر سیر بهار رمقی کن
عمریست هوس داغ چراغان خیالیست — بر صفحه ام آتش زن و اثبات حقی کن
علر دل غافل بهم ازجبهه توان خواست
ای (بیدل) اگر گریه نداری عرقی کن

کلیات بیدل، ج:1،ص1017

گولڑا شریف میں انعقاد پذیر
سالانہ تقاریب کی تواریخ

18,17 صفر المظفر

عرس مبارک حضرت پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی قدس سرہ العزیز

30,29 صفر المظفر

عرس مبارک قبلۂ عالم پیر سید مہر علی شاہ گیلانی قدس سرہ العزیز

---

12 ربیع الاول عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

11,10,9 ربیع الثانی بڑی گیارہویں شریف

---

28 ربیع الثانی ختمِ نبوت سیمینار

2,1 جمادی الثانیہ

عرس مبارک حضرت پیر سید غلام محی الدین گیلانی قدس سرہ العزیز المعروف بابو جی

3,2 ذوالقعدہ

عرس مبارک حضرت پیر سید غلام معین الدین گیلانی قدس سرہ العزیز المعروف لالہ جی

تصانیف قبلۂ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانی قدس سرہ العزیز

1:۔ تحقیق الحق فی کلمۃ الحق — یہ کتاب کلمہ طیبہ کی تشریح اور مسئلہ وحدت الوجود کے بیان میں ہے جو ارباب علم و ذوق کیلئے خضر راہ ہے، کتاب کے آخر میں صوفیائے وجودیہ کے طریقہ سلوک و توجہ کو عمدہ انداز میں بیان فرما کر سرکار دو عالم آنحضرت ﷺ کی مختصر سیرتِ طیبہ کا بھی بیان فرمایا ہے۔

2:۔ شمس الہدایہ — یہ کتاب حضرت مسیح ابن مریم کے زندہ آسمان پر تشریف لیجانے اور قیامت کے قریب واپس زمین پر نزول فرمانے کے موضوع پر قرآن و سنت کی روشنی میں تحریر فرمائی گئی اور اس میں ختم نبوت جیسے متفقہ اور اجماعی عقیدہ کے متعلق تمام اعتراضات اور شکوک و شبہات کی مدلل تردید تحریر ہے۔

3:۔ سیف چشتیائی — ہر طبقہ کے علمائے کرام کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ حیات مسیح علیہ السلام اور ختم نبوت کے موضوع پر اس سے بہتر اور مستند کتاب کبھی نہیں لکھی گئی، علم دوست اصحاب میں بیحد مقبول ہے

4:۔ اعلاء کلمۃ اللہ — یہ کتاب وما اھل بہ لغیر اللہ کی تفسیر ہے جس میں قبلۂ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانیؒ نے مسائل نذر و نیاز، سماع موتی استمداد اولیاء کرام کو نہایت شستہ انداز میں بیان فرمایا ہے۔

5:۔ الفتوحات الصمدیہ — اس کتاب میں مخالفین کی طرف سے قبلۂ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانیؒ پر کیے گئے ان دس مشکل سوالات کے جوابات دیئے گئے جن پر مخالفین کو بہت ناز تھا، کتاب کے آخر میں قبلۂ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانیؒ کی طرف سے پوچھے گئے بارہ سوالات بھی درج ہیں جنکے جوابات مخالفین آج تک نہ دے سکے۔

6:۔ تصفیہ مابین سنی و شیعہ — اپنی اس تصنیف لطیف میں قبلۂ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانیؒ نے خلافت راشدہ کی حقانیت کے ساتھ ساتھ اہل بیت کرام کے فضائل کو از روئے کتاب و سنت انتہائی متوازن انداز میں ثابت فرمایا ہے، یہ کتاب توازن و استدلال مسلک کا شاہکار ہے۔

7:۔ ہدیۃ الرسول — فارسی زبان میں لکھی گئی یہ کتاب قبلۂ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانیؒ کی طرف سے مرزائیت کی مکمل تردید پر مشتمل ہے۔

8:۔ مرآۃ العرفان — قبلۂ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانیؒ کا عارفانہ اور روحانی کیفیات سے بھرپور منظوم کلام

9:۔ فتاویٰ مہریہ — یہ کتاب قبلۂ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانیؒ کے قلمی فتاویٰ کا مجموعہ ہے۔

10:۔ سیرت نبویہ از افاداتِ مہریہ — آنحضرت ﷺ کی مختصر سوانح حیات مبارکہ مع احادیث و ارشادات جو قبلۂ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانیؒ کی مشہور کتاب تحقیق الحق کے آخر میں ہے اور عام قارئین کیلئے اسے علیحدہ شائع کیا گیا ہے۔

تصنیف حضرت پیر سید غلام معین الدین مشتاق گیلانی قدس سرہ العزیز

1:۔ اسرار المشتاق — منظوم کلام (حمد و نعت، مناقب، غزلیات) — مطبوعہ

تصانیف حضرت پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی قدس سرہ العزیز

نمبر	نام	تفصیل	کیفیت
1:۔	نام و نسب	(سیادتِ غوث پاکؒ کے تحقیقی ثبوت، نکاح سیدہ کی شرعی حیثیت اور شیعہ خوارج کے عقائد کا تفصیلی جائزہ)	مطبوعہ
2:۔	راہ و رسمِ منزل ہا	(تصوف اور عصری مسائل پر سیر حاصل بحث)	مطبوعہ
3:۔	امام ابو حنیفہؒ اور ان کا طرزِ استدلال	(امام الائمہ، سراج الامہ کے علمی و فقہی مقام و مرتبہ کا بیان)	زیرِ طبع
4:۔	اعانت و استعانت کی شرعی حیثیت	(اثباتِ توحید و ردِ شرک کے لئے دلائلِ قاطعہ)	مطبوعہ
5:۔	لطمۃ الغیب علیٰ ازالۃ الریب	(حضرت پیرانِ پیرؒ کے گستاخوں کے منہ پر غیبی طمانچہ)	مطبوعہ
6:۔	رنگِ نظام	(قرآن و حدیث کی روشنی میں اردو مجموعۂ رباعیات)	مطبوعہ
7:۔	دیں ہمہ اوست	(عربی، فارسی، اردو اور پنجابی نعتیں)	مطبوعہ
8:۔	فیضِ نسبت	(عربی، فارسی، اردو اور پنجابی میں مناقب)	مطبوعہ
9:۔	آغوشِ حیرت	(فارسی رباعیات)	مطبوعہ
10:۔	پیمانِ شب	(اردو غزلیات کا پہلا مجموعہ)	مطبوعہ
11:۔	دستِ نظر	(اردو غزلیات کا دوسرا مجموعہ)	مطبوعہ
12:۔	عرشِ ناز	(فارسی، اردو، پوربی، پنجابی اور سرائیکی میں متفرق کلام)	مطبوعہ
13:۔	الرباعیات المدحیۃ فی حضرۃ القادریۃ	(فارسی رباعیات در شان حضرت پیران پیرؒ)	مطبوعہ
14:۔	طریق الفلاح فی مسئلۃ الکفو للنکاح	(نکاح سیدہ با غیر سید کی شرعی حیثیت)	مطبوعہ
15:۔	متاعِ زیست	آخری متفرق کلام (حمدیہ، نعتیہ، مناقب، غزلیات، رباعیات)	مطبوعہ
16:۔	لفظ اللہ کی تحقیق	(متلاشیانِ راہِ حق کیلئے سامانِ تحقیق)	مطبوعہ
17:۔	قرآنِ مجید کے آدابِ تلاوت	(قرآن مجید کی رفعت و عظمت، قلوب و اذہان میں جاگزیں کرنیوالا رسالہ)	مطبوعہ
18:۔	آئینۂ شریعت میں پیری مریدی کی حیثیت	(فلسفۂ بیعت پر مبنی ایک دلچسپ مقالہ)	مطبوعہ
19:۔	پیرانِ پیرؒ کی شخصیت، سیرت اور تعلیمات	(ایک ایمان افروز اور شرک سوز مقالہ)	مطبوعہ
20:۔	الجواہر التوحیدیہ فی تعلیمات الغوثیہ	(شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی تعلیمات کی روشنی میں عقیدۂ توحید پر سیر حاصل بحث)	مطبوعہ
21:۔	موازنۂ علم و کرامت	(مقامِ علم گھٹانے والوں کیلئے تازیانۂ عبرت)	مطبوعہ
22:۔	کیا ابلیس عالم تھا؟	(اربابِ علم و اصحابِ تحقیق کیلئے پیغامِ مباحات)	مطبوعہ
23:۔	اسلام میں شاعری کی حیثیت	(ایک انوکھا اور اچھوتا تحقیقی مقالہ)	مطبوعہ
24:۔	مسلمانوں کے عروج و زوال کے اسباب		مطبوعہ
25:۔	پاکستان میں زلزلے کی تباہ کاریاں	(اسباب اور تجاویز)	مطبوعہ
26:۔	فتویٰ نویسی کے آداب	(طالبانِ تحقیق کے افادہ کیلئے ایک تحقیقی مقالہ)	مطبوعہ
27:۔	پنجابی کلام	(در رنگِ ابیات حضرت سلطان باہوؒ)	مطبوعہ
28:۔	عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت	(ختم نبوت کے موضوع پر ایک منفرد تحقیقی مقالہ)	مطبوعہ
29:۔	کلیاتِ نصیر گیلانی	(مطبوعہ و غیر مطبوعہ منظوم کلام کا مجموعہ)	مطبوعہ
30:۔	محیطِ ادب	(مرزا عبد القادر بیدل کے اشعار کا ترجمہ و تشریح)	مطبوعہ
31:۔	تضمینات	اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے کلام پر تضمینات	

32: خطباتِ نصیر گیلانی — حضرت پیر سید نصیر الدین نصیر گیلانی قدس سرہ العزیز کی تقاریر در جامع مسجد درگاہ غوثیہ مہریہ گولڑا شریف کا مجموعہ (مطبوعہ)

33: سروشِ حیرت — (انگلش ترجمہ و تشریح رباعیات آغوشِ حیرت) (زیر طبع)

34: ضیائے مہر کا تحقیقی جائزہ (مطبوعہ)

تصانیف پیر سید غلام نظام الدین جامی گیلانی قادری

1:	جانِ آرزو	مجموعہ غزلیات	(مطبوعہ)
2:	عنوانِ آرزو	مجموعہ رباعیات	(مطبوعہ)
3:	قرآنِ آرزو	مجموعہ غزلیات	(زیر طبع)
4:	ایمانِ آرزو	مجموعہ رباعیات	(زیر طبع)
5:	عرفانِ آرزو	مجموعہ رباعیات	(زیر طبع)
6:	داستانِ وفا	ایک سگِ باوفا کی داستان (منظوم)	(زیر طبع)

درگاہی کتب درگاہِ غوثیہ مہریہ گولڑا شریف

1:۔مکتوباتِ طیبات — یہ کتاب قبلہ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانیؒ کے خطوط اور تحریرات کا مجموعہ ہے جو آپ نے وقتاً فوقتاً اپنے احباب اور متعلقین کی طرف تحریر فرمائے۔ ان میں بہت سے مسائل شریعت و طریقت کا حل موجود ہے۔

2:۔ملفوظاتِ مہریہ — قبلہ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانیؒ کے علمی ارشادت و ملفوظات کا مجموعہ

3:۔عجالہ بردو سالہ — احناف کے عقائد حقہ کے متعلق ہرزہ سرائیوں کی مدلل تردید

4:۔مہر منیر (اردو) — آنجناب قبلہ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانیؒ کی شہرۂ آفاق سوانح عمری، آپ کے مصدقہ حالات زندگی علمی و روحانی مجاہدات و کمالات کا تفصیلی تذکرہ۔ تصنیفات کا مختصر خلاصہ، قادیانیت کے خلاف آپ کے معرکہ کی داستان۔

5:۔مہر منیر (انگلش) — قبلہ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانیؒ کی سوانح عمری مہر منیر کا انگریزی ترجمہ

6:۔ضیائے مہر — سوانح حیات حضرت پیر سید غلام محی الدین گیلانیؒ المعروف بابوجی

7:۔مسافر چند روزہ — حضرت پیر سید غلام محی الدین گیلانیؒ کے منتخب مکتوبات مع تشریحات کیساتھ

8: ۔ظائف چشتیہ — مجموعہ اوراد و وظائف مع ترجمہ و اسناد

9:۔ایضاح الدلالات فی سماع الآلات — سازوں کے ساتھ قوالی سننے کا مسئلہ

0 ..۔دلائل الخیرات — مجموعہ اوراد و وظائف

11:۔صحیح مسلک — قبلہ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانیؒ کی کتب اور دیگر محدثین کی کتب سے اہلسنت و جماعت کا صحیح معتدل مسلک پیش کرنے کی کوشش پر مبنی تصنیف

12:۔سماع کے جواز میں دلائل — سماع سے متعلق مختلف مسائل کا جائزہ

13:۔نقوشِ مہر — قبلہ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانیؒ کے روضہ مبارک کی دیوار پر لکھی گئی آیات، احادیث اقوال اور اشعار کا ترجمہ

14:۔شجرہ نسب اور سلاسل فقر — مہر علی شاہ گیلانیؒ کا شجرہ نسب اور سلاسل فقر

15:۔سلسلہ چشتیہ نظامیہ بطور فریاد — منظوم فریاد بحضور قبلہ عالم حضرت پیر سید مہر علی شاہ گیلانیؒ

16:۔مہر نما — منظوم قصیدہ

17:۔فریاد صدیقی — دربار غوثیاں مع مجموعہ غزلیات

18:۔ آئین و دستور گولڑا شریف — آئین و دستور بابت انتظام و انصرام درگاہ و لنگر غوثیہ گولڑا شریف

مصنف محیط ادب (14 نومبر 1949ء۔ 13 فروری 2009ء)

بعد مردن شعلہ آواز من خاموش نیست

خیزد از تار رگ سنگ مزار آہنگ من

شجرہ مہریہ معینیہ
قبلۂ عالم پیر سید مہر علی شاہ گیلانیؒ
(04-04-1859 — 11-05-1937)
سید غلام محی الدین گیلانیؒ
(1-12-1891 — 22-06-1974)
سید غلام معین الدین گیلانیؒ
(22-05-1920 — 12-03-1997)
سید شاہ عبدالحق گیلانی
(16-04-1926)
سید نصیر الدین نصیر گیلانیؒ
(14-11-1949 — 13-02-2009)
سید غلام جلال الدین گیلانی
(29-08-1955)
سید غلام حسام الدین گیلانی
(1-03-1960)
سید غلام نظام الدین گیلانی قادری
(04-04-1976)
سید غلام نجم الدین گیلانی
(12-08-1983)
سید غلام شمس الدین گیلانی
(30-07-1992)
سید غلام نصیر الدین قیس گیلانی
(24-04-2009)
سید غلام مہر محی الدین گیلانی
(16-04-1985)
سید مہر جمال الدین گیلانی
(11-04-2011)
سید مہر حماد الدین گیلانی
(7-11-1989)
سید مہر فواد الدین گیلانی
(29-07-1992)
سید مہر معین الدین گیلانی
(11-03-2000)